کتاب

لوک پنجاب

لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد، پاکستان

لوک پنجاب

مظہر الاسلام

لوک ورثے کا قومی ادارہ۔ اسلام آباد

OT-CS-700-01

سلسلہ ثقافتی جائزے

جملہ حقوق محفوظ؛

اگست ۱۹۷۸ء

چیف ایڈیٹر۔ عکسی مفتی   مصنف۔ مظہر الاسلام

کتابت۔ محمد اسلم چیمہ   سرورق۔ فاروق قیصر

تصویریں:۔ عکسی مفتی۔ مظہر الاسلام

لوک ورثے کا قومی ادارہ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۸۴۔ اسلام آباد

یہ کتاب یا اس کا کوئی حصہ بغیر اجازت طبع نہیں کیا جاسکتا۔

شعبہ مطبوعات   :   قیمت۔ [illegible] روپے۔

ترتیب

پہلی بات ۱۵

۷۸۶ ۱۹

آمنہ فیروزہ ۲۱

پیر سلیمان فارس ۲۳

گجرات / حضرت شاہ دولہ دریائی ۲۵

جن کی قبر ۲۹

دریائے چناب کی پیر پرستی ۳۰

کانواں والی سرکار ۳۲

گجراتی ماہیا ۳۹

چکوا اور چکوی ۴۵

وزیر آباد ۴۷

بھمبر ۵۴

گوجرانوالہ ۵۶

موضع بھیڑی / نوشوہ رحمٰن ۶۶

حافظ آباد ۶۸

بخاری بادشاہ / بابا کالے شاہ ۶۹

کڑیال کلاں ۷۰

جگنی ۷۵

میلہ کالی جھاڑی / میلہ بابا مولا شاہ / میلہ بابا عبداللہ شاہ / میلہ بابا کوڈے شاہ ۷۹

بوبیاں	۸۰
چھلا	۸۳
الکھان	۸۸
جنڈیالہ شیر خان	۹۳
پیر حیات شاہ	۹۴
چٹیاں قبداں / مشکی شاہ / حافظ برخوردار	۹۵
وارث شاہ	۹۶
شیخوپورہ	۹۸
شاہ جمال / پیر بہار شاہ / بوبیاں	۹۹
سراں	۱۰۲
سائیں مشتاق	۱۰۴
جگنی	۱۰۸
گھڑے / رنگ اور چھلے کا گیت	۱۱۱
راوی	۱۱۴
پتوکی	۱۱۵
پاک پتن میں	۱۱۸
بابا فرید گنج شکر	۱۲۰
بہشتی دروازہ	۱۲۲
بودلے	۱۲۶
سخی غلام قادر	۱۲۸
چن پیر	۱۳۳
صوفیانہ مسلک کی تجدید	۱۳۴

ملکہ ہانس	۱۳۶
قبولہ/ بابا محسن شاہ	۱۳۷
ہیر پڑھنے کی روایت/ منڈی چشتیاں	۱۴۰
دریاؤں کے خشک پاٹ	۱۴۲
چولستان	۱۴۵
چولستان میں آباد قومیں	۱۴۶
چولستان کے بیشتر قوموں کے رسم و رواج	۱۵۰
دین گڑھ میں ایک شادی	۱۵۲
چولستان کے موسم اور ٹوبے	۱۵۷
زندگی کے معمولات	۱۵۸
تاریخی مقامات	۱۶۳
قلعہ پھولڑہ	۱۶۷
حاجی شیر شاہ بخاری/ قلعہ ولہر/ سید کرم علی شاہ	۱۷۰
قلعہ موج گڑھ	۱۷۳
سلطان شاہ بخاری	۱۷۶
دین گڑھ	۱۷۷
قلعہ مروٹ	۱۷۹
قلعہ ڈراور	۱۸۳
بینگھ والی	۱۸۹
قلعہ اسلام گڑھ/ قلعہ ڈراور کا اژدہا	۱۹۱
ڈاہرین/ بستی جانو والی	۱۹۳
لوک گیت	۱۹۴

ٹھنڈی کھوہی	۱۹۷
کالے پاڑ	۲۰۰
چولستان کے خانہ بدوش	۲۰۱
لوک گیت / میلے / لوک ناچ	۲۰۳
چنن پیر	۲۰۴
خواجہ فرید کی روہی	۲۰۷
خواجہ فرید	۲۱۰
کوٹ مٹھن	۲۱۴
چولستان کے کنارے آباد اہم علاقے / منڈی یزمان	۲۱۷
باوریئے	۲۲۰
مینگھوال	۲۲۵
میر عالم	۲۲۶
احمد پور شرقیہ	۲۳۰
اوچ شریف	۲۳۸
سہروردیہ بخاریہ سلسلہ کے بزرگ	۲۳۸
سلسلۂ قادریہ گیلانیہ کے بزرگ	۲۳۹
اوچ شریف میں موسیقی کی روایت / حسین ڈھاڈی	۲۴۰
ضلع بہاولپور کا مقبول محاورہ	۲۴۲
جلالپور پیر والا	۲۴۴
حضرت سلطان احمد قتال	۲۴۶
ملتان	۲۵۱

پنڈ فیض پور	۲۵۲
کہانیوں کے مُڈھ	۲۵۳
ماہیا	۲۵۷
حقّہ	۲۵۹
ڈوہڑے	۲۶۲
عبداللہ بلوچ / چھلّے	۲۶۳
ماہیا	۲۶۶
تورا	۲۶۸
ڈھول مسافر نت دا / کھٹّمی کھٹّمی	۲۶۹
چنگڑ اور مصلّی	۲۷۰
سہرا	۲۷۴
گیت	۲۷۶
ڈوہڑا	۲۷۸
لائلپور	۲۷۹
بابا توڑی شاہ	۲۸۱
ہر سہ شیخ	۲۸۲
بھانڈ / مراثی	۲۸۴
پنڈی بھٹیاں / وَسّے کی	۲۸۵
وَسّے کی کہانی	۲۸۷
پنڈی بھٹیاں کی کاٹھیاں / موسیقی کی روایت	۲۸۸
میاں خیر محمد نوں	۲۸۹
میاں مردان	۲۹۰

بھیتوں کی رسمیں / حضرت سخی سرور کا سنگ	۲۹۱
نہر کے کنارے کنارے	۲۹۳
گرُنے پٹھانہ	۲۹۷
ہڈرانجھا	۲۹۸
پیر جھگی شاہ	۲۹۹
بولیاں	۳۰۰
ماہیا	۳۰۱
لوک گیت	۳۰۵
سہرے	۳۱۰
الھان	۳۱۴
فتح جنگ	۳۲۲
بابا ولی احمد / پیر احمد شاہ / سائیں نور خاں / تاریخی مقامات	۳۲۶
کلر کہار	۳۲۸
روحانی بزرگ / مور	۳۲۹
کلرکہار کی عام روایات / پیشے	۳۳۰
چیف آف بھاٹ	۳۳۱
بھامرہ شریف	۳۳۴
ستارہ	۳۳۸
خوشاب	۳۴۰
سخی سید معروف شاہ / شاہ شمس شیرازی	۳۴۴
حافظ سلطان / میاں سلطان علی ننگیانہ / نبی بخش جیمالی سلطان	۳۴۶
گیت ڈھولے	۳۴۷

چنیوٹ / لوک فنون	۳۵۸
شیخ عمر حیات	۳۶۳
حضرت شاہ برہان	۳۶۶
موضع ماتے / پیر نیاں	۳۶۸
جھنگ	۳۷۱
پیر ہاتھیوان سلطان / دربار نور شاہ	۳۷۲
اٹھارہ ہزاری	۳۷۴
لوک فنکار، پیٹھانا خاں	۳۷۸
ڈیرہ غازی خان	۳۸۲
خواجہ غلام فرید / سخی سرور / شاہ سلیمان اور دوسرے صوفی بزرگ	۳۸۴
بلوچ قبائل	۳۸۵
روت کوئیاں	۳۸۶
لوک گیتوں کی اقسام / ماہیا	۳۸۹
جگنی	۳۹۴
چھلا	۴۰۴
ڈھولا	۴۰۵
بولیاں	۴۰۶
جھوک	۴۰۷
باراں ماہ	۴۱۰
ستوارہ	۴۱۱
دوہڑے	۴۱۲

شہراں ۴۱۳
سی حرفی / بینت ۴۱۶
کافی ۴۱۷
وار ۴۱۸
لوریاں ۴۱۹
شادی بیاہ کے گیت ۴۲۰
لوک ناچ ۴۲۲
گِدھا ۴۲۳
بھنگڑا ۴۲۶
لُڈّی / کِکلی / جَلّی ۴۲۷
پنجابی گھر میں روزمرّہ استعمال کی چیزیں ۴۲۹
کچھ کھانے پینے کی چیزیں ۴۵۰
ایک طویل لوک گیت ۴۵۲

تصویریں

مزار حضرت شاہ دولہ دریائی۔	٣١
سائیں مشتاق امریکہ میں۔	١٠٥
پتوکی / ماشکی۔	١١٧
بابا فرید کے مزار پر ملنگ / قوال۔	١٢١
درگاہ بازار کے سامنے عورتوں کا ہجوم / مزار کے باہر ملنگ۔	١٢٣
مزار چن پیر / سخی غلام قادر کے مزار پر ایک ملنگ۔	١٢٩
پاک پتن میں ملنگ۔	١٣٥
تبورے کا بازار۔	١٣٩
مزار خواجہ نور محمد مہاروی۔	١٤١
ستلج کے پاٹ میں ایک جھونپڑی / بچھی واسیوں کی جھونپڑیاں	١٤٣
دریائے گھاگرا کا خشک پاٹ۔	١٤٧
ایک مہر۔	١٤٨
ایک بھٹی / ایک چولستانی چہرا۔	١٥١
عورتیں پانی بھر کرلے جا رہی ہیں	١٥٣
ایک ٹوبہ / عورتیں ٹوبے سے پانی بھر کرلے جا رہی ہیں۔	١٥٥
چولستان کے کچھ موڈ۔	١٥٦
چولستانی جھونپڑیاں	١٥٩
خانہ بدوش راجپوت حقہ پی رہے ہیں / بلوچ خانہ بدوشوں کی جھونپڑی	١٦٠

کمہار اکٹھی کر کے لے جائی جا رہی ہے۔ ۱۶۲
جانور دن بھر آبادی سے دور دستار رہتے ہیں / بھیڑیں۔ ۱۶۳
عورتیں پانی بھر کرلے جا رہی ہیں۔ ۱۶۵
ایک چولستانی عورت بکریوں کو ہانک کرلے جا رہی ہے / گائیوں کے گلے میں ٹل۔ ۱۶۶
قلعہ پھولڑا۔ ۱۶۸
مسجد۔ ۱۶۹
مزار حاجی شیر شاہ بخاری۔ ۱۷۱
عورتیں پانی بھر کرلے جا رہی ہیں۔ ۱۷۲
قلعہ مروج گڑھ ۱۷۴
قلعہ دین گڑھ ۱۷۸
قلعہ مروٹ / مسجد جس میں حضرت علیؓ کے پائے مبارک کا نشان موجود ہے۔ ۱۸۰/۱۸۱
قلعہ مروٹ کے نزدیک چولستان کے موڈ / قلعہ مروٹ میں ہمارے میزبان۔ ۱۸۳
عکسی مفتی ٹینٹ سے باہر نکل رہے ہیں۔ ۱۸۵
میگھوال گھرانہ / ایک میگھوال عورت کپڑے دھو رہی ہے۔ ۱۸۷
میگھوال بچے۔ ۱۸۸
ایک میگھوال کھڈی پر لوکار بن رہا ہے / بستی قلعہ ڈراور کا میگھوال۔ ۱۹۰
ڈاہریں / عبدالعزیز لوک گیت ریکارڈ کراتے ہوئے۔ ۱۹۵
ایک عورت کڑھائی میں مصروف ہے ۱۹۸
ٹھنڈی کھوہی کا سکول۔ ۱۹۹
سلا قوم کے چولستانی خانہ بدوش / ڈھیبوں کی ایک بستی۔ ۲۰۲
مزار چنن پیر ۲۰۵
خواجہ فرید کے مزار کا اندرونی دروازہ ۲۱۵

خواجہ قسمید کے مزار کی ایک دیوار / دربار کے صحن میں ۲۱۶

جیپ دلدل میں پھنسی ہوئی ہے / مظہرالاسلام ۲۱۹

عکسی مفتی پاوری عورتوں سے معلومات اکٹھی کرتے ہوئے / پاوری عورتوں کا لباس۔ ۲۲۱

ایک پاوری خاتون روپالی / پاوری عورتیں۔ ۲۲۳

حکمارام اور اس کی بیوی / ایک پاوریا۔ ۲۲۴

منڈی یزمان کے پیر عالموں کی ریکارڈنگ۔ ۲۲۷

اُچ شریف میں بی بی جیوندی کا مزار۔ ۲۴۳

عکسی مفتی / لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر دھاڑی میں سے گزر رہے ہیں۔ ۲۴۵

سلطان احمد قتال۔ ۲۴۷

کاغذ کے کھلونے بنانے والے۔ ۲۷۱

عکسی مفتی ان کے ساتھی اور چیف آف بھاٹ۔ ۳۳۳

مزار دیدن سرکار ۳۳۵

خوشاب کے لوگ ہیمڑیاں گاتے ہوئے / ایک عورت اُپلے بناتے ہوئے۔ ۳۴۱

مزار سخی سید معروف شاہ۔ ۳۴۵

تعزیہ۔ ۳۵۹

نوجوان کاریگر۔ ۳۶۱

ماڑی شیخ عمر۔ ۳۶۵

چنیوٹ میں ایک مزار۔ ۳۶۷

موضع ماتے، پیرنیوں کی بستی۔ ۳۶۹

ایک پیرنی گیت گاتے ہوئے / ایک نوجوان اس کی بھابی اور بچے۔ ۳۷۰

مزار اٹھارہ ہزاروی۔ ۳۷۵

حضرت سلطان باہو کا مزار	۳۷۶
پٹھانا خان۔	۳۸۱
ڈیرہ غازی خان کا ایک بلوچ / بلوچ قبیلے کے لوگ۔	۳۸۳
ایک بزرگ۔	۳۸۸
ایک کتبہ۔	۴۲۸
چنگیروں، چھابیوں، پٹاریوں اور پنکھیوں کی دکان۔	۴۳۱
چھج / پنکھی۔	۴۳۲
چرخہ۔	۴۴۳
حقہ۔	۴۴۶
"گلیلی" گھگھو گھوڑے" بیچ رہی ہے۔	۴۴۹
سبزی کی دکان۔	۴۵۱

پہلی بات

"لوک پنجاب" فیلڈ ریسرچ کی کتاب ہے جس کا مواد گاؤں گاؤں اور جگہ جگہ گھوم کر اکٹھا کیا گیا ہے اس میں پنجاب کے لوگوں کا رہن سہن، لوک گیت، اکھان، بولیاں، کہاوتیں بجھارتیں اور لوک کہانیوں کے علاوہ صوفی بزرگوں کے واقعات و میلوں کے بارے میں معلومات جمع کی گئی ہیں جو کہ ہماری لوک ریت ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رانجھے کے راستوں پر اسکے قدموں کے نشانوں کا پیچھا کیا ہے۔ روہی کی ریت چھانی ہے، روحانی بزرگوں کے مزاروں پر حاضری دی ہے اور سوہنی کے چناب کے کناروں پر سفر کر کے لوک ریت کو جمع کر کے اس کا تجزیہ کیا ہے۔

ویسے تو بہت سی کتابوں کے حوالے جمع کر کے کسی وقت بھی ایک نئی کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن ہمارا یہ مقصد نہیں، ہمارے نزدیک عوام ایک ان لکھی کتاب ہیں اور ہر آدمی اس کتاب کا ایک ورق ہے۔ اسی لئے ہم گاؤں گاؤں گھوم کر لوگوں کی باتیں، اعتقاد اور روایات جمع کرتے ہیں کہ یہی ہمارا قومی سرمایہ اور پہچان ہے جس میں ہماری عظمت اور کردار سانس لیتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اور جس بات پر یقین رکھتے ہیں، سچ ہے، ان باتوں میں سائنٹیفک سچائی تلاش کرنا جیتی جاگتی زندگی کا ذائقہ محسوس نہ کرنے کے مترادف ہے جس میں روحانی تلذذ جلّی ڈالتا ہے اور صوفیا کی زندگی اور معرفت کے سائے گہرے اور دور

تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں وہ باتیں جمع کی گئی ہیں جو زبانی روایات کا درجہ رکھتی ہیں اور ایک نسل سے دوسری نسل تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ یہ روایات زندگی کا انداز مرتب کرتی ہیں اور لوگوں کے ایمان کا حصہ ہیں۔ اس کتاب میں ایسی ہی زبانی روایات کو لکھ کر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سب باتیں جھوٹ نہیں، وہ باتیں جن کے سہارے لوگوں نے اتنی صدیاں زندگی بسر کی، ہو وہ جھوٹ کیسے ہو سکتی ہیں اگر بادلوں کا رُخ دیکھ کر کوئی دیہاتی بزرگ بارش کے بارے میں پیش گوئی کرتا ہے تو یہ بھی ایک سائنس ہے جو لکھی ہوئی نہیں بلکہ یہ سائنس اور حکمت کئی نسلوں کے تجربات کے بعد اُس تک پہنچی ہے! البتہ پیروں فقیروں سے منسوب روایات صرف ایمان کی پختگی کا نتیجہ ہیں جن میں سے بعض سچ ہیں اور ان کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے سائنسی بنیادوں پر توجیح بھی پیش کی جا سکتی ہے اور دلیل بھی دی جا سکتی ہے اور میں نے ایسا کیا ہے۔ باقی کچھ اس میں توہمات بھی شامل ہیں جو قوموں کے فوک لور میں اصل اور نقل کی پہچان کرانے کے لئے مشہور اور رائج رہی ہیں۔ میں نے ایسی توہمات کا بھی تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ان کے ذریعے بھی پنجاب کے لوگوں کی نفسیات کے بعض گوشے سامنے آ سکیں۔

اس کتاب میں محض دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد معلومات ہی اکٹھی نہیں کی گئیں بلکہ اُن کا تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ موجودہ نئی زندگی میں فوک لور کی اُن روایات کو چھانٹ کر الگ کر لیا جائے جن کی بنیاد حکمت اور لوک ذہانت پر ہے اور وہ آنے والی زندگی کے لئے بھی ہماری معاون ہو سکتی ہیں۔

میرے خیال میں یہ کتاب عام لوگوں کے علاوہ طالبعلموں، سکالروں اور ادیبوں کے لئے بھی مفید ثابت ہو گی ——— خاص طور پر اس ملک کے ادیبوں کو یہ کتاب نئے موضوعات سجھائے گی، اُن کی جڑیں مضبوط کرے گی اور اُن کے وژن کو تیز کرنے میں مددگار ثابت ہو گی۔ انہیں اپنے لوک گیتوں کی علامتوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ

علامت اُن کی روایت میں موجود ہے اور اسے WEST سے ادھار لئے بغیر کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سکالروں اور ثقافت پر کام کرنے والوں کے لئے میں نے اس کتاب میں جگہ جگہ اُن موضوعات کا ذکر کیا ہے جن پر تحقیق کی جا سکتی ہے۔ اس لئے یہ نئے RESEARCH PROJECTS بھی نئی تحقیق کے دروازے کھولیں گے۔

منظہر الاسلام

مظہر الاسلام ایک دربار کے خلیفہ سے انٹرویو لیتے ہوئے

۷۸۶

دسمبر ۱۹۷۷ء کے آخری دنوں کی ایک سرد صبح ہم پانچ ساتھی پنجاب کا لوک ورثہ جمع کرنے نکلے۔ ہمارے پاس ایک ناگرا ٹیپ ریکارڈر، دو کیسٹ ٹیپ ریکارڈر، ہر قسم کی ٹیپیں، ایک مینولٹا اور دو یاشیکا کیمروں کے علاوہ ایک جیپ، ایک ایک کمبل، دو سلیپنگ بیگ، دو چھوٹے چھوٹے خیمے اور اپنے اپنے بیگ تھے جن میں دو دو تین تین جوڑے کپڑے اور کچھ ضروری سامان تھا۔ اس سفر کے لئے ہم نے ایک ہفتہ پہلے ہی تیاری شروع کر دی تھی اور نقشے پر نشان لگا کر اپنا روٹ متعین کر لیا تھا۔ میں نے پہلے بھی ذکر کیا کہ ہم پانچ ساتھی تھے۔ عکسی مفتی، نصر اللہ ملک، خالد جاوید، محمد اسلام اور مَیں۔

عکسی مفتی جیپ چلا رہے تھے۔ نصر اللہ ملک ان کے برابر میں بیٹھے دسمبر کے مہینے کو پنجاب میں سفر اور ریسرچ کے لئے موزوں ترین مہینہ قرار دیتے ہوئے ڈھلی ڈھلی کم عمر صبح کی تعریف کر رہے تھے۔ جیپ کے پچھلے حصے میں محمد اسلام، خالد جاوید اور مَیں اپنے اپنے ٹیپ ریکارڈر جھولیوں میں رکھے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ میرے کیمرے کی ایک تنی کچھ کمزور تھی اس لئے میں اسے درست کرنے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ محمد اسلام کے چہرے پر ہنسی ناچ رہی تھی کہ یہ اس کی شخصیت کا حصہ ہے۔ محمد اسلام ایک خوش مزاج اور محنتی آدمی ہے لیکن محنت صرف اس میدان میں کرتا ہے جس میں اس کی دلچسپی ہو۔ وہ ایک اچھا ساؤنڈ ریکارڈسٹ اور بہت اچھا کیمرا مَین ہے جس کے ہاتھ میں شفا

ہے۔اس لئے سفر میں وہ ہمارا ڈاکٹر بھی ہوتا ہے۔خالد جاوید لوک فنون کے بارے میں معلومات جمع کرتا ہے اور لوک ورثے کے قومی ادارے کے میوزیم سے وابستہ ہے۔اب کی بار بھی اسے لوک فنون کے بارے میں ہی معلومات اکٹھی کرنا تھیں۔خالد جاوید ساتھی کم اور ہمسفر زیادہ ہے۔اس کی صحت مجھے کسی زور آور پہلوان کی کشتی لگتی ہے جس کا مقابلہ کم صحت مند مگر داؤ جاننے والے پہلوان سے ہو۔نصراللہ ملک تاریخ دان ہیں اور ان پر تاریخی جنگجو کرداروں کا بہت گہرا اثر ہے۔ ان کا کام ہمیں تاریخی حقائق سے آگاہ کرنا تھا۔عکسی مفتی ایک فوک لورسٹ ہے اور اس کی ساری عادتیں ایک مکمل فوک لورسٹ جیسی ہیں۔وہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے فوک لور میں کھویا رہتا ہے۔مزاجاً لیڈر ہے اور کام کرنے کے نشے میں مدہوش رہتا ہے۔جذباتی کم اور عقلی زیادہ ہے۔ اگر ہم سب ایک گاڑی کے حصے تھے تو عکسی مفتی اس کا انجن تھا۔میں اپنا تعارف کیا کراؤں، یہ کتاب میرا تعارف ہے۔

جیپ تیزی سے سڑک پر بھاگ رہی تھی اور دھوپ کی چڑیا جیپ کی سکرین پہ پڑے ہوئے پر پھڑپھڑا رہی تھی۔ہم چک لالہ، سہالہ اور مانکیالہ کے ناموں کی مناسبت کی وجہ کھوجنے میں مصروف تھے لیکن جلد از جلد پاک پتن پہنچنے کا ارادہ ہمیں تیز تر چلنے پر مجبور کر رہا تھا کیونکہ پاک پتن میں بابا فرید شکر گنج کا عرس شروع ہو چکا تھا اور ہم اس میں شرکت کر کے اپنے ٹور کی ابتدا کرنا چاہتے تھے۔ہم نے تہیہ کر رکھا تھا کہ جہلم سے پہلے کہیں نہیں رکیں گے۔ لہٰذا ہم چائے پینے کے لئے جہلم کے ایک ہوٹل میں گھنٹہ بھر رکے۔ہوٹل کے مالک سے جہلم کے بارے میں کچھ باتیں بھی ہوئیں۔

جہلم دریا کے کنارے پر اب بھی ملاحوں کے خاندان آباد ہیں جو کسی زمانے میں دریا میں بہہ کر آنے والی لکڑی پکڑ کر کنارے پر لاتے کا کام کرتے تھے لیکن آج کل یہ کام نہ ہونے کے برابر ہے اور ملاحوں نے آبائی پیشہ چھوڑ کر ریڑھیاں وغیرہ لگالی ہیں۔اب بھی کچھ ملاحوں کے پاس کچھ کشتیاں موجود ہیں جن پر وہ لوگوں کو دریا پار کراتے ہیں۔

جہلم دریا کے بارے میں میری رائے اچھی نہیں۔ ویسے تو اس کا سینہ بھی ہمارے دوسرے دریاؤں کی طرح چوڑا چکلا اور فراخ ہے لیکن نجانے کیوں دریاؤں کی خصلت کے برعکس فوک لور کی طرف سے جہلم دریا کا ہاتھ بہت تنگ ہے جو اپنے کنارے آباد ملاحوں کا بازو نہیں پکڑ سکا۔ محبت کرنے والوں کا دوست کیسے بن سکتا ہے جبکہ چناب کے چہرے پر مردانگی کا جلال اور بلا کی شفقت اور محبت ٹھاٹھیں مارتی ہے اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں لوک کہانیوں اور لوک گیتوں کے خزانے بکھرے پڑے ہیں۔ بیشتر صوفیا اور روحانی بزرگوں نے چناب میں کھڑے ہو کر چلہ کشی کی ہے لیکن دریائے جہلم کے کنارے بہت کم کہانیوں اور گیتوں نے جنم لیا ہے۔ میں نے جب بھی جہلم دریا کے کنارے پر سفر کیا ہے مجھے یہ دریا انتہائی خودغرض لگا ہے جس میں محبت کرنے یا محبت بھرے دلوں کو پناہ دینے کی قطعاً صلاحیت نہیں، حتیٰ کہ یہاں کی ایک رومانی کہانی میں بھی جہلم کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ جہلم کے بارے میں یہ میرے ذاتی تاثرات ہیں جنہیں آخری رائے نہیں کہا جا سکتا۔ آیئے میں آپ کو وہ کہانی سناؤں جو جہلم کے ایک علاقہ "شرع پور" سے تعلق رکھتی ہے۔

آمنہ فیروزہ کی کہانی

کہتے ہیں جہلم کے علاقے "شرع پور" میں ایک کمہار سراج کے ہاں ساتویں بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے اس کا نام آمنہ رکھا۔ آمنہ عمر کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے گاؤں کے ایک نوجوان شیر علی کے دل میں اتر گئی۔ آمنہ کو بھی شیر علی بہت پسند تھا جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر گھر سے نکلتا تو دریائے جہلم کے کنارے پانی سے کھیلتی ہوئی آمنہ کو گھوڑے کی ٹاپوں سے پانی تھرتھر کانپتے ہوئے محسوس ہوتا۔ شیر علی کے حسن اور مردانہ وجاہت کے چرچے دور دور تک تھے۔

غالباً یہ اپنی نوعیت کی پہلی کہانی ہے جس میں مرد کے حسن کو لڑکی کے حسن سے اعلیٰ بتایا گیا ہے۔

اور جو روایت بیان کی جاتی ہے اس میں لڑکی بھی لڑکے کے حسن اور بھر پور مردانگی کی تعریف کرتی ہے۔ کہتے ہیں شیر علی بہت بہادر بھی تھا اور بڑے بڑے خطرات کا مقابلہ کرنا جانتا تھا۔ دوسری کہانیوں کی طرح اس کہانی کی ہیروئن اتنی مقبول نہیں حالانکہ وہ خود شعر بھی کہتی تھی اور تاریخ کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر فیروزہ کے نام سے موجود ہے جو کہ اس کا تخلص تھا۔ بہت زیادہ کھوج کے بعد بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شعر کی روایت کیا اسے اپنے خاندان سے ملی تھی یا محبت کے جذبے کے اظہار اور خاندانی مشکلات کی چکی میں پسنے کے بعد اس کے اندر سے شاعری کا چشمہ پھوٹا تھا۔ کہتے ہیں آمنہ نے اپنے گاؤں کے ایک مولوی صاحب سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

آمنہ خود بھی بہت خوبصورت تھی بعض ناقص روایات کے تحت اس کا تعلق گجرات کی سوہنی سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔

ہر کہانی کی طرح آمنہ اور شیر علی کی کہانی میں بھی اصل موڑ اس وقت آیا جب ان کے عشق کے چرچے عام ہونے لگے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں شیر علی ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے والدین کمہاروں کے گھر شادی کرنے کو بے عزتی تصور کرتے تھے لیکن زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ شیر وہی ایک عام سے غریب خاندان کا نوجوان تھا لیکن اس وقت لڑکے اور لڑکی کے ملنے کو صرف گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ نوبت قتل تک جا پہنچتی تھی یہاں پہنچ کر کہانی کے کئی رُخ شروع ہو جاتے ہیں۔

کہتے ہیں پھر شیر علی اور آمنہ کی شادی ہو گئی لیکن عین سہاگ رات شیر طبعی موت مر گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شیر علی کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ شیر علی کے بعد آمنہ نے بھی کچھ عرصہ بعد خود کشی کر لی تھی۔ اس وقت اس کی عمر ۳۳ سال تھی اور وہ تیرہ کتابیں لکھ چکی تھی۔

پیر سلیمان فارس

آپ کا مزار جہلم ہی میں ہے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ ۶۵ء کی جنگ میں جہلم پر صرف آپ ہی کی وجہ سے دشمن کوئی بم نہ گرا سکا۔

سال کے سال آپ کے مزار پر میلہ لگتا ہے۔ تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

جہلم کے قریب ہی سفید شاہ اور پیر شاہ عثمان غازی کے مزار بھی ہیں یہاں کے ایک تالاب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کا پانی پینے سے پیٹ کی بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں اور اس تالاب کے پانی میں اثر پیر شاہ عثمان غازی کی برکت سے ہے۔

جہلم سے چلے تو ہم کہیں رُکے بغیر گجرات پہنچے۔

گجرات

گجرات سوہنی کا شہر ہے۔ اس شہر میں داخل ہوتے ہی سوہنی مہینوال کی کہانی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ میں جب بھی گجرات سے گزرتا ہوں تو وہاں کے مرد اور عورتوں کے چہرے دن کو گھور گھور کر سوہنی اور مہینوال کو تلاش کرتا ہوں۔

سوہنی اور مہینوال کے متعلق میں نے بچپن میں اپنی ماں سے بہت سی روایات سن رکھی ہیں۔ میری ماں گجرات کے قریب ہی ایک گاؤں کے پٹواری کی بیٹی ہے اس نے مجھے بتایا

روایت

روایت ہے کہ سوہنی اب بھی ہر سال پیدا ہوتی ہے لیکن وہ اتنی خوب صورت ہوتی ہے کہ مر جاتی ہے۔ کیونکہ اتنا زیادہ حسن زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سے توازن بگڑنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سوہنی پیدا ہو کر خود بخود نہیں مرتی بلکہ اُسے مار دیا جاتا ہے کیوں کہ اس کے خاندان کے لوگ یہ نہیں چاہتے کہ سوہنی کے حوالے سے ان کا تذکرہ یا سوہنی کی کہانی پھر سے دہرائی جائے۔

حضرت سیّد کبیر الدّین شاہ دولہ دریائی گنج بخش

شاہ دولہ کا مزار شہر کے ایک حصے میں واقع ہے۔ آپ کے مزار پر عورتیں اولاد کے لئے دُعائیں مانگتی اور منتیں مانتی ہیں اور جو عورت بھی منت مانتی ہے اس کے گھر اولاد پیدا ہوتی

ہے لیکن پہلا بچہ مخصوص شکل کا ہوتا ہے جس کے لئے "شاہ دولے شاہ کا چوہا" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس بچے کا سر چھوٹا اور چہرے کے نقوش بھی عام لوگوں سے چھوٹے ہوتے ہیں اور وہ زندگی کے عام معمولات میں حصہ نہیں لے سکتا۔

منت

جو کوئی عورت اولاد کے لئے دعا کرتی ہے تو وہ یہ منت مانتی ہے کہ جو بچہ پیدا ہوگا میں اسے شاہ دولہ کے دربار پہ چڑھاؤں گی۔ اور پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ کچھ وقت کے بعد اسے مزار پہ چھوڑ جاتی ہے جہاں کچھ درویش اور فقیر قسم کے لوگ انہیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، ان کی پرورش کرتے ہیں اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں ساتھ لے کر گلی گلی اور محلہ محلہ گھوم پھر کر ان کے ذریعے بھیک مانگتے ہیں۔ لیکن اب یہ روایت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے اور عام طور پہ لوگ بچے کو مزار پہ لانے کے بعد وہاں کسی دکان سے چاندی کی مخصوص شکل کی شبیہہ خرید کر مزار پہ چڑھا دیتے ہیں جو شاہ دولہ کے چوہے جیسی ہوتی ہے اور بچے کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جو عورت شاہ دولہ کے مزار پر اولاد کے لئے منت مانتی ہے اس کا پہلا بچہ "چوہا" ہوتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس بات میں روحانی عمل کے علاوہ عقلی سطح پر بھی دلیل اور استدلال موجود ہے۔ آپ ویسے بھی کسی حاملہ عورت کے کمرے میں خوبصورت بچے یا کسی حبشی کی تصویر لگا دیں تو اس عورت کے ہاں پیدا ہونے والے بچے پر ان تصاویر کا شائبہ ضرور پڑے گا لہٰذا جب عورتیں شاہ دولہ کے مزار پر منت مانتی ہیں تو ذہنی طور پر اس بات کو قبول کر لیتی ہیں کہ ان کا پہلا بچہ "چوہا" ہوگا۔ لہٰذا اسی نفسیاتی عمل کے تحت عورتوں کے ہاں پہلا بچہ چوہے کی شکل کا ہوتا ہے۔

روایت

مزار کے سامنے ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھے ہوئے حمید شاہ سے جب میں نے پوچھا
کہ شاہ دولہ کہاں سے تشریف لائے اور یہاں کیسے قیام فرمایا تو اس نے بتایا کہ شاہ دولہ
حضرت غوث پاک کی لڑی میں سے ہیں۔ آپ کشمیر سے سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے یہاں
پہنچے اور اس سفر کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ کرامتیں (کرامات) آپ کے سپرد
کی تھیں۔

جب آپ کشمیر میں تھے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی
زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ آپ نے لوگوں کو سمجھایا کہ ایسا نہ کرو، یہ اچھی بات نہیں
وہاں کے لوگوں نے آپ کی باتیں سنیں تو آپ سے کہا۔ اگر آپ اتنی سچ بات کہتے ہیں
اور آپ کا کوئی مرتبہ ہے تو ہماری ایک شرط ہے، اگر آپ نے وہ شرط پوری کر دی تو ہم لڑکیوں
کو مارنا بند کر دیں گے اور شرط یہ ہے کہ آج تک جتنی بھی لڑکیوں کو مار کر دفن کیا گیا ہے اُن
میں سے کسی ایک لڑکی کو زندہ کر کے دکھائیں۔ وہاں ایک ایسی لڑکی کی قبر تھی جسے تین چار
ماہ پہلے دفن کیا گیا تھا۔ شاہ دولہ نے دُعا کی تو وہ لڑکی زندہ ہو گئی۔ اس کی ماں نے دُودھ
پلانے سے انکار کیا تو آپ نے اس کی ماں سے کہا اسے دُودھ پلاؤ۔ جب ماں نے اسے
دُودھ پلایا تو آپ نے کہا یہ لڑکی شہزادی بنے گی یہ ہماری بچّی ہے۔

لوگوں نے اپنے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ ایک مرتبہ اکبر بادشاہ کا اِدھر سے گزر ہوا۔
وہ لڑکی بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، سب لڑکیاں بھاگ گئیں لیکن وہ وہیں کھڑی رہی
پھر اس کی بادشاہ سے نوک جھونک بھی ہو گئی۔ لڑکی کے گھر والوں کو پتہ چلا تو وہ ڈر گئے۔
اور راتوں رات وہاں سے بھاگ نکلے تاکہ بادشاہ کے غصّے سے بچ سکیں ـــــ لیکن
بادشاہ اپنے وزیر کو لے کر ان کے پاس پہنچا اور جھولی پھیلا کر اس لڑکی کا رشتہ طلب کیا
والدین نے کہا کہ اس لڑکی کا رشتہ تو شاہ دولہ دیں گے چنانچہ بادشاہ حضرت شاہ دولہ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض دہرائی۔ انہوں نے قبول کر لی اور بادشاہ لڑکی کو بیاہ کر دلّی لے گیا اور وہ بادشاہ کی چہیتی بیوی بن گئی لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک سال کے بعد وہ شدید بیمار پڑ گئی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا تم والدین کے پاس جاؤ گی یا بابا (شاہ دولہ) کے پاس ——لڑکی نے بابا کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ اسے باباجی کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اور اب یہاں ہی اس کی قبر ہے۔

ایک اور روایت یوں ہے کہ حضرت شاہ دولہ ایک مرتبہ لاہور کے قریب دریائے راوی کے کنارے قیام پذیر تھے۔ جہانگیر بادشاہ کے آدمیوں نے اسے بتایا کہ ایک شخص راوی کے کنارے بیٹھا رہتا ہے اور سب چرند پرند اس کے پاس جمع رہتے ہیں، ہمیں یوں لگتا ہے یہ شخص تم سے بادشاہت چھین لے گا۔ بادشاہ نے شاہ دولہ کو دربار میں بلایا تو آپ نے کہا ہم درویش ہیں ہم کسی کی حکومت نہیں چھینتے۔ بادشاہ نے کہا میں بادشاہ ہوں لیکن میرا دستر خوان اتنا بڑا نہیں جتنا تیرا ———— آپ نے جواب دیا خدا ....

لوگ کہتے ہیں شاہ دولہ نے ایک ہرن پال رکھا تھا جس کی شکل شیر سے ملتی تھی۔ اور وہ اکثر آپ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ کچھ ماچھی شکار کرنے گئے تو انہوں نے اس ہرن کو بھی شکار کر لیا اور اس کی شیر سے ملتی جلتی شکل دیکھ کر اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ جہانگیر بادشاہ کے آدمیوں نے اسے بتایا کہ یہ اسی فقیر کا ہرن ہے جسے آپ نے بلایا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس فقیر کو پھر بلایا جائے اور اپنے آدمیوں سے مشورہ کیا کہ واقعی یہ فقیر میری بادشاہت کے لئے خطرہ ہو سکتا ہے اس لئے اسے ختم کر دیا جائے۔

روایت ہے کہ سات قسم کے زہر بوتلوں میں ڈال دیئے گئے۔ شاہ دولہ وہاں پہنچے تو بادشاہ کے آدمیوں نے شربت کے بہانے آپ کو سارے زہر پلا دیئے۔ اتنے میں نور جہاں

بھاگتی ہوئی آئی اور بادشاہ سے کہا کہ یہ درویش یہاں آیا ہے اور تم اسے زہر دے رہے ہو۔
بادشاہ نے کہا یہ زہر نہیں شربت ہے اور ابھی سامنے درباری یہ شربت پئیں گے لیکن کسی درباری نے بھی وہ شربت نہ پیا اور آپ کے قدموں میں گر پڑے اور کہا "تم واقعی فقیر ہو"۔

گجرات کے عام لوگوں میں حضرت شاہ دولہ کے بارے ایک اور روایت مشہور ہے۔ گجرات سے نو میل کے فاصلہ پہ ایک چھوٹا سا شہر وزیر آباد ہے جو کبھی ایک گاؤں تھا۔ وہاں ایک کبوتروں والا دارا ہے۔ اس کے قریب ایک حافظ قرآن رہا کرتے تھے۔ لوگوں کو اب حافظ صاحب کا نام تو یاد نہیں لیکن معلوم ہے کہ شاہ دولہ کا بھی ان کے پاس آنا جانا تھا۔ ایک دن حافظ صاحب نے شاہ دولہ سے پوچھا تمہارا گھر کہاں ہے تم سب سے پہلے آتے ہو اور سب سے آخر میں جاتے ہو، کوئی ذریعہ ہے تمہارے پاس، شاہ دولہ نے کہا اللہ پہنچا دیتا ہے۔ حافظ صاحب نے کسی دن شاہ دولہ کے ساتھ اُن کے ڈیرے پہ جانے کی خواہش ظاہر کی جمعہ کا دن مقرر ہوا۔ نفل پڑھ کر آپ نے مصلیٰ دریائے چناب کے پانی پہ بچھا دیا اور حافظ صاحب کو بھی اپنے ساتھ مصلیٰ پہ بٹھا لیا اور کہا۔ کہو شاہ دولہ ـــــ حافظ نے شاہ دولہ، شاہ دولہ کہنا شروع کیا لیکن آپ یا مولا، یا مولا کہنے لگے۔ حافظ صاحب نے دل میں سوچا دیکھو مجھے کہتا ہے" کہو شاہ دولہ" اور خود کہتا ہے" یا مولا" ــــــــــــ یہ سوچنا تھا کہ مصلیٰ پانی میں ڈوبنے لگا۔ آپ نے حافظ سے کہا، " تم پہلے شاہ دولہ تک تو پہنچو پھر "یا مولا" تک پہنچنے کی کوشش کرنا"۔

جن کی قبر

گجرات کے لوگ مزار کے قریب ایک جن کی قبر کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جسے دائم شاہ دلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جن کے بارے میں جو باتیں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اُن کا اہم پہلو یہ ہے کہ جن اس پُل کو بار بار گرا دیتا تھا جو شاہ دولہ بنوا رہے تھے۔ کہتے

ہیں کہ جہاں اب شاہ دولہ کا مزار ہے وہاں کبھی دریا بہتا تھا اور اس جگہ جہاں پانی جمع ہو جاتا تھا شاہ دولہ نے پُل بنوایا تھا ــــــ یہ پُل اب دب چکا ہے لیکن اس کا نشان اب بھی موجود ہے جب پُل تعمیر ہو رہا تھا تو ایک جن دن کو بننے والے پُل کو رات پڑتے ہی گرا دیا کرتا تھا۔ حضرت شاہ دولہ کے حکم سے مزدوروں نے جن کو پکڑ کر مار دیا اور دفن کر دیا۔

دریائے چناب کی پیر پرستی

جب میں نے یہ سُنا کہ دریائے چناب پہلے اس جگہ تھا جہاں آج کل حضرت شاہ دولہ کا مزار ہے اور اب وہ جگہ چھوڑ کر پرے چلا گیا تو مجھے دریائے سندھ یاد آ گیا جس نے پھیل کر خواجہ فریدؒ اور ان کے خاندان کے مزاروں کو گھیر لیا تھا اور انہیں دوسری جگہ منتقل کرنا پڑا تھا۔ دریائے چناب میرے خیال میں بڑا مہذب، نیک اور شریف دریا ہے جو پیری مریدی میں یقین رکھتا ہے اور پیروں کی بے پناہ عزت کرتا ہے۔ رہی سوہنی کی بات تو سوہنی کے ساتھ دشمنی دریا نے نہیں، اُن لوگوں نے کی تھی جنہوں نے پکّا گھڑا اٹھا کر اُس کی جگہ کچّا رکھ دیا تھا ورنہ اس سے پہلے تو چناب سوہنی اور مہینوال کے عشق کا اکیلا رازدان تھا اور اُس کی حفاظت کیا کرتا تھا۔

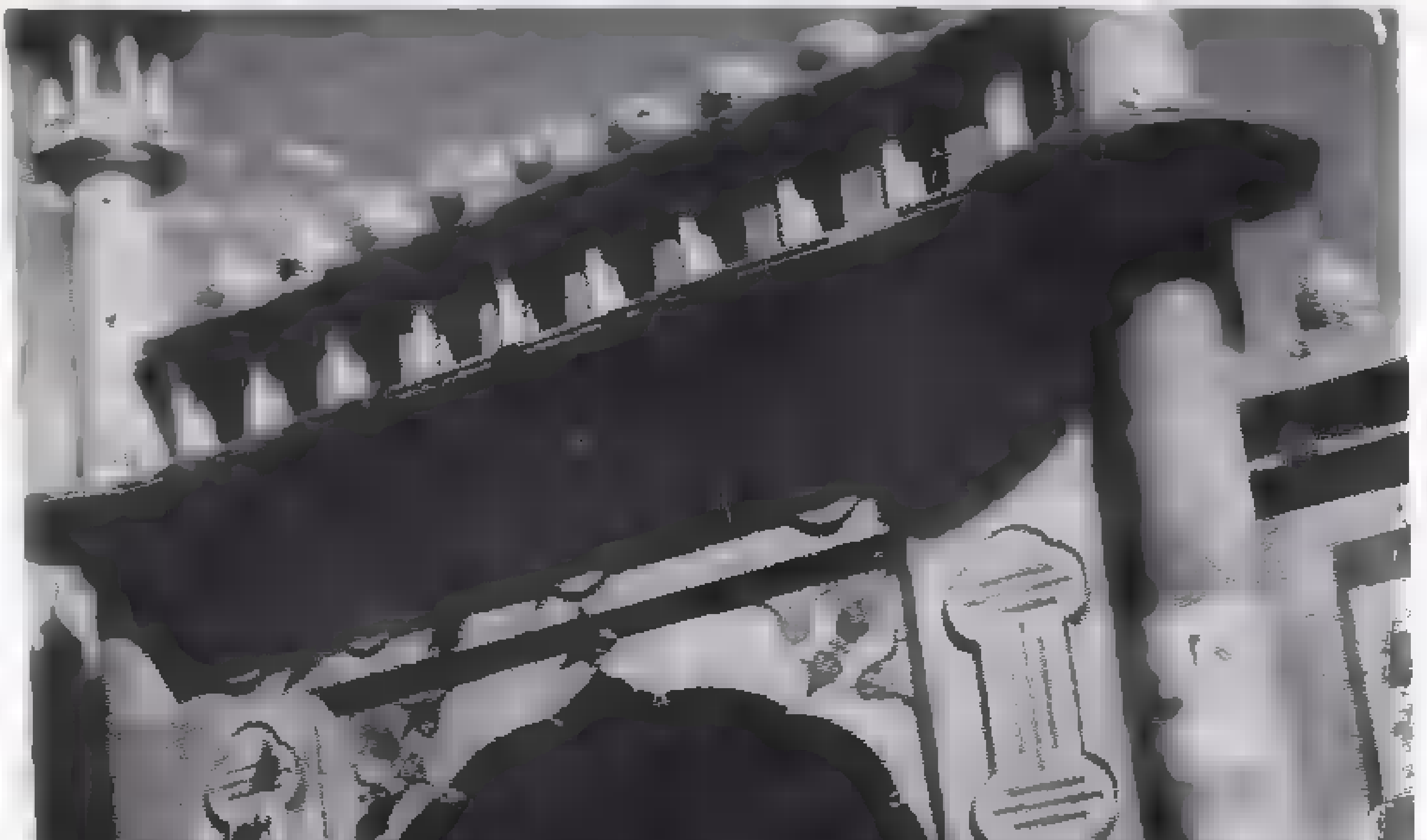

مزار حضرت شاہ دولہ دریائیؒ

شاہ دولہ کے مُرشد شاہ سیدا سرمست

لوگ کہتے ہیں حضرت شاہ دولہ نے شاہ سیدا سرمست سے روحانی فیض حاصل کیا تھا جن کا مزار سیالکوٹ کی طرف ہے۔ اُن کی شکل بھی شاہ دولہ کے آج کل کے چوہوں جیسی تھی اور اس شکل کا سلسلہ اسی لئے شروع ہوا کہ شاہ دولہ کے مرشد شاہ سیدا سرمست کی شکل ایسی تھی۔

جب شاہ سیدا سرمست وصال فرمانے لگے تو آپ نے حضرت شاہ دولہ کو بُلایا اور کہا میرے پاس جو کچھ ہے وہ لے لو۔ لیکن ارد گرد کے لوگوں نے شاہ سیدا سرمست کے وصال کے بعد شور مچا دیا کہ ہم اُن کے سامان کے وارث ہیں اور یہ سب کچھ اُن کے پوتے کو ملنا چاہیئے۔ شاہ دولہ نے سارا سامان جا کر شاہ سیدا سرمست کی قبر پر رکھ دیا اور کہا جاؤ جا کر اُٹھا لاؤ ——— لیکن جب وہ اُٹھانے کے لئے گیا تو اندھا ہو گیا۔ لوگوں نے اس واقعے سے متاثر ہو کر سب کچھ حضرت شاہ دولہ کے حوالے کر دیا۔

شاہ سیدا سرمست نے شاہ دولہ سے کہا تھا کہ مَیں تمہارے مزار پر آتا رہوں گا اسی لئے منت کا پہلا بچہ چوہے کی شکل کا ہوتا ہے جو کہ شاہ دولہ کے مُرشد کی بھی تھی۔

میلہ

آپ کے مزار پر ہر سال ہاڑھ کی دوسری جمعرات کو بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔

سائیں کرم الٰہی کانواں والی سرکار

سائیں کرم الٰہی کا مزار گجرات شہر کے بیرونی حصے میں ہے۔ آپ گجرات شہر کے ایک محلے کانیاں والا میں پیدا ہوئے۔ آپ سائیں کانواں والا کے نام سے مشہور رہیں اس لئے کہ آپ کو کوؤں سے بے حد محبت تھی جس جگہ آج کل آپ کا مزار ہے عمر کے آخری

حصے میں آپ وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ اُن کا لباس صرف ایک لنگوٹی ہوا کرتی تھی عقیدتمندوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں کوّے بھی آپ کے گرد جمع ہوتے تھے۔ لوگ آپ کے لئے جو کچھ بھی لاتے۔ آپ کوّوں کو ڈال دیا کرتے تھے۔ کوّوں سے محبت ہی کی وجہ سے آپ کانواں والی سرکار کے نام سے جانے جاتے تھے۔

آپ کی پیدائش کے بارے میں ایک روایت

مزار کے قریب ہی ایک گھر کے سامنے تھڑے پر بیٹھے ہوئے ایک شخص انور حسین نے جو آپ کو کانواں والی سرکار کی لڑی سے کہتے ہیں بتایا کہ جب سائیں کرم الٰہی کانواں والی سرکار پیدا ہوئے تو مکان سے ایک نورانی لاٹ نکلی تھی اور گلی میں تین چار ولی اللہ گھوم رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا تھا کہ ایک ابدال آ رہا ہے۔ ہم اس کے انتظار میں ہیں۔ انور حسین پیدائش کے بارے میں روایت کی تفصیل بتاتے ہوئے یہاں پہنچ کر کچھ دیر کے لئے چپ ہوگیا اور پھر بات کا رُخ پلٹتے ہوئے بولا۔ جناب کانواں والی سرکار کے بارے میں آپ پوچھتے ہیں کہ انہیں روحانی فیض کیسے حاصل ہوا، وہ تو پیدا ہی روحانی فیض کے ساتھ ہوئے تھے۔ انور حسین نے قریب بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے شخص کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ یہ میرے والد ہیں ان سے پوچھ لیں بے شک یہ کانواں والی سرکار کی اردلی" (اُن مریدوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے جو ہر وقت مرشد کی خدمت میں رہتے ہیں) میں رہے ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا مگر وہ کسی کے سوالوں کے جواب دینے والے نہیں تھے۔ بس انہوں نے اتنا بتایا کہ حضرت کانواں والی سرکار ساری ساری رات بیٹھے عبادت کرتے رہتے تھے اور سردیوں کے موسم میں ان کے کندھوں پر "ککر" (کورا) جم جایا کرتا تھا۔

کانواں والی سرکار کے مرشد

کانواں والی سرکار امام شاہ جنڈیالہ شریف کو اپنا مرشد مانتے تھے اور قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کا لباس

کہا جاتا ہے کہ شروع میں آپ کا لباس چوسی کا تہبند اور کرتا ہوا کرتا تھا۔ اور کندھے پر صافہ رکھتے تھے لیکن بعد میں سارا لباس ترک کر کے صرف ایک لنگوٹی پہنا کرتے تھے۔ صافہ بھی کستے تھے اور ہاتھوں میں کانوں کا ایک گٹھا ہوا کرتا تھا جو تسبیح کا کام دیتا تھا اور آپ ایک ایک کر کے "کانے" رولتے رہتے تھے۔

ابتدائی ایام

روایت ہے کہ ابتدائی ایام میں شہر میں نکل جاتے اور لوہاروں کی دکانوں پر "دوان" (بڑا ہتھوڑا) لے کر لوہا کوٹتے رہتے تھے۔ جونہی کوئی لوہار بھٹی سے سرخ سرخ گرم لوہا نکالتا اور کوٹنے کے لئے رکھتا آپ دوان لے کر شروع ہو جاتے اور سارا دن لوہا کوٹ کوٹ کر کوئی معاوضہ لئے بغیر واپس گھر آجاتے۔ آپ نے کبھی کسی سے معاوضہ طلب نہیں کیا۔

میرا خیال ہے کہ یہ اُن کی ریاضت کا عمل تھا کیونکہ ان کی زندگی کے معمولات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی شخصیت کو مارنے کے لئے ایسے ہی عمل کیا کرتے تھے اور اگر اس بات کو تصوّف کی زبان میں کہا جائے تو حضرت کانواں والی سرکار گرم لوہا نہیں بلکہ اپنی شخصیت کو بھٹی میں پکا کر روحانی احساس کے "دوان" سے کوٹ کوٹ کر نئی راہ پر ڈال رہے تھے وہ یہ سارے دوان لوہے پر نہیں اپنے آپ پر مارتے تھے۔

میری اس بات کی دلیل اس واقعے میں موجود ہے جب گھر والوں نے بار بار شادی کے لئے

اصرار کیا تو آپ نے وداں اپنی ٹانگ پر مار لیا لیکن انہیں کچھ بھی نہ ہُوا ——— لہذا کانواں والی سرکار کا لوہا کوٹنے کا سارے کا سارا عمل اپنے نفس کو مارنے کا عمل تھا جس کی انتہا اس وقت ہوئی جب آپ نے سارا لباس اُتار کر صرف ایک لنگوٹی پہن لی اور وداں کی چوٹیں گننے کی بجائے آپ نے وِرد کے لئے ہاتھ میں کانٹے پکڑ لئے اور انہیں رُولنے لگے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ کوڈوں سے آپ کی محبت بھی اپنی حیثیت کو اپنی نظروں میں کم کرنا تھا تاکہ دنیا کے معیار اور قدر میں اُن کی شخصیت کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لیں شخصیت کی نفی کا یہ اُن کا اپنا انداز تھا۔ سوکھا آٹا پھانکتے تھے اور انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

کانواں والی سرکار کی کرامات

کہتے ہیں کہ سیالکوٹ میں ایک بہت بڑا بدمعاش رہا کرتا تھا سب لوگ اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ پولیس اسے بار بار پکڑ لیتی تھی۔ آخر ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اپنی زندگی سے اُکتا گیا۔ اُس نے کسی سے پوچھا "مجھے کوئی راستہ بتاؤ میں اپنی زندگی سے تنگ آچکا ہوں"۔ اُسے بتایا گیا کہ جب تک تم پر کسی ولی اللہ کی نظرِ کرم نہ پڑے تم ٹھیک نہیں ہو سکتے اس لئے کانواں والی سرکار کے پاس حاضری دو۔ لیکن وہاں جا کر بدمعاش نہ بننا بلکہ عاجزی سے پیش آنا۔

کہتے ہیں جب وہ بدمعاش ہجوم میں سے گزر رہا تھا تو آپ نے دُور سے ہی اُسے دیکھ لیا اور کہا ——— "آنے دو، آنے دو اِسے میرے پاس، جو بدمعاش اور تھانوں سے بھاگا ہُوا ہوتا ہے میرے پاس آجاتا ہے۔ اس کی ماں کی ۔ ۔ ۔ ۔ بہن کی ——— (موٹی موٹی گالیاں)

وہ بدمعاش آپ کے سامنے گڑگڑانے لگا اور عرض کی کہ "اگر آپ کے دروازے سے دھتکار دیا گیا تو میرا اور کوئی ٹھکانا نہیں۔"

ایک مچ لگا ہوا تھا آپ نے سنگترے لئے اور مچ میں دے دیئے۔ انہیں دبایا اور کہا دبا دو۔ میں نے ہر چیز دبا دی ہے اب یہاں سے بھاگ جاؤ ــــ کہتے ہیں اس کے بعد وہ نیک اور شریف ہوگیا اور تھانوں سے بھی اُس کا نام کٹ گیا۔

کنوئیں کے پانی کا دُودھ ہونا

کہتے ہیں کانواں والی سرکار نے کچھ گھڑے رکھے ہوئے تھے، اُن گھڑوں میں پانی موجود رہتا تھا لیکن نہ وہ خود ان گھڑوں سے پانی پیتے تھے اور نہ کسی اور کو پینے دیتے تھے۔ اس کی وجہ کیا تھی، آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوسکی۔ ایک دن ایک آدمی نے (جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھی کوئی ولی اللہ تھے) اُن گھڑوں میں سے پانی پینے کی کوشش کی لیکن آپ نے منع کر دیا۔ اُس آدمی نے پوچھا یہاں سے نہ پیوں تو پھر کہاں سے پیوں ــــ آپ نے کنوئیں کی طرف اشارہ کیا اور کہا جاؤ اس کنوئیں سے پی لو۔ اس شخص نے کہا کنوئیں کا تو جب کہو کہ وہاں دودھ ہو ــــ یہ بھی پانی ہے وہ بھی پانی ہے۔ سرکار کانے رول رہے تھے، آپ نے کہا "تہاڈی ماں .... اگر وہاں دُودھ ہوا تو پی لینا، نہ ہوا تو چھوڑ دینا۔ وہ شخص اور کئی دوسرے لوگ کنوئیں کی طرف بڑھے تو دیکھا سارے کنوئیں کا پانی دُودھ ہو چکا تھا۔

کہتے ہیں اس وقت کی شہر کی انتظامیہ نے اس کنوئیں سے نکلنے والے دُودھ کو چیک بھی کیا تھا اور تصدیق بھی کی تھی کہ یہ دُودھ ہے۔

آٹھ پہر دُودھ رہا۔ آپ پر مستی کی کیفیت طاری تھی۔ آپ نے جلال کے عالم میں ڈھول اور چوہکلی بھی توڑ دی۔

شہر کی انتظامیہ نے لوگوں سے چار آنے فی گھڑا وصول کرنا شروع کر دیا۔ آٹھ پہر

کے بعد آپ نے حکم دیا "کچی لسی ہو جاؤ" سارا دودھ کچی لسی بن گیا۔ مزید کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ نے حکم دیا تو کنوئیں کا پانی پھر سے پانی بن گیا۔

بہت سے بزرگ اب بھی گجرات میں موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کچی لسی تو انہوں نے خود دیکھی ہے بلکہ حضرت شاہ دولہ کے بارے میں معلومات دینے والے ایک بزرگ سید حمید شاہ نے بھی مجھے بتایا کہ کنوئیں کا پانی کچی لسی کی صورت میں تو خود انہوں نے بھی دیکھا تھا۔

اس سارے واقعے میں ایک بات بہت اہم ہے اور وہ ہے سرکار کا "ڈھول چوہکی توڑ دینا" کنوئیں کے گرد گھومنا اور کنوئیں کے پانی کو دودھ کرنا دراصل جلال کی انتہا کے عمل کا نتیجہ ہے اور اس عالم میں کنوئیں کے اوپر گھومنے والی چوہکی سرکار کے جلال کی شدت کا ساتھ نہ دیتی ہوئی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

مزار پر بیری

کانواں والی سرکار کے مزار پہ ایک بیری ہے جس کے نیچے آپ بیٹھا کرتے تھے۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اگر اس بیری کا پتہ کھا لیا جائے تو اکثر بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔

وصال / عرس

آپ نے ۱۳۴۳ھ کو وصال فرمایا۔ آپ کا عرس ادرمیہ ساون کی پہلی اتوار کو ہوتا ہے، دکانیں لگتی ہیں، ڈھول بجانے والے جمع ہوتے ہیں۔ لوگ دھمال ڈالتے ہیں اور دور دور سے ملنگ آکر شریک ہوتے ہیں۔

کانواں والی سرکار اور شاہ دولہ کے مزار پر حاضری دینے اور معلومات اکٹھی کرنے کے بعد ہم نے گجرات شہر کا ایک چکر لگایا اور پھر بسوں والے اڈے کے قریب ایک پہلوان جی کے چھوٹے سے ہوٹل میں چنوں والے مرچوں ملے چاول، قیمہ اور روٹی کھائی اور لسی پی۔

گجرات کے بارے میں کچھ معلومات اور اکٹھی کیں اور بعد میں مختلف لوگوں سے مل کر میں نے خاصا مواد اکٹھا کر لیا۔

گجراتی ماہیا

گجراتی ماہیا یہاں کی خاص چیز ہے جو ہمیشہ اس خیال کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ میں یہاں ہوں اور ڈھول وہاں ہے یعنی دونوں میں جُدائی کا عنصر ان ماہیوں کی بنیاد ہے۔ یہاں کچھ ماہیئے دیئے جا رہے ہیں جن میں سے کچھ عالم دین گجراتی، کچھ سائیں مشتاق اور کچھ تنویر بخاری نے مجھے سُنائے۔ اور کچھ وہ ہیں جو میں نے خود بچپن سے سُن رکھے ہیں اور سُنانے والے کا نام یاد نہیں۔

گجرات میں عام قسم کے ماہیے بھی گائے جاتے ہیں لیکن گجرات شہر سے دُور دیہاتوں میں گجراتی ماہیا ہی مقبول ہے۔ خاص طور پر چھالیہ کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ماہیے بھی مجھے گجرات ہی کے ایک شخص "حمید بولے" نے سُنائے جو بہرا تھا اور اسی مناسبت سے لوگوں نے بولا اُس کے نام کے ساتھ ہی لگا دیا تھا۔ بولا پنجابی میں بہرے کو کہتے ہیں۔ بولے نے کان پہ ہاتھ رکھ کر یہ ماہیے مجھے سُنائے۔

چھپڑی وچ امب تردا
ایس جدائی ناوں رب پیدا ای نہ کردا

گڈیاں دا دُھوں ماہیا
میری زندگانی دا سرمایہ توں ماہیا

کنیں کانٹے پائے ہوئے نیں
ساڈے ناوں ٹٹن چنگے جیہڑے سینے نال لائے ہوئے نیں

ڈنڈا بھر گیا آری دا
تھانیدارا سوچ کے کریں مقدمہ اِی یاری دا

اِٹاں دے بزار آئیاں
کھلا رہو ماہیا اکھیں کرن دیدار آئیاں

ہتھ اُتے لا مہندی
چنگا بھلا جاندا سئیں، میں وچھوڑا نہیں سہندی

سُتھن بنجارے دی
سب کچھ چھڈیا چناں، خاطر تیرے نظارے دی

کوئی چادر سینے دی
کسی تینوں جاچ دسی، دُوروں ویکھ کے ہسنے دی

ہٹیاں تے فیتا اِی
سچ دس ماہیا کدے یاد وی کیتا اِی

کوئی ساوی سر بیلے
قسمے خدا دی چناں، یاد کرنی آں ہر ویلے

نیں ایتھے تے ڈھولا لاہندے
چٹیاں پگاں تے پھل پے ڈھاندے
میریا وے ماہیا!
مری بساں لہوروں آئیاں نیں
اج تک نہیں سُنیا
کیے توڑ نبھائیاں نیں

نیں ایتھے تے ڈھولا لاہندے
ساڈے سراں تے ہل پئے واہندے
میریا وے ماہیا!
پنڈی دیاں بساں لہوروں آئیاں نیں
لا کے محبتاں چناں!
پا چھڈیاں جُدائیاں نیں

نیں ایتھے تے ماہی میرا گوجرے
ماہی دیاں وطناں توں دل پیا اودرے
موٹر بنارے دا
وچ بیٹھا درزی آ
اُبھے کریبان
جو ایں سجناں دی مرضی آ

میں ایتھے تے ڈھول گجرات اے
بھیڑا عشق نہ پچھدا ذات اے
گڈیوں اُتری تے
ہتھ وچ بوٹا السی دا
ڈھول ایانا
کدوں جوانی چڑھسی دا

میں ایتھے تے ڈھول چنیوٹ اے
سانوں عشق تیرے دی اوٹ اے
میریا دے ماہیا!
کوئی اُڈ دا نگھ جاندا
ڈھول منا دیویں
تیرے آکھے لگ جاندا

میں ایتھے تے ڈھولا چڑھدے
رہیئے کلمہ نبیؐ دا پڑھدے
میریا دے ماہیا!
اسمانیں جہاز چڑھے
جدوں ڈھولا یاد آوے
بند بند فریاد کرے

نیں ایتھے تے ڈھولا چھنّی
ساڈے دل دی کسے نہ منّی
پکھو پیا بولے
دَرداں دا
کوئی نہ دارُو
ایس عشقے دیاں مرضاں دا

نیں ایتھے تے ڈھول ہزارے
ڈاہڈے بول شریکاں مارے
گڈیوں اُتری تے
بوتل ڈٹ کیتی
اللہ وسیلہ
نہیں سجناں گھٹ کیتی

نیں ایتھے تے ڈھول جنڈیالے
سانوں آسرے مُرشد والے
میریا وے ماہیا !
کوئی ساڈی آس بیلے
قسم خدا دی چناں !
یاد کرنی آں ہر ویلے

ئیں ایتھے تے ڈھول میرا بھیرے
کاہنوں مارنائیں گی وچ پھیرے
میریا دے ماہیا !
کوئی کھوہ دیاں ٹھیاں نیں
اکھیاں موڑ رہی
نہیں مڑدیاں اکھیاں نیں

ئیں ایتھے تے ڈھول گجرات اے
سودا لیندیاں پے گئی رات اے
میریا دے ماہیا !
کنڈے بھر گئے چاٹیاں دے
ڈر پیا لگدا اے
لے لڑ گجراتیاں دے

ئیں ایتھے تے ڈھولا پربت
ساڈی کھوہی دا پانی شربت
دو گھٹ پی سجنا
وچ نیونچوڑے نیں
دو گھر سجناں دے
اوہ وی رنج کرچھوڑے نیں

چکوا اور چکوی

گجرات کے دیہاتوں میں چکوے اور چکوی کی کہانی بھی بڑی بوڑھیوں کو یاد ہے جو انہوں نے اپنے بچپن میں سنی تھی مجھے بھی یہ کہانی میری ماں نے سنائی تھی۔ اس کہانی میں بھی وہ جدائی موجود ہے جو یہاں کے گیتوں کی خاصیت ہے۔ کہتے ہیں دریائے چناب کے کنارے پر دو پنچھی رہتے ہیں۔ ایک چکوا اور ایک چکوی — ایک کنارے پر چکوا اور دوسرے کنارے پر چکوی ——— یہ پرندے سارا دن تو اکٹھے رہتے ہیں لیکن شام پڑتے ہی الگ الگ کناروں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ایک کنارے پر بیٹھا ہوا چکوا، دوسرے کنارے پر بیٹھی ہوئی چکوی سے پوچھتا ہے "چکویئے آواں" ؟ ——— وہ کہتی ہے "آجاؤ"۔ لیکن جب چکوا اڑ کر اس کنارے پر جاتا ہے تو چکوی اڑ کر دوسرے کنارے پر چلی جاتی ہے اور پوچھتی ہے "چکویا! آواں؟" —— وہ کہتا ہے "آجاؤ" لیکن جب وہ اڑ کر وہاں پہنچتی ہے تو چکوا اڑ کر دوسرے کنارے پر چلا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ وہ اس کے پاس آتا ہے تو وہ اڑ کر دوسری طرف چلی جاتی ہے اور اگر وہ اس کے پاس آتی ہے تو وہ اڑ کر دوسری طرف چلا جاتا۔ اور جب رات خاصی بیت جاتی ہے اور وہ دونوں تھک کر نڈھال ہو جاتے ہیں تو چکوی کہتی ہے:۔

"چل وے چکویا چلیئے گھر لوہار دے
تے اوتھوں سنگل لیئے بنوا
تے جدوں آوے کالی راتڑی
اوہنوں پیریں لیئے پا"

گجرات سے نکلے تو دن میلا ہو رہا تھا میرے ساتھیوں میں سے ملک صاحب کے چہرے پر تھکاوٹ کی لکیریں پھیل رہی تھیں۔ خالد جاوید لوک فنون کے بارے میں

جمع کی گئی معلومات میں سے کچھ خاص خاص باتیں کاپی پر نوٹ کر رہا تھا۔ عکسی مفتی دو پراجیکٹ گنوا رہے تھے جو گجرات میں قیام کے دوران سامنے آئے۔ اُن میں سے ریسرچ کا خاص پراجیکٹ یہ تھا کہ گجرات میں ڈھولیوں پر ریسرچ ہو سکتی ہے۔ جیپ تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ گجرات اور وزیر آباد کے درمیان چناب کا پُل آتا ہے جب ہم پُل پر سے گزرے تو چناب کا پانی کسی مست ملنگ کی طرح اپنے آپ میں مگن تھا۔

پلکھو

وزیر آباد سے ذرا پہلے پلکھو کا پُل آتا ہے جو وزیر آباد شہر کے ساتھ ساتھ بہتا ہے۔ پلکھو ایک نالہ ہے جو برسات کے دنوں میں اپنے کناروں سے باہر نکل آتا ہے۔ پلکھو میں شہر کے لوگ نہانے کے لئے اکثر جاتے ہیں۔ اور یہ روایت مشہور ہے کہ یہ نالہ سال کے سال ایک بندہ کھاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر سال ایک نہ ایک نوجوان پلکھو میں ڈوب کر مرجاتا ہے۔

وزیرآباد

وزیرآباد بہت پرانا شہر ہے۔ اس شہر کو نہ صرف تاریخی اعتبار سے اہمیت حاصل ہے بلکہ دریائے چناب کے قریب ہونے کی وجہ سے اسے ثقافتی لحاظ سے بھی یہ ایک اہم جگہ ہے۔ ہم وزیرآباد میں رُک تو نہ سکے لیکن جب میں اپنے تجربات کو کتابی شکل دے رہا تھا تو مجھے ایک شادی میں شریک ہونے کے لئے وزیرآباد جانا پڑا کیونکہ وزیرآباد میرا اپنا شہر ہے اور میرے آباؤ اجداد اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے میٹرک تک تعلیم یہیں سے حاصل کی۔ یہاں میری ملاقات دِتّے مراثی سے ہوئی تو میں نے اسے وہ ماہیئے سنانے کو کہا جو وہ ہمیں بچپن میں سُنایا کرتا تھا ——— اُس نے مجھے کچھ ماہیئے سُنائے اور کچھ وہ بھول چکا تھا اس لئے یہاں جو ماہیے دیئے جا رہے ہیں اُن میں سے کچھ دِتّے مراثی نے اور کچھ اقبال حیدری نے مجھے سُنائے (جو فیلڈ میں جا کر فوک لور کے مختلف پہلوؤں کو جمع کرتے ہیں)

ماہیئے :

گنڈا لگا ای دوانی نوں
سانوں روگ لاؤن والیا شالا لگی وسے جوانی نوں

پکھیاں نوں چُگ پا ساں
جیوندی جے رہی سوہنیاں تیرے رُکنے دا مُل پا ساں

سڑکے تے پڑھ دتیا
جہنے یاری نہیں لائی، اوہنے دُنیا توں کی کھٹیا

سڑکے تے پڑھ دتیا
بالو دی جنجیری ٹُٹ گئی
ہتھ لاکے کی کھٹیا

سُوہا پھُل وے کپاسے دا
کوئی وی نہ ملیا چنا، اج سجناں دے پاسے دا

ہتھ سُرخ بٹیرا ای
کوٹوں دی لنگھ جانی ایں، وِسن جگرا میرا ای

کوئی سائیکل چلائی جاندا
فِٹے مُونہہ شفیقنی دا، مگر زرق نُوں بھجائی جاندا

کھوہے تے ڈول پیا
بُڈھڑے نُوں عشق لگا، قبراں وچ بول پیا

دو کا ملاں بزار آئیاں
جھڑکاں نہ دے ماہیا، اکھاں کرن دیدار آئیاں

گڈی آگئی ٹیشن تے
پیسے ہٹ دے بابو، سانوں ماہیا ویکھن دے

گڈی آگئی ڈھائی والی
ٹکٹاں نہ دے بابوا، ساڈی رات جدائی والی

کوئی اُڈ دے پتنگ ماہیا
سانوں برباد کیتا، شالا لگ جان رنگ ماہیا

اکھ سرمے والی اے
دو چار گلاں کرئیے گڈی ٹرنے والی اے

سڑکے سنے لو ہڑ ہوسی
چھڈ کے نہ جائیں سوہنیا، کدے ساڈی وی لوڑ ہوسی

ہاراں دیاں ست لڑیاں
تیرا پچھا نہیں چھڈنا، بھانویں لگ جان ہتھکڑیاں

کوٹھے تے کھنڈ چاڑھی
آپے پچھتا چھڈ دیں گا، جدوں پُلس نے پھنڈ چاڑھی

دو پَتّر اناراں دے
ساڈی گل ننگھ سوہنیا، دُکھ ٹکّن بیماراں دے

سڑکے تے آئی لاری
دِلا تینوں آخ رہی پردیسی نال نہ لا یاری

اِک بُوٹا کاہیئے دا
ملکاں عبادتاں نیں، مُونہہ تک لینا ماہیئے دا

پانی چھنے وِچوں کاں پیتا
تیرے وِچوں رب دِسیا تینوں سجدہ تاں کیتا

گل کُڑتا شاہیئے دا
نِکی جنی بستی وِچوں پتہ لگدا نہیں ماہیئے دا

دو تاراں پتّل دیاں
کُڑیاں پہاڑاں دیاں، کونجاں بن بن نکلدیاں

آٹا گُنھ کے پلٹ کیتا
اُساں تینوں کجھ نہ کہیا، کیہڑی گل دا تیں وٹ کیتا

کنگے وچ لیلی اے
سوہنے جیہے مکھ والئے، تیرا ہر کوئی بیلی اے

پھُلاں وچ اِک ڈوڈی
جہناں دے مِلن جہنے، شالا ہووان نیں اُنہاں جوگی

ڈبی بھری ہوئی ڈکیاں دی
ایہہ یاری نہیں ٹُٹنی، جیہڑی لگی ہوئی نکیاں دی

تھالی بھری ہوئی چھوہاریاں دی
ایہہ یاری نہیں ٹُٹنی جیہڑی لگی ہوئی کواریاں دی

اکھیاں وچ لہر ہووے
سانوں غم لان والیا، تیری دم دم خیر ہووے

گل چِٹی قمیض ہووے
اکھیّاں ادھور رکھیئے، بھانویں یار غریب ہووے

ہٹیاں چوں وان لیا
بھیس وٹا آیا، اساں ڈھول سہان لیا

کوئی تار سُرنگیاں دی
نالے دسے مَیں تیری نوکر نالے تیریاں سنگیاں دی

سپ چڑھیا ڈھنگری تے
موجاں توں مانیاں ساڈی نازک جِندڑی تے

سُنیاریا کٹ چاندی
ماہیا سانوں معاف کریں بُھل بندیاں توں ہو جاندی

طوطے نوں کُٹ چوُری
عشق دے قیدیاں دی کدے ہُندی نہ سزا پوُری

چوُری سجناں دے کاں جوگی
جنہاں دے مَن مہنے شالا ہووان مَیں اُنہاں جوگی

گڈیاں دا دُھوں ماہیا
سڑ گئیاں ہڈیاں تے کوئلے چن لئیں توُں ماہیا

تندوری تائی ہوئی آ
کھسماں نوُں کھان روٹیاں چھٹی ماہیے دی آئی ہوئی آ

منجی چھانویں ڈاہی ہوئی آ
ساقوں غم سجناں دا لوکاں مرض بنائی ہوئی آ

منجی چھانویں ڈاہی ہوئی آ
آکھیں جا کے ماہیے نوں تیری ہرنی پھاہی ہوئی آ

بچوّں کے کھیل اور بجھارتیں

وزیرآباد میں شام کے وقت بچےّ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو گود میں اُٹھا کر مسجد کے سامنے تھڑے پر بیٹھ جاتے ہیں اور نمازیوں کے نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنے کا انتظار کرتے ہیں اور جب نمازی نکلتے ہیں تو اُن سے پھُونک مرواتے ہیں۔ خیال ہے کہ اس طرح بچوّں کو بیماریاں نہیں لگتیں۔ اور بلاؤں سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔

رمضان شریف کے دنوں میں بھی بچےّ مسجد کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روزہ کھُلنے کے وقت جب نوبت بجتی ہے تو شور مچاتے ہوئے گھروں کی طرف بھاگتے ہیں "روزیاں والیو روزے کھول لو ——— روزیاں والیو روزے کھول لو"

جب بارش نہیں ہوتی تو بچےّ ایک دوسرے اور بڑوں پر بھی پانی گراتے ہیں اور گلیوں میں گاتے پھرتے ہیں۔

"کالیاں اِٹاّں کالے روڑ
مینہ وسادے زور و زور"

تھال

لڑکیاں گیند کے ساتھ کھیلتی ہیں اور ساتھ ساتھ گاتی ہیں:۔

کوٹھے تے گاں

ویر میرا لمّا

بھابو میری پتلی

جیہدے نک پھلی

پھلی دے دو مامے آئے

میرا آیا جیٹھ

جیٹھے دی روٹی پکائی

کھا گیا درویش

نال پردھیاں توریاں

توریاں دے نکے

جیون بھائی سکے

سکیاں دے گل گانی

میری جیوے سکی نانی

آل سنگال

گرڈیے چڑھیا ای پہلا تھال

بجھارتیں

میں نے پنجاب کے کئی دوسرے علاقوں سے سُنی ہوئی بجھارتیں بھی یہاں جمع کر دی ہیں تاکہ انہیں پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ ورنہ تمام کتاب میں جگہ جگہ پھیلی ہوئی کہاوتیں تلاش کرنا، یا ان کا کوئی ایک ناشر مرتب کرنا مشکل ہوتا۔ میں نے یہ بجھارتیں بچپن میں سُنی تھیں اس لئے بہت سی مجھے بھول چکی تھیں جو میں نے پھر سے اپنی ماں، ساتھیوں اور خاص طور پر

اقبال حیدری سے دوبارہ سُن کر لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے خط کے ذریعے وزیر آباد، گجرات اور گوجرانوالہ کے بچوں۔ وسیم، عقیل، فہیم اور تاشی سے بھی بجھارتیں حاصل کیں۔

ٹھرڑے اُتے ٹھرڑا
اُتے لال کبوتر کھڑا
اجم تہ

اِک جانور ایسا
اوہدے سِر اُتے پیسا
سہم

بڈھے مداناں اک لہو دا ٹھُبکا
ہ ہمذ رتہ

آر ڈانگاں
پار ڈانگاں
وِچ ٹُلم ٹُلیاں
آون کُونجاں
دین بچے
ندی نہاون چلیاں
ہ تہہبہ ہر ہ تہبر

بگا گیا دانے لین
دانے آئے بگا نہیں آیا
تسبیح

اپنی ساری مٹھی
جیبھ
سارے اندر لپی

سر نگر توں چلی
ہتھ نگر نے پھڑی
روٹی
منہ نگر نے ماری

نکی جہی چھوکری
لمبہ
سر سواہ دی ٹوکری

نیلی ٹاکی چاول بدھے
بھنے گواچے
تارے
راتیں لبھے

نہ رو دیّے چیکاں مار
نہ کر اپنی حال پکار
پچھے رہنا نہیں دستور
سویرے جانا تدھ ضرور

بھین، بھراواں آنگل لادیں
دیور جیٹھاں بنھ لیا دیں
خبریں آویں، خبریں جاویں
سب نوں سیٹی مار بلاویں
لوکی آکھن نار کوپتی
تیرے جیہی نہ جگ سوپتی — ہتھ

کالا کاں جیہا
ساوا طوطے جیہا
جیہڑا میری بات نہ بجھے
اوہدا مونہہ کھوتے جیہا — [illegible]

عرشاں توں اِک چیز لتھی
دیندی آوے گمیاں
جد اوہدے بیں دند گئے نے
اسّی تے پنج دیہاں — اولا

موتیاں جیہی ہٹیار
اوہدے سر تے گز گز وال — پیاز

اِک دل اوہدے تن پھل — [illegible]

کالی زمین پیلا پانی
وچ پنچے جل رانی — [illegible]

مٹی دی اونٹنی. لوہے دی پلانی
اُپر چڑھ بیٹھی بلبلو پٹھانی — [illegible]

نکی جئی ڈوبی. پشور جا کے بولی — [illegible]

آر دی کوٹھا پار دی کوٹھا وچ کوٹھے دے ٹیڈو کھڑا
سو آدمی رجیا اجے وی کھڑا — [illegible]

کالی کٹوی سیتا پت
چل اوئے کٹوی جائیے ہتھ — [illegible]

پارے میرے اُونٹ کٹھا
ہڈیاں گوڈیاں شوربا مٹھا — [illegible]

کانئے مکانئے داڑی کھتے ہنو نی ایہا
راتیں آٹا ڈھونی اے — [illegible]

آر دی کسی پار دی کسی وچ کسی نے سوئے
اسے کتے نی بہار آئی حرامی پیدا ہوئے — [illegible]

نکی جہی کڑی ساڈے جہے کن — [illegible]

ماریو کٹی نسی گئی حرامزادی دن — [illegible]

پاروں آیا کوئی، اس دے مونڈھے تے لوئی
سیہان متے پیو ہوئی — [illegible]

ٹک ٹک ٹینچوں دریٹینچوں
تن سریاں دس پیر گلیچوں — [illegible]

ساوی ڈنڈی چیچک دانہ
وخت پیا تے منگی کھانا — ਅੰਡਾ

نکی جہی ٹوٹی، ٹپ نہ سکے کوئی — [illegible]

شکا ترمبڑ آنڈے دیوے — [illegible]

شکا کس کڑو کاں مارے — [illegible]

نیلی تھگڑی تل بندھے
دہاڑی گواسے راتیں لدھے — [illegible]

کالی گودڑی تیرے نیچے
اک بلایا سارے نیچے

[illegible]

اُچی ڈھکی باڑ رہیا
چُنن والا کوئی نہیں

تارے

چاندی دی کٹوری ٹُٹ گئی
جوڑن والا کوئی نہیں

انڈا

ساجھے دی بیٹی مر گئی
رون والا کوئی نہیں

شبنم

جنگل پیا پٹا کاسن دے دو جنے

جنہاں نے سنیا اونہاں نے دیکھیا نہیں

دیکھن والے دو ہور جنے

جنہاں نے دیکھیا اونہاں نے چکھیا نہیں

چکھن والے دو ہور جنے

جنہاں نے چکھیا اونہاں نے کھادا نہیں

کھا گئے دو ہور جنے

جنہاں نے کھادا او پھڑ نہیں ہوئے

پھڑے گئے دو ہور جنے

جیہڑے پھڑے اوہ مارے نہیں

مر گئے دو ہور جنے

بینگن

ہوا آئی آم گرا

کانوں نے سنا کھڑاک

آنکھوں نے دیکھا

ہاتھوں نے اُٹھایا

دانتوں اور زبان نے کھایا

مالی نے پکڑ لیا۔ مر گئے شرم اور حیا

پاروں آئے خاص ملنگ

ساڈیاں ٹوپیاں اودے رنگ

آر وی کسی پار وی کسی وچ کسی دے گاں
سنگوں پکڑ کے جھوٹا دتا کر دی ٹاں ٹاں

چکی

پاواں ؟
میں پاوتی لئی

لقمہ

کالا کاں جیہا ساوا طوطے جیہا

بینگن

کوٹھے تے پر کوٹھا اتے پانی جوار
چڑے آ کے چگن چگن دارو وار

حقہ

ماں لیراں تتیراں
پتر کینڈڑا

تربوز

ماں جمی نہیں تے پتر کوٹھے تے

دھواں

سر بدھی لومڑی گھر گھر پھردی

جھاڑو

اپہم — اُینی ساری مِٹّی سارے اندر پِپی

ہتہ — کٹورے تے کٹورا پُتر پیو توں وی گورا

۹ہتبمہ — اِک تے پائی اے دھرتی دھرتی چلّے
سو کوہاں تے لگی وینجے دُھوڑ ذرا نہ دِسّے

ہتہاسم — بابا نودی چھ ٹنگاں اِکّو بودی

دہتعوبا — دو کبوتر اُڈدے جاندے کھمب اونہاں دے کالے
نہ کجھ کھاندے نہ کجھ پیندے رب اوہناں نوں پالے

۶۳۱۱۲۰ — توں چل میں آیا

۹۴ جتتنہ — اِک صندوق وچ باراں خانے
ہر خانے وچ تیہہ تیہہ دانے
بجھن والے بڑے سیانے

گوجرانوالہ

وزیرآباد سے گکھڑ اور راہوالی ہوتے ہوئے ہم گوجرانوالہ پہنچے تو رات پڑ چکی تھی۔ پیٹ کھانے کو مانگتا تھا اور بڑی سڑک کے دائیں طرف تیز روشنیوں میں نہائی ہوئی دکانوں پر مرغوں اور بکروں کے جسم لٹک رہے تھے اور کڑاہیوں سے دھوئیں میں ملی چٹ پٹی خوشبو نے ناک میں نکیل ڈال رکھی تھی۔ ایک دو بار پہلے بھی ہم ان دکانوں پر کھانا کھا چکے تھے اس لئے ہماری نظریں سیخوں پر لگے اُن چھوٹے چھوٹے پرندوں کو ڈھونڈ رہی تھیں جنہیں یہ دکاندار (RUSSIAN BIRD) کہتے ہیں۔ یہ پرندے تلیر سے چھوٹے، چڑیا سے ذرا بڑے اور ذائقے میں مختلف ہوتے ہیں۔ میرے ساتھیوں میں سے نصراللہ ملک کو یہ پرندے پسند نہیں تھے اس لئے ان کی نظریں مرغ کی بھنی ہوئی ٹانگوں کا جائزہ لے رہی تھیں پھر انہوں نے شہادت کی انگلی اٹھا کر دو تین ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا جو کوئلوں پر تڑپتی ہوئی تھوڑی ہی دیر میں ان کے سامنے آگئیں۔ عکسی مفتی، خالد جاوید اُن کے پاس بیٹھے ہوئے پرندے کھاتے رہے جنہیں نصراللہ ملک آخر دم تک شک کی نظروں سے دیکھتے رہے۔

کھانا کھا کر ہم باہر نکلے تو خالد جاوید جو کھانا ختم کر کے پہلے ہی دکان سے باہر جا چکا تھا دائیں طرف کچھ فاصلے پر ایک شخص کے مُنہ کے قریب ٹیپ ریکارڈر رکھے گوجرانوالہ کے لوک فنون کے بارے میں معلومات اکٹھی کر رہا تھا۔ مفتی صاحب نے رہ سیدھا کیا اور شروع ہو گئے۔ مفتی صاحب کا کیمرہ ٹورز کے دوران میں ۲۴ گھنٹے یار رہتا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ اس کا مالک بھی چوبیس گھنٹے اسی کیفیت میں رہتا ہے۔

میں نے بھی اپنا ٹیپ ریکارڈ آن کیا اور گوجرانوالہ کے ارد گرد کے دیہاتوں کے بارے میں معلومات اکھٹی کرنے لگا۔

موضع بھڑی / بھڑی شاہ رحمٰن

موضع بھڑی کا نام آج کل بھڑی شاہ رحمٰن ہے اس لئے کہ یہاں شاہ رحمٰن کا مزار ہے جن کے ماننے والے دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں اور اس گاؤں کو شہرت بھی شاہ رحمٰن کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

شاہ رحمٰن

شاہ رحمٰن نے روحانی فیض نوشوہ سے حاصل کیا۔ نوشوہ کا مزار ہٹرل شریف میں ہے جو کہ یہاں سے کچھ زیادہ دُور نہیں۔ آج بھی شاہ رحمٰن کے مرید ہٹرل شریف سے ہو کر بھڑی شاہ رحمٰن پہنچتے ہیں لیکن سفر اس راہ سے کرتے ہیں جس سے بھڑی شاہ رحمٰن جاتے ہوئے نوشوہ کی طرف پیٹھ نہ ہو۔

نوشوہ اور شاہ رحمٰن

کہا جاتا ہے کہ شاہ رحمٰن بارہ سال تک روحانی فیض کے لئے نوشوہ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ روایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ نوشوہ کے پاس بیٹھے تھے جہاں نوشوہ کے بہت سے مرید جمع تھے۔ اچانک بارش شروع ہوگئی اور نوشوہ کے عین اوپر "مگھ" (وہ سوراخ جو دیہاتی مکانوں میں عام طور پہ ہوا کے لئے رکھا جاتا ہے) میں سے پانی گرنے لگا۔ نوشوہ نے شاہ رحمٰن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رحمٰن مگھ بند کردو" جب شاہ رحمٰن چھت پر چڑھ رہے تھے تو ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھے بارہ سال ہوگئے ہیں اور میں نے مرشد

کی طرف پیٹھ نہیں کی اور آج پیر اس کی طرف کیسے کروں کیونکہ اگر چھت پر چڑھ کر پیر رکھتا ہوں تو نیچے مرشد بیٹھا ہے۔ لہٰذا آپ لیٹ کر آگے بڑھے اور "مگھ" پر اس وقت تک پیٹ کے بل لیٹے رہے جب تک بارش بند نہ ہو گئی۔ جب آپ نوشوہ کے پاس آگئے تو انہوں نے دیکھتے ہی کہا "اوئے رحمٰن توں اُتے ای سیں"۔ شاہ رحمٰن نے کہا "مرشد آپ نے کہا تھا "مگھ" بند کرو، یہ نہیں کہا تھا کہ "مگھ" بند کرکے آجاؤ"۔۔۔ لہٰذا میں نے اس وقت تک مگھ کو بند کئے رکھا جب تک بارش ختم نہیں گئی۔

مرشد کی طرف سے ایک اور آزمائش

لوگ کہتے ہیں ایک مرتبہ نوشوہ کی ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا۔ آپ اس پھوڑے کی پیپ اور گند روزانہ ایک ٹنڈ (ایک لوہے کا ڈبہ) میں ڈال دیا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ٹنڈ، شاہ رحمٰن کے حوالے کی اور کہا تو جاؤ اس گند کو کسی ایسی جگہ پھینک آؤ جہاں کوئی بھی نہ دیکھ سکے ـــــــ شاہ رحمٰن ٹنڈ اُٹھا کر باہر آتے تو سوچنے لگے کونسی جگہ اسے پھینکوں کہ جہاں کوئی دیکھ نہ سکے ـــــــ کافی دیر اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد شاہ رحمٰن نے سوچا کہ صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں اسے پھینکوں تو کوئی نہیں دیکھ سکے گا اور وہ ہے میرا سینہ ـــــــ اور پھر ٹنڈ کو مُنہ سے لگا کر سارا گند غٹا غٹ پی گئے ـــــــ واپس آئے تو نوشوہ نے پوچھا۔ رحمٰن ایسی جگہ پھینکا ہے نا جہاں کوئی نہ دیکھ سکے ـــــــ شاہ رحمٰن بولے "جی مرشد بالکل ایسی ہی جگہ پھینکا ہے" ـــــــ نوشوہ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور کہا ـــــــ "جاؤ میری آل اولاد تیری مرید ہو گی ـــــــ تیرے مزار پر بھی میلہ لگے گا ـــــــ جو خیر میری بتی وہ تم سے ملے گی ـــــــ اور میں ہر سال میلے کے موقع پر تمہارے مزار پہ حاضری دیا کروں گا"۔ شاہ رحمٰن نے پوچھا اس کی پہچان کیا ہو گی ـــــــ نوشوہ نے کہا ـــــــ تمہارے مزار کے قریب کنوئیں میں دریائے چناب

کا پانی جمع ہو جائے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ آٹھویں کی رات چناب کا پانی آج کل بھی کنوئیں میں اکٹھا ہو جاتا ہے۔

ایک کرامت

کہتے ہیں ایک مرتبہ کہیں ایک مسجد بن رہی تھی اور جب بھی اس کا محراب بناتے تھے وہ ٹیڑھا ہو جاتا تھا چونکہ شا رحمٰن دھوبی تھے اس لئے ایک جگہ کپڑے دھو رہے تھے کسی نے مسجد بنانے والوں سے کہا کہ فلاں جگہ ایک دھوبی کپڑے دھو رہا ہوگا، اس کا نام شاہ رحمٰن ہے اس کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایسا حل بتائے گا کہ مسجد کا محراب پھر ٹیڑھا نہیں ہوگا —— جب وہ لوگ شاہ رحمٰن کے پاس پہنچے اور غرض بیان کی تو آپ نے ایک کپڑے کو نچوڑتے ہوئے زور سے مروڑا اور کہا "سیدھا ہو جا" ——

کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد مسجد کا محراب سیدھا ہو گیا۔

میلہ بھڑی شاہ رحمٰن

آپ کا میلہ ہر سال آٹھ، نو، اور دس جیٹھ کو ہوتا ہے اور روایت کے مطابق اس موقعہ پہ آندھی ضرور آتی ہے۔

میلہ نوشوہ

نوشوہ کا میلہ ہاڑھ کی دوسری جمعرات کو ہڑل شریف ضلع گجرات میں ہوتا ہے۔

حافظ آباد

حافظ آباد، گوجرانوالہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ پہ ہے یہاں ڈھول اور شہنائی بجانے

والوں کے کچھ خاندان آباد ہیں جنہیں لوگ دُور دُور کے علاقوں سے شادی بیاہ اور خوشی کے موقعوں پر خاص طور پہ بلاتے ہیں۔ محمد منشا ڈھولچی یہاں کا مشہور ڈھول بجانے والا ہے۔

رُوحانی بزرگ / بخاری بادشاہ

بخاری بادشاہ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک ہندو آپ کا مرید تھا۔ ایک دن آپ نے اس سے وعدہ لیا کہ صبح ضرور آنا لیکن وہ ہندو رات کو مرگیا جب لوگ اسے لئے جا رہے تھے تو بخاری بادشاہ نے پوچھا، یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آپ کا مرید ہے ——— آپ نے کہا ——— اس نے تو ہم سے آج ملنے کا وعدہ کیا تھا ——— لیکن اس کے گھر والوں نے آپ کی بات کی پرواہ کئے بغیر اسے لے جا کر آگ کے حوالے کر دیا لیکن اُسے آگ نہیں لگی ——— اس ہندو کے گھر والے اُسے بخاری بادشاہ کے پاس لے آئے تو آپ نے اس سے کہا ——— "بھلیا! تو نے تو آج ملنے کا وعدہ کیا تھا" ——— کہتے ہیں وہ ہندو زندہ ہوگیا اور اس نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کا مزار حافظ آباد میں بخاری بادشاہ کے مزار کے ساتھ ہی ہے۔

میلہ

بخاری بادشاہ کا میلہ ہر سال اکیس بائیس جیٹھ کو ہوتا ہے اور خوب زور شور سے جاری رہتا ہے۔

بابا کالے شاہ

بابا کالے شاہ کا مزار بھی حافظ آباد ہی میں ہے ان کا میلہ ہر سال ۲۲ ہاڑھ کو لگتا ہے۔

کڑیال کلاں

کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ کا ایک مشہور اور پرانا قصبہ ہے جو گوجرانوالہ سے پچیس میل جنوب کی طرف واقع ہے، جہاں سے شیخوپورہ ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہمارے ادارے کے ایک فیلڈ ریسرچر اور فوک لور کے ماہر تنویر بخاری اسی قصبہ کے رہنے والے ہیں۔ تنویر بخاری فوک لور پر بہت سی کتابیں لکھ چکے ہیں جن میں سے "پنجاب کے لوک کھیل" اور "پنجاب میں پیدائش اور موت کی رسمیں" لوک ورثے کے ادارے نے طبع کی ہیں۔ تنویر بخاری بہت اچھے شاعر بھی ہیں اور پنجابی میں ان کے ۲۴ شعری مجموعے چھپ چکے ہیں اور آج کل پنجابی اُردو ڈکشنری پر کام کر رہے ہیں۔ اُن کا تعلق حضرت عبداللہ شاہ بخاری کے گھرانے سے ہے اور آج کل سجادہ نشین بھی وہی ہیں۔ مَیں نے تنویر بخاری کا انٹرویو ریکارڈ کیا اور اُن سے کڑیال کلاں اور اِردگرد کے علاقوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔

مشہور ہے کڑیال کلاں گاؤں سات مرتبہ اُجڑا اور سات مرتبہ آباد ہوا۔ گاؤں کی قدیم روایت کا اندازہ یہاں کے اکثر پرانی طرز کے مکانات کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں کئی قلعہ نما عمارتیں موجود ہیں جو چھوٹی چھوٹی اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں۔ ان چھوٹی اینٹوں کو "سکندری اینٹیں" کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں زیادہ تر ورک (جاٹوں کی ایک گوت) آباد تھے، تقسیم کے بعد ورک قوم کے افراد زیادہ تعداد میں نہیں۔ البتہ اب بھی اس قوم کے کئی خاندان اردگرد کے دیہاتوں میں آباد ہیں۔ اسی لئے ان دیہاتوں کے ناموں کے ساتھ زیادہ تر "ورک" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسے :-

گرمولہ ورکاں، کڑیال ورکاں، ساہوکے ورکاں، مستدہ ورکاں، نوشہرہ ورکاں وغیرہ۔

کہتے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یہاں کے ورکوں سے اپنے لئے رشتہ مانگا تھا مگر

ورکوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "ہم جاٹ ہیں اور تم سانسی ہو، ہمارا تمہارا کیا جوڑ۔ کیا ہوا جو تم راجہ بن بیٹھے ہو"۔

کہتے ہیں رنجیت مہاراجہ ایک مرتبہ گاؤں میں آیا اور اس نے گلیوں میں چاندی کے روپوں کی بارش کروائی مگر کسی بچے نے بھی چاندی کے کسی سکے کو ہاتھ تک نہ لگایا جب گاؤں کے کسی کمی کمین نے بھی مہاراجہ کی پرواہ نہ کی تو رنجیت سنگھ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔
بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ تو رنجیت سنگھ نے گاؤں کو آگ بھی لگوا دی تھی ـــــــ مہاراجہ کی رانی جنداں اس گاؤں سے اکثر گزرا کرتی تھی کیونکہ یہاں سے قریب ہی تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں جھبر ہے جہاں اُس کی جاگیر تھی۔ اور کہنے والے تو یہاں تک بھی کہتے ہیں وہاں اس کے کچھ رشتہ دار بھی رہتے تھے۔

انگریزوں کے دور میں جب انگریز حکومت نے ورکوں کو جرائم پیشہ قوم قرار دیا تو جس شخص نے اس الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے کوششیں کیں ان میں یہاں کے ایک ورک بھی شامل تھے جو ان دنوں اسمبلی کے ممبر یا کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔

ورک مزاجاً اعلیٰ زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں۔ وہ کمیوں وغیرہ کی بھی از حد عزّت کرتے ہیں اور ان کی بیٹیوں کو اپنی ہی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یہاں کا ایک ورک سردار نوشہرہ ورکاں سے گھوڑی پر سوار ہو کر آ رہا تھا کہ راستے میں اُسے ایک عورت اور مرد ملے جو پیدل کڑیال کی طرف جا رہے تھے۔ سردار نے مرد سے پوچھا "کیوں میاں کہاں جانا ہے"؟ اُس نے بتایا کہ وہ کڑیال ورکاں جا رہا ہے۔ سردار نے پھر پوچھا کہ وہاں تمہارا کون رہتا ہے۔ مرد نے جواب دیا کہ میں کڑیال والوں کا جنوائی (داماد) ہوں اور فلاں عیسائی کے گھر جانا ہے"۔ سردار فوراً گھوڑی سے نیچے اُتر آیا اور کہنے لگا کہ "ارے بھئی! تم ہمارے جنوائی ہو، جنوائیوں کی بڑی عزّت ہوتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم گھوڑی پر سوار ہوں اور ہمارا جنوائی اور بیٹی پیدل چلیں۔ تو دونوں گھوڑی پر سوار ہو جاؤ"۔ عیسائی نے بہترا انکار

کیا مگر سردار نے انہیں گھوڑی پر چڑھنے پر مجبور کر دیا۔ جب وہ گاؤں پہنچے تو لڑکی کا والد سردار کی گھوڑی اس کے سپرد کرنے گیا۔ سردار نے جواب دیا کہ "بھائی لے جاؤ یہ گھوڑی، ہم اپنی بیٹی کو دے چکے ہیں۔ تمہارا جنوائی، ہمارا بھی جنوائی ہے۔ گاؤں کا جنوائی اپنا ہی جنوائی ہوتا ہے" اور گھوڑی اس عیسائی سے واپس نہ لی۔

ویسے کڑیال کی روایت ہے کہ یہاں کے لوگ گاؤں کی ہر بیٹی کو اپنی ہی بیٹی تصور کرتے ہیں اور اُسے "دھی دھیانی" کا درجہ دیتے ہیں۔ شادی بیاہ کے موقعہ پر جس گاؤں میں دلہا کو بیاہنے جاتے ہیں اس گاؤں میں اپنے گاؤں کی جتنی بھی عورتیں شادی شدہ ہوں انہیں "دھیاں دھیانیاں" کہتے ہیں اور ہر عورت کو خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو کچھ نقدی، مٹھائی اور مختلف چیزیں ایک تھال میں رکھ کر بھجوائی جاتی تھی اور تھال بھی واپس نہیں لیا جاتا۔ یہ رسم "راشا چاری" کہلاتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ کڑیال کلاں کے چاروں طرف سات پیروں کا پہرہ ہے جن کی ڈھیریاں (قبریں) بھی موجود ہیں

روایت ہے کہ سات بھائی کافروں سے جنگ لڑ رہے تھے۔ جب اُن کے سر کٹ گئے تو اُن کے دھڑ تلواریں چلاتے رہے۔ دیکھنے والے لوگ حیران تھے۔ کسی شخص نے تعجب سے کہا۔ "دیکھو بغیر سر کے دھڑ لڑ رہے ہیں" تو ان کے دھڑ بھی غائب ہو گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ پیروں کی ڈھیریاں ہیں جو زندہ دھرتی میں سما گئے تھے۔ ان ڈھیریوں میں سے ایک ڈھیری گاؤں سے مغرب کی طرف منڈہ ورکاں جانے والے راستہ پہ واقع ہے۔ یہ ڈھیری بے ترتیب سکندری اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ تعویذ وغیرہ ٹوٹ چکا ہے۔ بزرگ کہتے ہیں پہلے قبر کے سرہانے وَن کا درخت تھا جو اب نہیں ہے۔ ڈھیری کے قریب ہی ایک پرانے اور غیر آباد کنوئیں کا نشان ہے جسے "ڈل" کہتے ہیں۔ انہی ڈھیریوں میں سے چند ڈھیریاں گاؤں سے مغرب کی جانب واقع ہیں۔ کابجو پیراں میں سے مشہور ڈھیری

ہے جہاں دُودھ اور کھیر وغیرہ کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پیر صاحب سال میں ایک مرتبہ ناگ بن کر دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لئے اس علاقہ میں سانپ کو مارنا منع ہے۔ ایک ڈھیری جھاڑو الا کے نام سے مشہور ہے۔ اس ڈھیری کے قریب وَن کے کئی درخت ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا میلہ بھی لگتا ہے۔

نیویں کھوہی

گاؤں سے ملحقہ جنوب کی طرف ایک قبرستان واقع ہے جو "نیویں کھوہی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں بھی ایک بزرگ کا مزار ہے جو خستہ ہو چکا ہے۔ قبرستان میں سیدوں کی بھی قبریں ہیں۔ جن میں حضرت سلطان شاہ بخاری کا مزار مشہور ہے۔

جمات دا میلہ

یہاں ہر سال ۲۳ر پھاگن کو ایک میلہ لگتا ہے جو "جمات دا میلہ" کہلاتا ہے جو کہ دوسرے علاقوں میں سخی کا سنگ کہلاتا ہے۔ "جمات" (جماعت) سخی سرور کے معتقدین اور فقیروں کا گروہ) مختلف دیہات سے ہوتی ہوئی یہاں پہنچتی ہے تو گاؤں کے لوگ گاؤں سے باہر نکل کر ان کا استقبال کرتے ہیں۔ "جمات" کے آگے آگے ایک شخص گھنٹی بجاتا جاتا ہے کچھ لوگوں کے ہاتھ میں لمبے لمبے اور بڑے بڑے رنگدار جھنڈے جھول رہے ہوتے ہیں۔ جھنڈے اٹھانے والے ہر گاؤں سے، راستہ میں استقبال کے لئے "جمات" میں شامل ہو جاتے ہیں اور اپنے گاؤں کی حدود ختم ہونے کے بعد واپس چلے آتے ہیں۔ "جمات" کے وارد ہونے پر گاؤں کی عورتیں چڑھاوے چڑھانے کے لئے جھنڈے والوں کے پاس جمع ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی منت کے طور پر چھوٹی چھوٹی سرہانیاں اور دوپٹے جھنڈے کے ساتھ باندھ دیتی ہیں۔ وہ جھنڈے اٹھانے والوں کے لئے دُودھ کے گلاس بھی لاتی ہیں جسے "جمات" میں شامل کوئی بھی شخص تبرک

سمجھ کر پی لیتا ہے۔ "جمات" کے ہمراہ لوک فنکار (گویّے وغیرہ) بھی شامل ہوتے ہیں۔ بچّوں کو لوریاں دینے والے بھرائی (دیشیخ) عورتوں کے مجمع میں سارنگی اور ڈھول بجا بجا کر ان کے بچّوں کو گود میں لے کر لوری دیتے ہیں اور عورتیں انہیں چڑھاوے کی اشیاء بطورِ نذر پیش کرتی ہیں۔
"نیویں کھوہی" کے مقام پر بڑ کے درخت تلے مردوں کا مجمع لگ جاتا ہے اور وہاں چمٹے جوڑی یا سارنگی والے گویّے اپنا پڑ (اکھاڑا) جما لیتے ہیں۔ یہ لوگ خاص طور پر "جگنی" اور داریں گاتے ہیں۔ لوگ خوش ہو ہو کر انہیں "ویلیں" دیتے ہیں۔ ویلوں کا اعلان کرنے کو "ویلاں ہو گنا" کہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے یہ لوگ اشعار بھی گھڑ لیتے ہیں۔ ایک شخص شیر محمد نے انہیں ایک روپیہ دیا تو اس پر انہوں نے اس کے نام کا یوں اعلان کیا:۔

"وچ تِل دیتے مارے فی تُوں
وہیں نال صفائی
اُچی بول کے دس او یارا!
ویل ایہہ کدھروں آئی
شیر محمد ورک نے یار دا!
سوہنی ویل کرائی
رہندا وچ کرڑیال کلاں وے
واہ اوہدی وڈیائی
آئے گئے نُوں روٹی دیندا
رب نے شان بنائی
جیوے شیر محمد سوہنا
جنہے ویل کرائی"

جُگنی

جُگنی گجرات، وزیر آباد، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لاہور کے علاقوں میں بہت مقبول ہے۔ اور لاہور سے پانچ چھ میل ادھر حسن کالر کے سائیں مشتاق کو جگنی گانے میں کمال حاصل ہے جو چمٹا بجانے میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔ تو لیجئے سنیئے:-

اللہ بسم اللہ میری جُگنی
او سائیں بوہڑاں والیا جُگنی
او بھورے والیا جُگنی
پیر میریا جُگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؑ دا لیندی آ

پہلاں صفت خدا دی کریئے
پھیر درود نبیؐ تے پڑھیئے
ہر دم ربدے خوفوں ڈریئے
او پیر میریا جُگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؑ دا لیندی آ

مرشد سائیاں کرم کما دیں
ڈبدی بیڑی بنّے لا دیں
میرے وگڑے کاج بنا دیں
آویں پیرا! آویں آویں!

او پیر میریا جگنی رہندی آ
جیہڑی نام علی دا لیندی آ

میری جگنی دے دھاگے پنج
بی بی زہرہؑ دے فرزند
جنہاں کربل کیتا جنگ
مُوڑی دین کے ہو گئے دنگ
او پیر میریا جگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؑ دا لیندی آ

میری جگنی دے دھاگے چار
جیہدا کملی والا یار
اوہنوں کدے نہ آوے ہار
او پیر میریا جگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؑ دا لیندی آ

جگنی جا وڑی وچ روہی
جتھاں پگڑ سہاگے جوئی
اوہدی وات نہ پچھے کوئی
اوہ تے رو رو کملی ہوئی
او پیر میریا جگنی رہندی آ

جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جگنی جا وڑی وچ کھارے
گو وے مٹّی، ملبے گارے
پے گئے وخت سرے تے بھارے
اوہ تے رو رو چیکاں مارے
او پیر میریا جگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جگنی جا وڑی گجرات
اوتھے کوئی نہ لیندا وات
پے گئی سر تے کالی رات
او پیر میریا جگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جگنی جا وڑی نوشہرے
لُٹی گئی اوہ شکر دوپہرے
اُتوں ٹھانیدار پیا گھرے
او پیر میریا جگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جُگنی جا وڑی گرموے

نَتاں کھرو یاں، مُنڈے کو ٹے

او پیر میریا جُگنی رہندی آ

جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جُگنی پٹن لگی کھال

اوہ تے ڈگ پئی مُونہہ دے بھار

نالے پاٹ گئی سلوار

اوہ تے روندی زاروزار

او پیر میریا جُگنی

جُگنی رہندی آ

جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

گاؤں سے مغرب کی طرف کچھ فاصلہ پر درختوں کے جُھنڈ میں ایک سمادھی نما مقبرہ بنا ہوا ہے جس کے اندر قبر کے تعویذ کی جگہ ایک بڑی سی بیل پڑی ہوئی ہے۔ یہ ڈھیری "سندھوراں آلو" کے نام سے مشہور ہے۔ لوگ یہاں چڑھاوے کے طور پر "سندھور" چڑھاتے ہیں۔ اس ڈھیری کا متولی چراگُو نامی ایک شخص ہے جو سانسی قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ سانسیوں کے کسی بزرگ کی ڈھیری ہے۔ یہاں ہر سال میلہ لگتا ہے جس میں دُور دُور سے سانسی شمولیت کے لئے آتے ہیں۔ پہلے اس میلہ میں خوب رونق ہوا کرتی تھی مگر اب اس کا زور ٹوٹ چکا ہے۔

چراگُو سانسی تقریباً نوّے برس کی عمر کا ہو گا۔ اس بڑھاپے میں بھی وہ خوب ہٹا کٹا اور تومند ہے۔ البتہ آنکھوں کی بینائی جواب دے چکی ہے۔ اس کی بیوی مہراں اُسے انگلی سے پکڑ کر لئے پھرتی ہے اور وہ چہکتا "بجا بجا تم اللہ ہو جی اللہ ہو، اللہ ہو جی اللہ حق ہے" کا

ورد کرتا رہتا ہے۔ رات کو بھی اُس کی آوازیں سُنائی دیتی رہتی ہیں۔

سانسی قوم اور اس کے رسم و رواج کو محفوظ کرنے کے لئے چپراگو شانسی سے انٹرویو مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ چراغِ سحری ہے نہ جانے وقت کب اسے گُل کر دے۔

میلے

میلہ کالی جھاڑی

کالی جھاڑی گاؤں سے ملحقہ شمال مغرب کی جانب واقع ہے جہاں چوکھنڈی میں کچھ مزارات ہیں، یہاں ہر سال ہاڑھ میں میلہ لگتا ہے۔ میلہ میں دور دور سے ملنگ اور گویّے شرکت کے لئے آتے ہیں۔

میلہ بابا مولا شاہ

مولا شاہ مجیٹھوی پنجابی زبان کے ایک اچھے شاعر گزرے ہیں جن کی کئی تصانیف ملتی ہیں ان کے پوتے میاں محمد اسمٰعیل منظر ان کی یاد میں ہر سال جیٹھ کے مہینہ میں عُرس منعقد کرتے ہیں عُرس کے موقع پر قوال مولا شاہ کی کافیاں گاتے ہیں۔

میلہ بابا عبداللہ شاہ بخاری

یہ میلہ ہر سال چیت کی آخری جمعرات کو منعقد ہوتا ہے جس میں لوک سازوں کی دھنوں پر بھنگڑا دیکھنے کے قابل ہوتا ہے بعض دفعہ میلے کے موقعہ پر پنجابی مشاعرہ بھی منعقد ہوتا ہے قوال اور راس دھاریئے بھی سُنے جا سکتے ہیں۔

میلہ بابا کوڈے شاہ

بابا کوڈے شاہ کا مزار گاؤں کے شمال کی جانب واقع ہے۔ کبھی کبھی کچھ لوگ اس مزار

پر میلے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔
علاوہ ازیں گاؤں میں اور بھی کئی میلے لگتے ہیں جن میں زیادہ ہجوم نہیں ہوتا ■

بولیاں

کاہتوں ہونا ایں اُداس وے منڈیا!
دیہڑے وچ مَیں پھردی

اکھ پُٹ کے سہاں وے منڈیا!
مَیں تیری کیہہ لگدی

اکھ پٹوارن دی
جیویں اِل دے آہلنے آنڈا

بیریاں نوں بُور لگ گئے
تینوں کجھ نہ لگا مٹیارے

ساتھوں کھال نہ ٹپیا جاوے
وے پُلی بنوادے ہانیاں

بسلا چھنڈی مَیں دُھپ وچ سڑ گئی
چھتری دی چھاں کرجا

میتوں لے دے سُوٹ جپانی
اگ لاواں چھیٹاں نُوں

میری سُس بھرماں دی ماری
ہَس کے نہ لنگھ مُنڈیا!

یار چھڈ گئے گلی دا کھیڑا
پنجاں دے تویت بدلے

یاری توڑ گئے بکریاں والے
اک گھُٹ دُدھ بدلے

گورا رنگ نہ گواویں کڑیئے!
لالچ لڈُواں دے

پلّا مار کے بجھا گئی دیوا
تے اکھّ نال گل کر گئی

اِک واری آ متراَ!
تیرے آون دا ٔں پاواں

اوسّے کیہہ وسنا
جتھّے رہندے لوک نقدرے

مُورا اَیں ٹرُدا
جویں کھدّو بڑھیا آوے

ناے بابا رات رہ گیا
تالے دے گیا دو وانی کھوٹی

نی میں زردے دی دیگ چڑھاواں
جے میری سسّ مر جائے

مُنڈا ردہی دے بگہ نالوں کالا
باپو دے پسند آ گیا

ویکھیں دھیئے بانسند نہ ہوویں
پُتر وُڈیاں گھراں دے کالے

ہُتھ کھُل کے ہاک نوں لایا
گوری دی جنجیری ٹُٹ گئی

ویہے جٹ نے صندوکھڑی آندی
وِچوں بوڑے منتو باہمنی

جانی نامی کمہار، جس کی عمر بمشکل نو دس برس ہوگی، نے ایک لوک گیت "چھلاّ" سُنایا۔

چھلاّ

گل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا اِی جھورا

چھلاّ ماریا اِٹ تے
مرجاں دی پٹ تے
گل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا اِی جھورا

چھلاّ ماریا بِلد تے
سوکن چڑھ گئی جِند تے
تساں مارے ڈھڈ تے
گل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا اِی جھورا

چھلاّ چِٹی چاندی
سَوکن پے گئی ماندی
جُتی پچھّن جاندی
گُل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا ای جھورا

چھلاّ نَوں نَوں دانے
سیدّو بجھ گیا تھانے
کھیدو موجاں پئی ملنے
گل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا ای جھورا

چھلاّ چھے چھے موتی
رہ گئی نہاتی دھوتی
گل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا ای جھورا

چھلاّ ماریا اک تے
پھُل تیلے نک تے
گل سُن چھلیّا چھوہرا!
کاہنوں لایا ای جھورا

چھلا اولاں گھولاں
تیرے نال نہ بولاں
گل سُن چھلیا چھوہرا!
کاہنوں لایا اِی جھورا

چھلاّ میں نہ دیندی
سَسّ طعنے مریندی
گل سُن چھلیا چھوہرا!
کاہنوں لایا اِی جھورا

چھلاّ موتیاں والا
راتیں لگدا پالا
گل سُن چھلیا چھوہرا!
کاہنوں لایا اِی جھورا

بیٹھی جُلیاں سیواں
تیرے باجھ نہ جیواں

چھلاّ اَک دی ٹینی
چکی ّ میں تہیوں پیہنی
بیٹھی جُلیاں سیواں

تیرے باجھ نہ جیواں

چھلا آونا جانا
رُٹھا یار منایا
بیٹھی جُلیاں سیواں
تیرے باجھ نہ جیواں

چھلا آوی جاوی
رُٹھے یار مناوی
شالا ٹوٹ نہ آوی
بیٹھی جُلیاں سیواں
تیرے باجھ نہ جیواں

چھلا چیٹی چاندی
راتیں نیند نہ آندی
بیٹھی جُلیاں سیواں
تیرے باجھ نہ جیواں

چھلا پایا چیچی
اکھ سجناں میچی

بیٹھی جُلیاں سیواں

تیرے باجھ نہ جیواں

چھلاّ نوں نوں وانے
اوہ جانے نہ جانے
بیٹھی جُلیاں سیواں
تیرے باجھ نہ جیواں

اکھان

دل دی کیتی واڑ
تے موہریاں دا کیہہ گڈناں

جِتھوں دی کھوتی
اوتھے جا کھلوتی

جمّوں جمّوں کھوتی بوہڑ دے تھلّے

اگے ای سی لل فلّے
مُڑ کے ٹُپے مڑھیاں وَتّے

اللہ دِتیاں گاجراں
تے وِچے رنبا رکھ

ہال کہ کوال
آپ کھاندی گاجراں
تے دھی نوں دیندی رِکل

تیڑوں ننگی
تے ڈھاکاں تے بُہتھ

بُھیڑے ننگ توں کیہہ مَنگ
بھیڑا کھلا وجاوے ٹنگ

اوہ کیہہ جانے مادھو
جیہنے پِن گلیلا کھادھو

اوہ ماں مرگئی
جیہڑی دہی نال ٹُکر دیندی سی

آنکاں دے آنک
جیہے ماپے تیہے جاتک

جیہنے پیو دی داڑھی رگی
اوہ سَوہرے دی کیہہ لگی

ماواں ماریاں
فکر کیہہ ماسیاں نوں

ماؤاں دِھیاں اَن پِردھا
مِٹھا بھیناں مِٹھا

سُو کوہ تے دریا
شَتھن اگے اِی موڈھے تے

گوں بُھنا دے جُوں

گوں لنگھی تے خواجہ وِسریا

اگ لگی تے مینہہ کُھتوں

سائیاں باجھوں سُون ترہائیاں

بیری دا اے گھراٹاں

جناں لیعت اوناں پالا

کوہ نہ ٹُرسی
بابا! ترہا ئی

چور بڈھا ہو کے مسیتے جا وڑدا اے

چور نہ چوراں دے بھائیوال

کالے کول ڈھولا بہجے
رنگ نہ وٹائے گا تے صُحبت نہ ضرور دے گا

کھڑپ گھوڑا ڈھنڈ بیئیں

بھُوں جھُوں کھوتی اُگُّوُ دے چک

میں گوہا نہیں کھاندیاں

اصل نوں سُینت
کمصل نوں سوٹا

بماری آؤندی گھوڑے دی چال اے
تے جاندی جوں دی ٹور اے

کدے سنڈھے دی سوئے نیں

بُھنڈواں دی لادی
مُنّی پڑوپی دعائیاں دی

جٹ جانے تے بِجّو جانے
چوہڑاں نوں بر نوں

اپنا گھر
سُوکوہ تے دِسیا وَندا اے

سبھتے کہناجی
اوہتوں لَیناں کی

سُوتے بھیڈ
تے تِنگھے چِھترا

جدے ہتھ ڈوئی
اوہدا ہر کوئی

پیسا نہ دھیلا
کردی میلا میلا

جنڈیالہ شیر خاں

کڑیال کلاں سے شیخوپورہ جاتے ہوئے تین میل کے فاصلہ پر ضلع شیخوپورہ کا مشہور قصبہ جنڈیالہ شیر خاں ہے جہاں مشہور پنجابی صوفی شاعر وارث شاہ کا مزار ہے۔

کہتے ہیں کہ اس جگہ پہلے جنڈ ہی جنڈ تھے اس لئے اس جگہ کو جنڈاں والا کہا جاتا تھا۔ جو بعد میں بگڑ کر جنڈیالہ بن گیا اور شیر خاں یہاں آیا تو اس جگہ کا نام جنڈیالہ شیر خاں مشہور ہو گیا۔ شیر خاں غزنی کے پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور اپنے مرشد سخی احمد درویش کے حکم پر اپنے بھائی فتح خاں کے ہمراہ تبلیغِ دین کے لئے پنجاب میں آیا اور یہاں آباد ہو گیا ——— آج بھی اس گاؤں میں شیر خاں کی اولاد آباد ہے۔ یہاں شروع سے دو قومیں آباد ہیں۔ ایک پٹھان اور دوسرے کھوکھر۔ پٹھانوں اور کھوکھروں کا آپس میں اختلاف نسل در نسل چلتا رہا جس کی وجہ ایک عورت کا اغوا تھا ——— لیکن آج کل یہ قومیں صلح صفائی کے ساتھ رہتی ہیں۔ یہاں جہانگیر بادشاہ شکار کھیلنے آیا کرتا۔

تاریخی عمارتیں

یہاں بہت سی تاریخی عمارتیں ہیں جن میں مزارات، قدیم زمانے کا ایک تالاب اور ایک باؤلی بھی ہے جسے شیر خاں نے تعمیر کرایا تھا — باؤلی پر فارسی زبان کا ایک قطعہ بھی کندہ ہے جس سے باؤلی کی تعمیر کی تاریخ کا اندازہ ہوتا ہے۔

وہ اشعار یہ ہیں:-

بعہدِ شہنشاہ اکبر لقب\
ہمایوں نسب خسروے کامیاب

بفرمودۂ سیّد غزنوی

رفیع المکاں خان عالی جناب
محیط سخا و کرم شیر خاں
ز ابرِ کرم ہمتش برد آب
بنا کرد "وائے" زمین کرم
کہ شد رشکِ سرچشمۂ آفتاب
ز دو کوشش بود بو گردوں خجل
ز چرخش بود چرخ در پیچ و تاب
مہ نخشب از شرم نیاید بروں
اگر یکشب ایں "وائے" بیند بخواب
ز تاریخ او گفت ہاتف بمن
بہ از "چاہ نخشب" بگو در جواب
(۹۷۶ ہجری مطابق ۱۵۶۸ء)

پیر حیات شاہ

جنڈیالہ شیر خاں میں پیر حیات شاہ کا مزار بھی ہے۔ جو بڑی سڑک پر واقع ہے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کو کتوں سے بے حد لگاؤ تھا اور ان کے ساتھ ہی کھاتے پیتے تھے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ کسی نے دلی میں آپ کی دعوت کی آپ دعوت میں شریک ہوئے لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ جنڈیالہ میں بھی اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

یہاں کھیر اور دودھ کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔

چٹیاں قبراں

یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کی سات قبریں ہیں جن کا تعلق سادات سے بتایا جاتا ہے پہلے صرف ڈھیریاں تھیں۔ اب تھڑا بنا کر سات قبریں بنا دی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ زندہ زمین میں سما گئے تھے۔

مشکی شاہ

پاکستان بھر کے جوا کھیلنے والے مشکی شاہ کے مزار پر آج کل بھی جمع ہوتے ہیں اس کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی لیکن میرا خیال ہے کہ چونکہ جوا کھیلنے والوں کے لئے جگہ مناسب ہے۔ درختوں کے جھنڈ ہیں۔ اس لئے جوا کھیلنے والے یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ مشکی شاہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

کہا جاتا ہے یہاں ہر سال شیر سلامی دینے آتا ہے۔ لیکن آج کل آبادی زیادہ ہونے کی وجہ سے شیر نہیں آتا۔ آپ کے مزار پر میلہ لگتا ہے تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

تاج ککارا

یہ مزار گاؤں سے مغرب کی طرف واقع ہے جس کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔

حافظ برخوردار

جنڈیالہ کے پرائمری سکول کے قریب ہی حافظ برخوردار کا مزار ہے۔ ان کا نام سنتے ہی پنجابی کے مشہور شاعر حافظ برخوردار کا نام ذہن میں آتا ہے اور جب میں نے پوچھا کہ کیا یہ وہ حافظ برخوردار ہیں جنہوں نے یوسف زلیخا اور دیگر قصے لکھے ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ حافظ

برخوردار نہیں۔ مگر مجھے بار بار پوچھنے پر یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ آخر ان کا نام حافظ برخوردار کیوں تھا اور کیا اُن کا اصل حافظ برخوردار سے کوئی تعلق تھا یا نہیں۔

وارث شاہ

وارث شاہ کا مزار گاؤں سے جنوب کی طرف واقع ہے چوکھنڈی[1] میں تین قبریں ہیں۔ جن میں سے درمیان والی قبر وارث شاہ کی ہے۔ ان کے دائیں بائیں ان کے بھائی قاسم شاہ اور بہار شاہ کی قبریں ہیں۔

مزار کے سرہانے وَن کا ایک درخت ہے۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس وَن کے اڑھائی پتّے کھا لینے سے غبی سے غبی شخص کا دماغ بھی تیز ہو جاتا ہے۔ لوگ یہ پتّے تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں اور اپنے عزیزوں کو کھلاتے ہیں۔ طالب علم ذہن کی کشادگی کے لئے اس وَن سے اڑھائی پتّے توڑ کر کھاتے ہیں۔ امتحانوں کے دنوں میں تو اس علاقہ کے ہر طالب علم کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وَن کے اڑھائی پتّے ضرور کھائے تاکہ پرچے حل کرتے وقت اُس کا ذہن فر فر چلنے لگے۔

مزار کے اردگرد کھجوروں کے درخت ہیں۔ کھجور کے کچّے پھل کو "ڈوکے" کہا جاتا ہے۔ وارث شاہ کے دربار کی کھجوریں لوگ بڑی عقیدت سے خرید کر کھاتے ہیں۔

وارث شاہ کا میلہ ساون کی ۹ تاریخ کو منعقد ہوتا ہے۔ اس میلہ میں پاکستان بھر سے ہیر پڑھنے اور گانے والے حصّہ لیتے ہیں۔ ایک پارٹی تو ہیر کے قصّہ کو شروع سے لے کر آخر تک ختم کرتی ہے۔ ان کے الفاظ میں گویا ہیر کی تلاوت کی جاتی ہے۔

میلہ میں لوک فنکار بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

وارث شاہ سے متعلق اس قسم کے گیت بھی سُننے میں آتے ہیں:-

---

[1] ۔ اب ان کا خوبصورت مقبرہ زیرِ تعمیر ہے۔

لوک گیت

دو وُنگاں چپڑھا لو کڑیو!
شاہ وارث دے دربار دیاں
دو رتّیاں تے دو کھٹّیاں
دو ساوے لہرے ماردیاں
دو وُنگاں چپڑھا لو کُڑیو!
شاہ وارث دے دربار دیاں

شیخو پورہ

شیخو پورہ ایک تاریخی قصبہ ہے جسے جہانگیر نے آباد کیا تھا۔ اکبر بادشاہ جہانگیر کو پیار سے شیخو بابا کہا کرتے تھے۔ اس بارے میں روایت مشہور ہے کہ جہانگیر ایک بزرگ شیخو بابا کی دُعا سے پیدا ہوئے۔ اسی لئے اکبر بادشاہ بھی جہانگیر کو شیخو بابا ہی کہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے جہانگیر کے آباد کئے ہوئے اس گاؤں کا نام شیخو پورہ ہے۔

ہرن مینار یہاں سے قریب ہے جو کہ جہانگیر بادشاہ نے اپنے پیارے ہرن کی یاد میں تعمیر کرایا تھا اور جس کا ذکر تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔

ایک روایت

کہتے ہیں ہرن مینار بہت بلند تھا اور ایک مرتبہ کسی شخص نے اس پر چڑھ کر دیکھا تو دُور اُسے اپنے گھر میں اپنی بہو نہاتی ہوئی نظر آئی جس کے بعد اس نے اس مینار کا اوپر کا خاصا حصّہ گرا دیا۔

قلعہ

یہاں ایک قدیم قلعہ بھی ہے۔ جو مغلیہ عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس قلعہ میں ایک ایسی سُرنگ تھی جو دہلی تک جاتی تھی۔ اس کے علاوہ تفصیل کتابوں میں آچکی ہے۔

شاہ جمال

قلعہ کے قریب شاہ جمال کا مزار ہے۔ جہاں میلہ لگتا ہے اور لوگ دُور دُور سے آکر میلے میں شریک ہوتے ہیں۔

پیر بہار شاہ

یہاں پیر بہار شاہ کا مزار بھی ہے جہاں جیٹھ کے مہینے میں بہت بڑا میلہ لگتا ہے جس میں تھیئیٹر، سرکس اور دکانیں لگتی ہیں۔ لوک فن کار ہر قسم کے لوک گیت گاتے ہیں۔

شیخوپورہ کے ایک شخص محمد علی نے مجھے کچھ بولیاں سنائیں۔

بولیاں

اللہ ہو دا آوازا آوے
گلّی نی فقیر دی وچوں

جے مَیں جان دی جگے نے مرجانا
تے اِک دے مَیں دو جمدی

میرا ماملا نہ پورا ہویا
کیتیں دی کپاہ ویچ کے

اساں بیڑا ڈوّلا لیاوُنا
بھانویں ساڈی جہیں وِک جائے

بن جائیں گی مربعیاں والی
اک واری ہاں کر لے

کالی تتری کماوّوں نکلی
اُڈدی نوں باز پے گیا

گوری لاہ کے بجھیاں سُٹیاں
دھرتی نوں پھُل لگ گئے

ہسدی نے پھُل منگیا
سارا باغ حوالے کیتا

وِچ گڈّوے دے بولے
لونگ جوانی دا

مینتھوں پوڑی نہ چڑھیا جاوے
لک میرا پتلا جیہا

گوری نھا کے چھپڑ چوں نکلی
کُڑتی چوں اگ بھمدی

بالو ئیں سنچدی
جویں کھوہ اگے باگڑی بوتا

تیرا وال وِنگا نہ ہووے
تیری آ تی ہیں مرجاں

ہتھ سوچ کے گندل نوں پاویں
نی کیہڑی ایں توں ساگ توڑدی

اکھ ہِل کے چھپڑے نوں ماری
توڑ کے پرُو نہاں کھا گیا

جے ئیں جاندی جٹاں دے وَس پینا
رنگّی ہندی تیل مُلدی

مِتراں دے پھُلکیاں نوں
کھنڈ دا پلیتھن لاواں

سُراں

ایک مرتبہ شیخوپورے کا ایک شخص محمد حسین شاہ اسلام آباد آیا تو اُس نے مجھے کچھ سُریں سُنائیں۔ "سُراں" پنجابی لوک گیتوں کی صنف ہے جو پنجاب کے علاقہ ماجھا میں بہت مقبول ہے۔ یہ صنف ڈھولے سے ملتی جلتی ہے جو کان پر ہاتھ رکھ کر بغیر ساز کے لمبی آواز میں گائی جاتی ہے۔

جاہ پیا جاناایں

لات جا رہیں مہینے
بیلی بھجا لنگا جانداای
میری تتی دے لہنے
ایہہ بے چھلاّ
تے مُندری تختیاں گھت لیئیں گہنے

کجھ ٹپا لیئیں غرضاں
تے کجھ لاہ لیئیں لہنے
ایہہ وقت لنگھ ٹپ جان گے
ایہہ رنگ سدا نہیں رہنے
ٹُٹ پے چھپّراں دے بھار
مرداں نے سہنے

پکیاں مڑِ کاں

اُتّے بجھدے یکّے
جدوں پیندیاں بھیڑاں
یاد آوندے سکّے

تینوں بَین اَواداں
سَدّ دیویں حاکو
بُجھ گیا حُقّہ
پتّے نہیں تماکُو

بگّی جھگّی
اُتّے پھُل کپا ہے
جنہاں دی خاطر چلی
بیلی مل پے رہا ہے

سائیں مشتاق اور اُس کا گاؤں

لاہور کی طرف جاتے ہوئے مجھے سائیں مشتاق کا گاؤں مسن کالہ یاد آگیا جو لاہور سے چند میل اِدھر بڑی سڑک سے ذرا ہٹ کر ہے۔ چونکہ رات گہری ہوتی جا رہی تھی اور ہوا میں ٹھنڈ بھی بڑھ رہی تھی اس لئے عکسی مفتی جیپ کو تیز سے تیز تر کئے جا رہے تھے۔ باقی ساتھیوں پہ گوجرانوالہ کے مرغوں کی بھُنی ہوئی ٹانگوں اور پرندوں نے غنودگی طاری کر دی تھی اور رات کا اندھیرا پَر پھیلا کر اُن کی آنکھوں کے پپوٹوں پہ بیٹھا ہوا تھا جس کی وجہ سے پوری آنکھیں کھولنا اُن کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ مَیں نے کمبل ٹانگوں پہ ڈال لیا اور اگلی سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر سائیں مشتاق کے گاؤں جا پہنچا۔ مَیں دو بار سائیں مشتاق کے گاؤں جا چکا ہوں۔ آخری بار نذیر علی جیرانہ بھائی کے ساتھ جب مَیں سائیں کے گاؤں گیا تھا تو ہماری ٹانگیں گرد میں دھنس گئی تھیں اور کُتوں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ نذیر گھبرا کر بھاگ نکلے گا لیکن اُس دن میں اس کی ہمّت اور لوک فنکاروں سے محبّت کا قائل ہو گیا کہ سائیں کی کشش اسے کچّے کوٹھوں کی طرف کھینچے چلی جا رہی تھی اور اپنے کندھے پہ وزنی ناگرہ ڈیپ ریکارڈر بھی نذیر کو ہلکا محسوس ہو رہا تھا ——— سائیں کے گھر پہنچے تو اُس نے ہمیں صحن میں بٹھایا جہاں ایک بھینس بھی بندھی تھی۔ تھوڑی دیر میں چاٹی میں مدھانی چلنے کی آواز آنے لگی اور پھر تھوڑی ہی دیر میں لسّی سے بھرے بڑے بڑے گلاس آ گئے جن پہ مکھن تیر رہا تھا ——— بچّے اور عورتیں ارد گرد کے گھروں کی چھتوں پہ چڑھ آئے تھے ——— سائیں نے نذیر علی کی فرمائش پہ کچھ گجراتی ماہیئے اور جگنی سُنائی۔

سائیں مشتاق امریکہ میں

مَیں ایتھے تے ڈھول میرا ئیریں
اکھیں لگ گئیاں تقدیریں
میرے دُکھاں دا نہیں کوئی سیری
ڈیگر ویلے
مَیں ہیں ونجھاں مشیناں تے
ہتھ بنھ کھڑی آں
راضی رہیں مسکیناں تے

مَیں ایتھے تے ڈھول میرا پھاپئے
سجناں پچھے مصیبتاں جاپئے
بڑی پاک دا روضہ
بُوہے اگے قوالی آ
دے چھڈ مافی
در تے سوالی آ

مَیں ایتھے تے ڈھول میرا تھل وے!
لمیاں زُلفاں پے گئیاں گل وے!
نیڑے ہو کے سُن لئیں گل وے
میری مشکل کر دیئیں حل وے

داتا دا روضہ
اُتے چٹے منارے نیں
پا چھڈ خیر سجناں!
کیوں سکیں کھلارے

مَیں ایتھے تے ڈھول میرا ہزارے
سجناں تیر ظلم دے مارے
تسیں جتے تے اسیں ہارے
نواں بزار پیا
وچ بیٹھا درزی آ
ایویں کر لیاں
جیویں سجناں دی مرضی آ

مَیں ایتھے تے ڈھول میرا کھائی
نکی جیہی بدلی گھِر گھِر آئی
کُہہ پٹیاں کنیاں
کچے بنیرے بھُر گئے نیں
ہائے پردیسی
عرضاں کر کے ٹُر گئے نیں

جُگنی

راتیں جاگیں شیخ سداویں، راتیں جاگن کُتّے، تیتھیں اُتّے
در مُرشد دا مُول نہ چھڈّے بھاویں سو سو پیندے جُتّے، تیتھیں اُتّے
ساری راتیں بھونک کے جا رُوڑیاں تے سُتّے، تیتھیں اُتّے
اُٹھ اوبلھیا پیر منالے متّے بازی لے جان کُتّے، تیتھیں اُتّے

(بلھے شاہ کے یہ اشعار سائیں یوں ہی گاتا ہے)

ہُن تیری گاواں جُگنی جی !
حق دم مرشد جُگنی جی !
علی نبی پاک دی جُگنی جی !
تے بری امام دی جُگنی جی !
شاہ بخاری دی جُگنی جی !
دی شاہ تاریا جُگنی جی !
دَم گُٹکوں ، دَم گُٹکوں
گُٹکوں گُٹکوں کردے پئی
نالے کلمہ نبیؐ دا پڑھدے پئی
پیر میرے دا جُگنی جی
دَم گُٹکوں ، دَم گُٹکوں

میری جُگنی دی تقدیر
میرے مُرشد محمّد امیر

میری معاف کرو تقصیر
تسیں کُل پیراں دے پِیر
ہن گاواں تیری جُگنی جی
حق دم مُرشد جُگنی
علی لج پال دی جُگنی
تے بڑی امام دی جُگنی
شاہ بخاری دی جُگنی جی
ولی شاہ تاریا تیری جُگنی جی
مَیں گاواں تیری جُگنی جی
دم گُٹکوں، دم گُٹکوں
گُٹکوں گُٹکوں کرے پئی
نالے کلمہ نبیؐ دا پڑھے پئی
پِیر میرے والی جُگنی جی
دم گُٹکوں، دم گُٹکوں

جُگنی جا وڑی سی ہزارے
سجناں تیر ظلم دے مارے
تُسی جِت گئے تے اسی ہارے
ہُن گاواں تیری جُگنی جی
حق دَم مرشد جُگنی
علی لجپال دی جُگنی

تے برّی امام دی جُگنی
شاہ بخاری دی جُگنی جی
ولی شاہ تاریا تیری جُگنی
میں گاواں تیری جُگنی، دم گُٹکوں
گُٹکوں گُٹکوں کرے پئی
نالے کلمہ نبیؐ دا پڑھے پئی
پیر میرے والی جُگنی جی
دم گُٹکوں، دم گُٹکوں

الف اللہ تے بھائی! میم محمدؐ، ہر اک شے دی جوڑی
مائی حوّا تے بھائی! بابے آدمؑ دی اللہ ملائی جوڑی
حسنؓ حسینؓ علیؓ دے جائے بھائی! دو سخیاں دی جوڑی
علی ہجپال دی جُگنی
ہُن گاواں میں تیری جُگنی جی!
دم گُٹکوں، دم گُٹکوں
گُٹکوں گُٹکوں کرے پئی
نالے کلمہ نبیؐ دا پڑھے پئی

میری جُگنی دے دھاگے بگّے
جنہوں سٹ عشق دی لگے
کلمہ اوہدے مُونہوں نکلے

دُشمن ساڈے اگے لگے
جدوں نعرہ علیؓ دا لگے
تے ہُن تیری گاواں جُگنی جی
تے اک دَم مُرشد جی
دَم گُٹکوں، دَم گُٹکوں
گُٹکوں گُٹکوں کرے پئی
نالے کلمہ نبیؐ دا پڑھے پئی
پیر میرے والی جُگنی جی
دَم گُٹکوں، دَم گُٹکوں

چھٹے گھڑے اور رنگ کا گیت

گھڑا وجدا رنگ وجدی
ذرا چھٹا وجدا سن کرڈیئے!
ایہہ دُنیا باغ بہشتی اے
توں ہر رنگ دے پھل چن کرلیئے!

واہ وا چھٹا میرا وجدا ای
میرا مُرشد پیا دے لجدا ای
وچ میدان دے گجدا ای
کن کھول کے ذرا توں سُن کرلیئے!

گھڑا وجدا، کِنگ وجدی
ذرا چمٹا وجدا سُن جندڑی!

چمٹے وِچ مَیں چھلا پرویا
مرشد اگّے مَیں حاضر ہویا
میرا مطلب پورا ہویا
سُن سُن جِندڑی
گھڑا وجدا، کِنگ وجدی
ذرا چمٹا وجدا سُن کڑیئے!

ایہہ بھائی چمٹا پاکستان دا اے
ایہنوں سارا زمانہ جاندا اے
ایہنوں ہر کوئی پچھان دا اے
ذرا کن کھول کے توں سُن جِندڑی!
گھڑا وجدا، کنگ وجدی
ذرا چمٹا وجدا سُن جِندڑی!

مُرشد میرے کرم کمایا
چمٹا میرے ہتھ پھڑایا

چِھٹے وِچوں میں سب کُجھ پایا
ذرا اُسّن چھٹے دے گُن مِجھ جَندڑی
گھڑا وَجدا، گِنگ وجدی
ذرا چِھٹا وَجدا اُسّن جندڑی
ایہہ دُنیا باغ بہشتی اے
تُوں ہر رنگ دے پُھل چُن جندڑی

راوی

راوی کا پل عبور کرتے ہوئے راوی کے بارے میں لوک روایات میرے ذہن میں گھومنے لگیں۔ جانے کیوں پنجاب کے لوگ بیٹیوں کو بیاہنے کے بعد کہتے ہیں۔

"جانی دھیئے ! راوی
نہ کوئی آوی نہ کوئی جاوی"

دراصل اس بات کے پیچھے پنجاب کا ثقافتی مزاج جھلکتا ہے جہاں ایک بار بیٹیوں کو بیاہ دینے کے بعد ماں باپ کے گھر سے ان کا برسوں پرانا رشتہ یکدم ٹوٹ جاتا ہے۔ ماں باپ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹی اپنے سسرال سے لڑ جھگڑ کر گھر آ بیٹھے۔ اس لئے یہ بات کہہ کر وہ بیٹی کے دل اور ذہن میں ایک نئے خیال کو جنم دیتے ہیں جس کے تحت چاہے اس کے سسرال والے اس سے جتنا برا سلوک کریں اسے وہیں رہ کر نباہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ "جانی دھیئے راوی" کا دوسرا مفہوم دوری کو ظاہر کرتا ہے۔ جب ماں باپ یہ بات کہتے ہیں تو ان کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی بیٹی دور جا رہی ہے۔ جہاں سے گھر آنا مشکل ہوگا۔

راوی کا کردار پنجاب کی بہو بیٹی اور ماں جیسا ہے اسی لئے پنجاب کی عورتوں کے لوک گیتوں میں راوی کا ذکر بار بار آتا ہے۔

وگدی اے راوی وچ سٹنی آں تیلا
ٹر گیا ماہی رنگ پے گیا پیلا

وگدی اے راوی وچ سٹنی آں دیکچے
کنجر نیں ماپے جیہڑے دھیاں نوں ویچدے

وگدی اے راوی ذرہ ستی آں پراتاں
اگے محمدؐ پچھے کھلیاں جماتاں !

پتوکی

ہم لاہور رکنے کی بجائے ساہیوال جانے کے لئے "پتوکی" والی سڑک پر ہو لئے۔

جب ہم پتوکی پہنچے تو رات مرغی کی طرح لوگوں، ریڑھیوں، دکانوں اور گھروں کو اپنے پروں میں لئے بیٹھی تھی۔ بڑی مشکل سے ہم نے ریسٹ ہاؤس تلاش کیا اور سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

لاہور کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں ترقی یافتہ شہری زندگی کا رنگ گہرا نمایاں ہے یہاں کے لوگ ملازمت کے لئے صبح لاہور جاتے ہیں اور شام واپس آجاتے ہیں۔ سفر کی سہولتوں کو دیکھا جائے تو پتوکی کو لاہور کے مضافات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ سبزیاں اور دودھ یہاں سے بھی لاہور بھیجا جاتا ہے۔ جو لوگ دودھ لاہور بھیجتے ہیں انہیں دودھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سو کے قریب گھر دودھیوں کے ہیں۔ عام طور پر ان کی اپنی بھینسیں نہیں ہوتیں بلکہ یہ دوسروں سے اور اردگرد کے دیہاتوں سے دودھ اکٹھا کر کے فروخت کر دیتے ہیں۔ زیادہ تر ارائیں اور ملک یہ کام کرتے ہیں۔

روحانی بزرگ۔

بابا عباس۔

آپ کے مرید دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ۶ ستمبر کو میلہ لگتا ہے۔ لوگ بھنگڑا ناچتے ہیں۔ دکانیں سجائی جاتی ہیں۔ سرکس عام طور پہ لاہور کے لوگ لاتے ہیں۔ شام کے وقت قوالی ہوتی ہے۔ میلہ آٹھ روز تک جاری رہتا ہے۔

بابا شیر شاہ ولی

بابا عباس کے عرس / میلہ کے ایک ماہ بعد بابا شیر شاہ ولی کا میلہ لگتا ہے اور تقریباً ویسا ہی ہوتا ہے۔

بابا لالن کے لال

میلہ لگتا ہے صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی

پتوکی

ماشکی

پاک پتن میں

جب ہم پاک پتن میں داخل ہوئے تو دور سے بابا فرید گنج شکر کے مزار کے گنبد پر چکر کھاتی ہوئی روشنیاں دیکھ کر ہمارے تھکے ہوئے چہرے کھِل اُٹھے۔ شہر میں پہنچے تو ایک لمبی اور نہ ختم ہونے والی قطار دیکھ کر میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا "یہ قطار کیسی ہے؟" پتہ چلا کہ یہ لوگ بہشتی دروازے میں سے گزرنے کی خواہش کے نشے میں قطار بنائے کھڑے ہیں۔ جگہ بناتے اور دھکے سہتے ہم درگاہ بازار سے گزر کر مزار پر پہنچے تو مزار عقیدت مندوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بہشتی دروازے میں سے گزرنے والے ایک دروازے سے داخل ہوتے تو ایک لمحے کے بعد دوسرے دروازے کے سامنے گرے ہوئے ملتے۔ غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ جب ایک دروازے سے آدمی داخل ہوتا ہے تو مزار کے قریب کھڑا انتظامیہ کا نمائندہ دوسرے دروازے کی طرف دھکا دے کر اسے باہر گرا دیتا ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو دیکھ کر مجھے یہ ڈر ہونے لگا کہ کہیں میں خود بھی گم نہ ہو جاؤں اور اپنے آپ کو ڈھونڈتا پھروں۔ میرے ساتھیوں کی بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی۔

ہم اے سی (A.C) کی تلاش میں باہر جانے لگے تو ایک شخص نے میرا بازو پکڑ کر پوچھا تم بہشتی دروازے میں سے گزرے ہو؟ میں نے بیچارگی سے نفی میں سر ہلایا تو وہ مجھے مزار کی طرف کھینچتے ہوئے بولا: "آؤ میں تمہیں بہشتی دروازے میں سے گزار دیتا ہوں" مگر میرے ساتھی دور کھڑے مجھے برابر آوازیں دے رہے تھے اور مجھے معلوم تھا کہ بہشتی دروازہ ابھی دو دن کھلا رہے گا۔ اس لئے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہو لیا اور انہیں بتایا کہ میں بہشتی دروازے میں سے ضرور گزروں گا کیونکہ اتنی بھیڑ اور آپا دھاپی میں مجھے بہشتی دروازے میں سے گزارنے والا شخص آخر میرا کیا لگتا تھا، میں تو اسے جانتا بھی نہیں تھا۔

پاک پتن کے بارے میں، مَیں نے جو تفصیلات لوگوں سے اکٹھی کیں۔ ان کی تفصیل درج کر دی گئی ہے۔

پاک پتن

پاک پتن ایک ٹیلے پر واقع ہے اور ساہیوال سے مشرق کی طرف تیس میل کے فاصلے پر ہے۔ دریائے ستلج چار، پانچ میل کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ پہلے یہ پاک پتن کے ساتھ ساتھ بہتا تھا مگر اب چار پانچ میل پرے ہٹ گیا ہے۔ اس پتن سے امیر تیمور، سلطان محمود غزنوی اور ابن بطوطہ نے دریائے ستلج کو عبور کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پاک پتن کئی مرتبہ اُجڑا اور آباد ہوا۔ پاک پتن کا پرانا نام "اجودھن" تھا لیکن بابا فرید کی آخری آرام گاہ ہونے کی وجہ سے شہنشاہ اکبر نے ۱۲۹۷ء میں اس کا نام پاک پتن رکھا۔

پاک پتن کی آبادی ۴۵ ہزار کے قریب ہے اور اہمیت کی بڑی وجہ بابا فرید گنج شکر کی آخری آرام گاہ ہے۔ بابا فرید جب پاکستان میں تشریف لائے تو کفر زوروں پر تھا اور جادو کی رسم عروج پر تھی۔ بابا فرید نے یہاں کے جادوگروں کو اسلام کی طرف راغب کیا۔ در اصل بابا صاحب کی شخصیت ایک ایسی متبرک تلوار کی مانند تھی جس نے کفر کی تاریکی کو کاٹ کر اسلام کی چمک اور روشنی سے پورے علاقے کو منور کیا۔ ابتدائی دور میں یہاں ہندو یعنی کھتری، برہمن، اروڑہ اور دانسی وان آباد تھے۔ مسلمان قوموں میں سیّد، چشتی اور قریشی زیادہ تعداد میں تھے۔ اس کے علاوہ وٹو، جوئیا بھی کچھ تعداد میں تھے۔ یہاں کی کھرل قوم کے بارے میں محققین نے لکھا ہے کہ انہوں نے انگریزوں سے مسلح مزاحمت کی۔

بابا فریدؒ گنج شکر

بابا فرید کے بارے میں کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اسی لئے لوگوں میں بھی وہی باتیں مشہور ہیں جو کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔ بابا صاحب کے مرید پورے پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ محققین نے بابا صاحب کا شجرۂ نسب یوں بیان کیا ہے :

۱۔ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۔ شیخ ناصرؒ۔

۴ شیخ منصورؒ۔

۵۔ شیخ سلیمانؒ اول۔

۶۔ خواجہ ادھمؒ بلخی

۷۔ خواجہ ابراہیم شاہؒ بلخ

۸۔ شیخ اسحاقؒ

۹۔ شیخ ابوالفتح واعظ اکبرؒ

۱۰۔ شیخ عبداللہ واعظ اصغرؒ

۱۱۔ شیخ مسعودؒ

۱۲۔ شیخ سلیمانؒ

۱۳۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ

۱۴ شیخ شہاب الدین احمد فرخ شاہؒ کابلی

۱۵۔ شیخ محمد یوسفؒ

بابا فرید کے مزار پر ملنگ

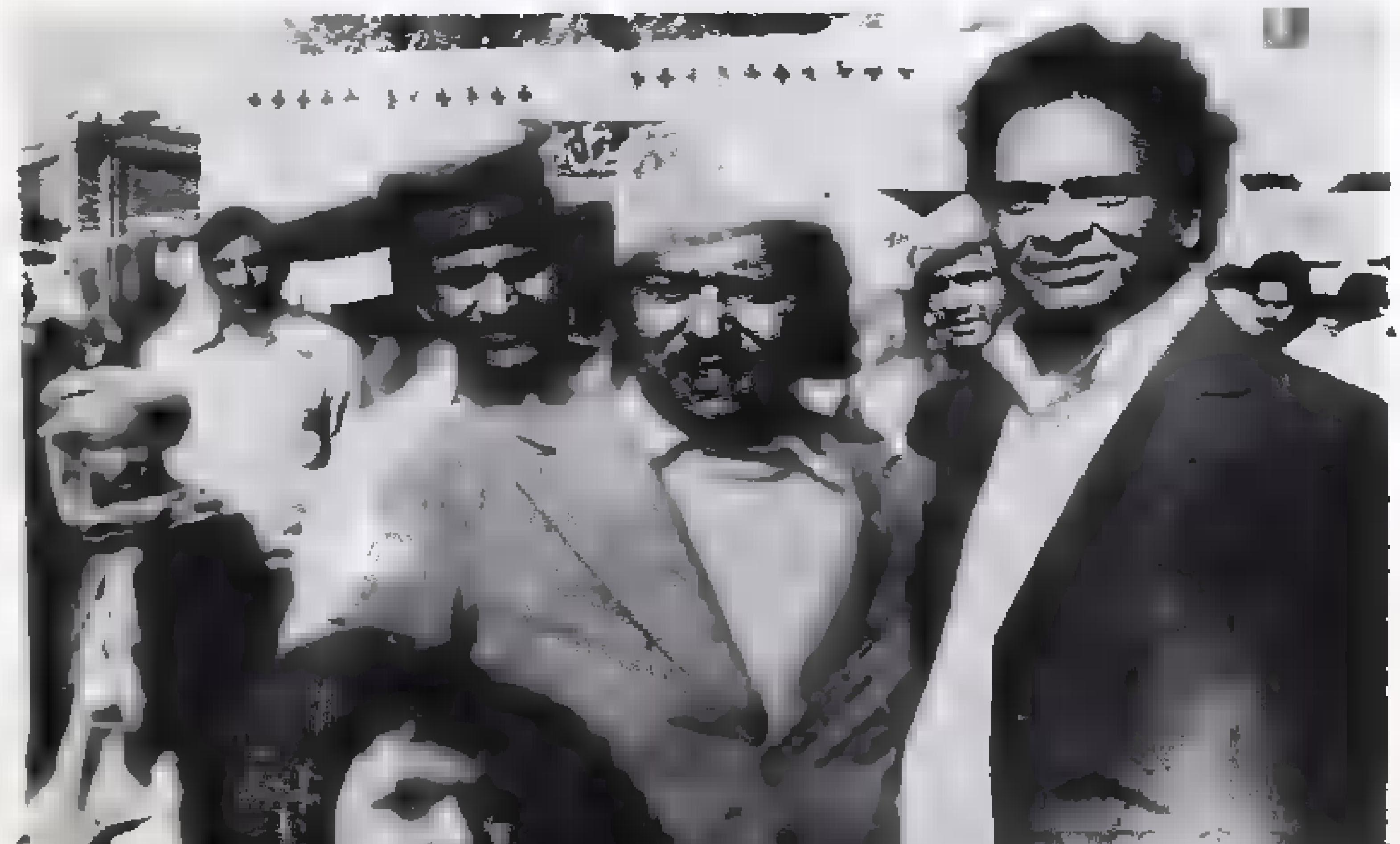

قوال

۱۶۔ شیخ محمد احمدؒ۔

۱۷۔ قاضی محمد شعیبؒ۔

۱۸۔ شیخ جمال الدین سلیمانؒ (معز الدین)۔

۱۹۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ۔

عرس / میلہ

حضرت بابا صاحب کا عرس ہر سال ۲۵ ذوالحجہ سے شروع ہو کر دس محرم تک جاری رہتا ہے اور عرس کی جو رسومات خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے اپنی موجودگی میں ادا کرائی تھیں آج تک ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

ختم خوانی کی رسوم ۲۵ ذوالحجہ سے شروع ہوتی ہیں، صبح دن چڑھے سجادہ نشین اپنے مکان سے درگاہوں کے سجادگان، مریدوں اور معززین کے ہمراہ جلوس کی شکل میں دربار پر آتے ہیں جلوس کے آگے آگے کچھ لوگ نعرے لگاتے ہیں۔ "ایک نقیب اللہ۔ محمدؐ۔ چار یار، حاجی خواجہ قطب، فرید"۔ ایک شخص گجر بجاتا ہے تاکہ لوگوں کو اطلاع ہو کہ سجادہ نشین مزار پر تشریف لا رہے ہیں۔ جب سجادہ نشین وہاں پہنچتے ہیں تو محفل سماع شروع ہو چکی ہوتی ہے لیکن آج کل یہ رسم ختم ہو چکی ہے۔ ختم و دعا کے بعد سجادہ نشین اپنے ہاتھوں سے چینی کا تبرک تقسیم کرتے ہیں۔

بہشتی دروازہ

بہشتی دروازے کے بارے میں بھی کافی تفصیلات کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔

مسلم نظامی اپنی کتاب انوار الفرید میں لکھتے ہیں۔

آپ کے روضہ منورہ کے دو دروازے ہیں ایک جانب مشرق اور دوسرا بائیں جانب جنوب جو بہشتی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس روضۂ پاک کی تعمیر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے کرائی تھی جس کی

درگاہ بازار کے سامنے عورتوں کا ہجوم

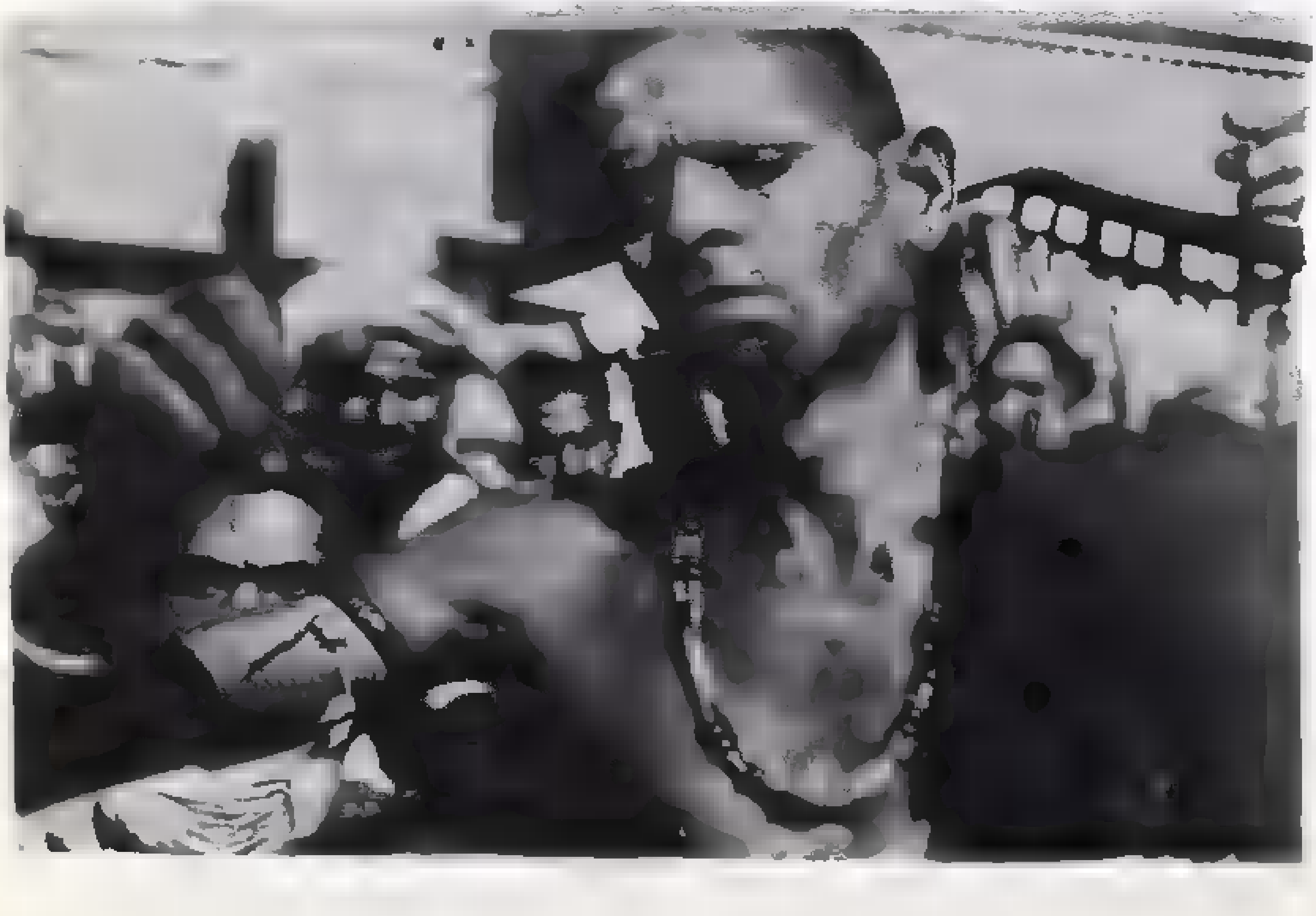

مزار کے باہر ایک ملنگ جلی ڈال رہا ہے

ہر اینٹ پر ایک قرآن پاک ختم کیا گیا ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ ہمارے خیال میں حضرت بابا صاحب کے پائیں جنتی دروازہ کا ہونا کمال اتباعِ نبویؐ کی دلیل ہے۔

بہشتی دروازہ ۵ محرم کو کھلتا ہے اور اس دروازے کو کھولنے کی بھی ایک مخصوص رسم ہے اور سجادہ نشین جلوس کی شکل میں اسے کھولنے آتے ہیں۔ اس موقعہ پر کوڈیاں پھلکے اور شکر تقسیم کرتے ہیں جس کی تفصیل تقریباً سبھی کتابوں میں آچکی ہے۔ پہلے یہ دروازہ صرف ایک دن کے لئے کھلتا تھا مگر اب تین دن تک کھلا رہتا ہے۔

محفل سماع / قوالی

کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ کے لوگ محفل سماع کے بہت شوقین تھے۔ اسی لئے حضرت بابا صاحب کے مزار پر محرم کے دنوں میں بھی محفل سماع ہوا کرتی تھی لیکن دیوان صاحبان نے اب یہ سلسلہ بند کر دیا ہے جس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ عورتیں بھی موجود ہوتی تھیں اور بہت سے لوگ صرف عورتوں کے لئے محفل سماع سننے آجاتے تھے اور ایک غلط رجحان کو فروغ مل رہا تھا۔ وہ خاص جگہ جہاں موسیقی کی محفلیں ہوا کرتی تھیں اب اسے "قرآن محل" بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اب بھی پاکستان کے مشہور اور بڑے گویئے عرس کے موقع پر بابا صاحب کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ اور قریب ہی ایک سکول میں قیام کرتے ہیں۔ جہاں موسیقی کی محفلیں جمتی ہیں۔ اب کی بار ہم نے دیکھا تو مہدی حسن اور استاد سلامت علی خان کے علاوہ بہت سے قوال اور گائیک مزار پر حاضری دینے آئے ہوئے تھے ـــــ چونکہ مزار پر قوالیوں کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس لئے آج کل شہر کے معززین کے گھروں میں سماع کی محفلیں ہوتی ہیں اور ایک آدھ محفل دیوان صاحبان کی قیام گاہ پر بھی ہوتی ہے۔ پاکستان کے تمام موسیقی سے تعلق رکھنے والے لوگ اور نامور گویئے ہر سال باقاعدگی سے

عرس کے موقعہ پر بابا صاحب کے ہاں حاضری دیتے ہیں۔ اور قوال حضرات تمام مصروفیات منسوخ کر کے عقیدت کے اظہار کے پہنچتے ہیں۔

درگاہ بازار

حضرت بابا صاحب کے مزار پر جانے کے لئے چھوٹے سے تنگ بازار سے گزرنا پڑتا ہے۔ جسے درگاہ بازار کہا جاتا ہے اس بازار میں چادریں، مکھانے، عطر، سرمہ، انگوٹھیاں، ہار، کڑے اور ایسی ہی چیزیں بکتی ہیں۔ اکثر چیزوں پر بابا فرید لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس بازار میں بکنے والی سبھی اشیاء بابا صاحب کے دربار سے تعلق رکھتی ہیں۔

سرمہ: ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں سرمہ بہت بکتا ہے۔ جب لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو کوئی خاص روایت سامنے نہ آئی بلکہ آنکھوں کی بینائی اور نور کے حوالے سے صوفیاء کرام کا ذکر سننے میں آیا۔

عطر: ایک اہم بات یہ ہے کہ یہاں جو عطر فروخت ہوتا ہے۔ اس کی اپنی ایک منفرد خوشبو ہے اور کسی دوسرے دربار یا جگہ فروخت نہیں ہوتا اور نہ ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بابا صاحب کے دربار کا خاص عطر ہے۔

عقیدت: حضرت بابا صاحب سے لوگوں کی عقیدت بیان سے باہر ہے۔

لوگ "فرید" "فرید" پکارتے بھاگتے، ناچتے دربار پر آتے ہیں۔ جب بہشتی دروازہ کھلتا ہے تو لائن کا آخری سرا تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ شہر کے اندر سے آنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ بہشتی دروازے میں سے گزرنے والوں کی قطار کا آخری سرا شہر میں ہے۔ اس ٹیڑھی میڑھی قطار کو ماپا جائے تو تقریباً ایک میل کا فاصلہ بنتا ہے اور لوگ گھنٹوں ننگے پاؤں قطار میں کھڑے رہتے ہیں اس قطار میں بلوچ، پٹھان، پنجابی اور سندھی سبھی عقیدت سے سرشار چہرے لئے اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں جس شخص کو قطار میں کھڑا ہونے کی جگہ مل جاتی ہے وہ اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت

تصوّر کرتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے زیادہ لوگ کراچی سے آتے ہیں۔ عرس کے دنوں میں اتنے زیادہ لوگ جمع ہو جاتے ہیں کہ انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اس دروازہ میں سے گزرنے والا "جنتی" ہو جاتا ہے۔

ایک محقق سے ملاقات

یوں تو بابا صاحب پر کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن خواجہ مسلم نظامی کی کتاب الزار العزیز المعروف تاریخ فریدی مستند تسلیم کی جاتی ہے۔ جب مسلم نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا، بعض محققین نے لکھا ہے کہ بلبن نے اپنی بیٹی حضرت بابا صاحب کے نکاح میں دے دی تھی تو مسلم نظامی نے اسے غلط قرار دیا۔

بودلے

پاک پتن کے بیرونی حصے میں بودلہ فارم ہے۔ یہاں کے رہنے والے لوگ بودلے کہلاتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق بودلہ لفظ "بوئے دل" کا غلط العام ہے۔ بودلے اپنے آپ کو چشتی قریشی / صدیقی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ابوبکر صدیق رضؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کی نسل میں سے ہیں۔ یہ لوگ ۱۹۴۷ء میں تبادلہ آبادی کے تحت فیروز پور سے ہجرت کر کے پاک پتن میں آباد ہوئے۔ مردوں کا لباس عام شلوار قمیض ہے جبکہ عورتیں روایتی گھگھرا پہنتی ہیں۔ بودلوں کی شہرت کی وجہ باؤلے کتّے کے کاٹنے کا دم ہے۔ اُن کے آباؤ اجداد بھی یہ دم کرنے میں کمال شہرت رکھتے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ سلسلہ کیسے اور کہاں سے شروع ہوا تو محمد اکرم بودلہ جو کہ خود بھی باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے آدمی کو دم کرنا جانتے ہیں نے بتایا کہ ان کے بزرگ شیخ شہاب الملک کسی پیر کے مرید تھے جو ہر وقت اپنے پیر کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ اُن کے پیر بھی اپنے مرید سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ پیر رات کو عبادت کے لئے وضو کرنے لگے کہ ان کے دل میں

خیال آیا کتنا اچھا ہو اگر انہیں وضو کرنے کے لئے گرم پانی مل جاتے۔ اس خیال کا آنا ہی تھا کہ مرید شیخ شہاب الملک نے گرم پانی حاضر کردیا۔ پیر خوش ہوا اور بولا۔ تم تو دل کی ہر بات بوجھ لیتے ہو۔ اور پھر مرید کو اسی نسبت سے "بوئے دل" کا خطاب دیا۔ بودلوں کا خیال ہے کہ باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے آدمی کو دم کرنے کا سلسلہ ان کے بزرگ شیخ شہاب الملک سے ہی شروع ہوا۔

اذن

اس دم کا باقاعدہ اذن دیا جاتا ہے لیکن خاندان سے باہر اذن دینے کا حکم نہیں — اذن کے لئے ایک دن مخصوص ہے۔ ماہِ رمضان کی ستائیسویں کو اگر جمعرات پڑے تو ہی کسی کو اذن دیا جا سکتا ہے۔

دم کرنے کا طریقہ

جب کسی شخص کو باؤلا کتا کاٹ لے تو اسے جلد از جلد بودلوں کے پاس لایا جاتا ہے اور ساتھ ہی دم کرنے کو مٹی کے گیلیلے دیئے جاتے ہیں۔ قریب کے جتنے بھی بچے اور نوجوان مریض کو دیکھ کر جمع ہو جاتے ہیں انہیں مریض کے گرد ایک دائرے کی شکل میں بٹھا دیا جاتا ہے اور دم کرنے والا ایک ایک گیلیلے پر کچھ پڑھ کر بچوں کو پکڑاتا جاتا ہے پھر ایک بچہ دوسرے کو اور دوسرا تیسرے کو یہ گیلیلہ پکڑا دیتا ہے اور پھر آخری بچہ اسے پرے رکھ دیتا ہے۔ پھر دوسرا گیلیلا اسی طرح سب ہاتھوں میں جاتا ہے۔ پھر تیسرا، اور یہ سلسلہ سات گیلیلوں تک جاری رہتا ہے۔ جب یہ پوچھا گیا کہ کیا قرآن کی کوئی سورت یا آیت پڑھ کر یہ دم کیا جاتا ہے تو بودلوں نے بتانے میں تامل سے کام لیا اور پھر اصرار پر اتنا بتایا کہ سورت بقر کی ایک آیت پڑھی جاتی ہے۔ آج کل بودلوں میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو یہ دم کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب بہت کم لوگ

یہ دم کرانے آتے ہیں کیونکہ زیادہ تر لوگ ڈاکٹر کے پاس چلے جاتے ہیں۔ اکرم بودلہ نے بتایا کہ پچھلے سال میں نے صرف ایک شخص کو دم کیا تھا۔ سوال کیا گیا کہ کیا وہ شخص مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا تھا تو اس نے بتایا کہ اسے ابھی اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ پرانے وقتوں میں جب علاج معالجے کی سہولتیں پوری طرح دستیاب نہ تھیں تو اکثر لوگ کتے کے کاٹے کا دم کرانے ان کے بزرگوں کے پاس آیا کرتے تھے بلکہ جب کسی شخص پر باؤلے کتے کا زہر عود کر آتا تھا تو وہ تیزی سے بودلوں کے پاس لایا جاتا تھا اور جب اس شخص کو چھوڑا جاتا تو وہ تیزی سے دم کرنے والے بزرگ کی طرف بھاگتا تھا اور وہ اس پر تھوک پھینکتے تھے جس کے اس پر گرتے ہی وہ یک دم رک جاتا تھا اور پھر دم کا عمل شروع ہوتا تھا لیکن اگر بزرگ یہ محسوس کرتے کہ مریض کا بچنا محال ہے تو وہ اس پر نیلے رنگ کا کپڑا ڈال دیتے تھے جس سے وہ جلد ہی ابدی نیند سو جاتا۔

دم کرنے والے کا پتا

محمد اکرم بودلہ، بودلہ فارم، پاک پتن ضلع ساہیوال۔

سخی غلام قادر / چن پیر

پاک پتن ہی میں حضرت بابا فرید کے مزار سے دو تین میل کے فاصلے پر دو روحانی شخصیتوں سخی غلام قادر اور چن پیر کے مزار قریب قریب ہیں۔ آپ دونوں قادری سلسلہ کے ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاندان میں روحانی سلسلہ کی ابتدا باقاعدہ طور پر سخی غلام قادر سے شروع ہوتی ہے۔

سخی غلام قادر

سخی غلام قادر ملنگوں سے نہ صرف محبت کرتے بلکہ صوفیانہ مسلک کے ملنگ سلسلہ کے

چن پیر

سخی غلام قادر کے مزار پر ایک ملنگ

رنگ میں رنگے ہوئے تھے لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ "مست" تھے جو صوفیانہ مسلک کا ایک منفرد رنگ ہے۔ آج کل بھی آپ کے مزار پر ملنگوں کی اتنی تعداد موجود رہتی ہے جو اور کسی مزار پر دکھائی نہیں دیتی۔ قریب ہی ایک درخت کے نیچے ملنگوں کا ڈیرا ہے جہاں "مچ" لگا رہتا ہے جب ہم مزار پر پہنچے تو مچ کے گرد بہت سے ملنگ بیٹھے ہوئے تھے جنہوں نے لوہے کے کڑے اور بیڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کا جسم ننگا تھا اور لوہے کے کنگنوں اور زنجیروں میں چھپا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "آپ نے اتنا لوہا کیوں پہن رکھا ہے"؟

[redacted] بولا۔ "میں قیدی ہوں"۔

"کس کا"؟ میں نے پوچھا۔

"سخی قادر کا"۔ اس نے جواب دیا۔

"کب سے"؟

"معلوم نہیں۔ جب میں ہوش میں آیا تو قیدی ہی تھا"۔

اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کوئی مٹھائی قسم کی چیز میری طرف بڑھائی جسے میں نے مٹھی میں بھینچ لیا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ "روٹی کہاں سے کھاتے ہو"؟

بولا۔ "کہیں سے آجاتی ہے۔ کبھی دائیں طرف سے، کبھی بائیں طرف سے کبھی اوپر سے سخی دیتا ہے"۔

میں نے کہا۔ "سخی اللہ سے دلاتا ہوگا"۔

اس نے گھوم کر دربار کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اللہ سے ہی دلاتا ہوگا لیکن میں نے خود اللہ کو بھی یہاں مانگتے دیکھا ہے"۔

میں نے چونک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا لیکن وہ بڑے اعتماد اور سچائی سے سخی کے مزار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی یہ بات سن کر میرے اندر سوال کرنے کی جرات نہ رہی۔ حوصلہ کر کے میں

نے اس سے پوچھا۔

"اگر تم لوہے کی زنجیریں، کنگن اور بیڑیاں نہ پہنو تو کیا تم سخی کی قید سے رہا ہو جاؤ گے اور اسے ماننا چھوڑ دو گے؟"

کہنے لگا "لوہا تو تمہیں نظر آتا ہے میرے لئے تو یہ دھاگا ہے، کچا دھاگا جس سے میں نے اپنے جسم کو باندھ رکھا ہے، جسم بھاگتا ہے میں اسے ان زنجیروں سے باندھ کر رکھتا ہوں۔ پہلے میں نے سوا سیر لوہا پہنا تھا پھر ایک دن مجھے لگا جیسے اس کا تو کوئی وزن ہی نہیں، میں نے اور لوہا پہن لیا اور آج کل میں نے سوا من لوہا پہنا ہوا ہے لیکن لگتا ہے جیسے وزن ایک چھٹانک بھی نہیں"۔ اس نے دوسرے ملنگ کی طرف اشارہ کیا "یہ بھی قیدی ہو گیا ہے سخی کا۔ ابھی کم لوہا پہنا ہے اس نے، اور پہن لے گا"۔ سب ملنگوں نے ایک ساتھ سخی کا نعرہ بلند کیا اور ان میں سے ایک ملنگ اُٹھ کر مستی میں ناچنے لگا۔

ان ملنگوں میں ایک عورت بھی تھی جو چپ بیٹھی حقہ پی رہی تھی میں نے اس سے پوچھا "اماں! آپ کب سے سخی کے دربار پر آئی ہیں؟" پہلے تو وہ کچھ دیر چپ چاپ میری طرف دیکھتی رہی پھر حقہ کی نے دوسرے ملنگ کی طرف کرتے ہوئے بولی۔

"اکھ پٹی تے ایتھاں ای ساں ــــــــــــ سخی نوں قبول وسیوے تے..."

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اور لمبی چپ میں ڈوب گئی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا کہ وہ کچھ بولے لیکن پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ سب ہماری موجودگی سے بیزار ہونے لگے تھے۔ میں وہاں سے اٹھا اور ذرا پرے ایک دکاندار سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے مجھے بتایا کہ روایت مشہور ہے کہ سخی قادر شراب پینے کے عادی تھے۔ جب وہ پاک پتن تشریف لائے تو حضرت بابا فرید وصال فرما چکے تھے۔ سخی غلام قادر پاک پتن آئے تو دیوان صاحبان نے انکی شراب نوشی سے تنگ آ کر شراب اور نشے کی تمام دکانیں بند کرا دیں۔ آپ نے ملنگوں سے شراب لانے کے لئے کہا تو انہوں نے بتایا کہ تمام دکانیں بند کرا دی گئی ہیں۔ پاک پتن میں ایک کنواں تھا۔ سخی نے ملنگوں

سے کہا جاؤ اور وہ کنواں چلاؤ۔ روایت میں ذکر آتا ہے کہ جب وہ کنواں چلایا گیا تو پانی کی بجائے شراب نکلنے لگی۔ یہاں تک کہ پاک پتن کے لوگوں نے دیوان صاحب کے ہاں جاکر واویلا مچایا کہ آپ نے سخی قادر کے لئے شراب کی دکانیں تو بند کرادیں لیکن اب تو شہر کے سب لوگوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں کنوئیں سے پانی کی بجائے شراب مل رہی ہے۔ دیوان صاحبان حضرت سخی قادر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی طلب کی۔

سخی غلام قادر کا میلہ بھی چن پیر کے میلے کے ساتھ ہی چیتر کی ۱۲ کو شروع ہوتا ہے۔ دراصل یہ دونوں روحانی شخصیتوں کا اکٹھا میلہ ہے جسے میلہ چن پیر کہا جاتا ہے۔ اس میلے پر تھیٹر، سرکس اور مجرا بھی ہوتا ہے۔

سخی قادر کے مزار پر حاضری کے کافی عرصہ بعد تک بھی سخی کے مزار پر بیٹھے ملنگ کی باتیں میرا پیچھا کرتی رہیں اور میں سوالوں کی سولی پر لٹکا رہا۔ میں اس بات کا تجزیہ کرنا چاہتا تھا کہ سخی کے ملنگ نے یہ کیوں کہا کہ میں نے خدا کو بھی یہاں روٹی مانگتے دیکھا ہے۔ اس بیان نے دراصل مجھے اندر سے ہلاکر رکھ دیا تھا اور میں ایک بار پھر مختلف اولیاء اللہ اور صوفیاء کی زندگی کے مطالعہ میں ڈوب گیا ——— آخر کار میں نے ایک طویل ذہنی سفر کے بعد نتیجہ نکالا کہ چونکہ وہ صوفی جو وحدت الوجود کے قائل ہیں اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہر چیز میں موجود ہے اور سخی قادر کے مزار پر بیٹھا ہوا ملنگ چاہے علمی سطح پر وحدت الوجود کا تجزیہ نہ جانتا ہو لیکن روحانی طور پر اسی مسلک سے وابستہ ہوگا۔ لہٰذا اسے جب کبھی بھی کوئی خستہ حال نیک دل فقیر وہاں سخی کے مزار پر کشکول لئے بھوک سے نڈھال اِدھر اُدھر پھرتا نظر آتا ہوگا تو چونکہ "وحدت الوجود" کے قائل صوفی کہتے ہیں ہر چیز میں اللہ موجود ہے، اس لئے اس ملنگ کو بھی روٹی مانگنے والے فقیر میں اللہ نظر آتا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے تو خدا کو بھی یہاں روٹی مانگتے دیکھا ہے۔

چن پیر

آپ بھی قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور سخی غلام قادر کے خاندان میں سے ہیں آپ کا سلسلہ نسب غوث پاک سے ملتا ہے۔ آپ کا ایک میلہ (عرس) لاہور میں بھی ہوتا ہے جہاں آپ کی ہمشیرہ رہائش پذیر ہیں جو آج کل گدی نشین بھی ہیں۔

روایت ہے کہ چن پیر جو بات بھی کہہ دیتے تھے پوری ہو جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ بہت صاحبِ کرامات تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے ایک بزرگ سید اصغر علی کے ہمراہ سفر کر رہے تھے کہ گاڑی ایک سٹیشن پر رُکی ان کے بزرگ نے گاڑی سے اتر کر نماز نیت لی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی چل پڑی۔ آپ نے اپنے بزرگ کی طرف دیکھا جو اطمینان سے نماز پڑھ رہے تھے اور پھر گاڑی کی طرف دیکھا۔ گاڑی کچھ دور جا کر رک گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ پلیٹ فارم پر کوئی نماز پڑھ رہا ہے۔ ڈرائیور نے گاڑی چلانے کی بہت کوشش کی لیکن جب تک چن پیر اور ان کے بزرگ سید اصغر علی گاڑی میں بیٹھ نہ گئے گاڑی نہ چلی۔

آپ مسلم لیگی تھے اور روایت ہے کہ کانگرس کی حمایت نہ کرنے پر ایک بار انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ جیل کی دیواریں ہل گئیں۔ کہتے ہیں کہ پاک پتن جیل کے پاس کی دیوار آج تک بار بار تعمیر کی جاتی ہے مگر جب وہ موقعہ آتا ہے جب آپ کو گرفتار کیا گیا تھا تو گر جاتی ہے۔

آپ نے جوانی کی عمر میں وفات پائی۔ اپنے مزار کی بنیاد خود اپنی زندگی میں رکھی۔ آپ کا عرس (میلہ) ۱۳ چیتر کو ایک کھلے میدان میں ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ اوقاف نے آپ کے مزار کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن تالا نہ کھل سکا اس لئے یہ مزار اب تک اوقاف کی تحویل میں نہیں آسکا۔

پاک پتن: صوفیانہ مسلک کی تجدید

پاک پتن کی میرے نزدیک سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہاں پاکستان بھر کے گدی نشینوں اور مذہبی بزرگوں کا اکٹھ ہوتا ہے۔ میرے خیال میں پاک پتن کو صوفی ازم کے نئے رجحانات کا مطالعہ کرنے کے لئے مرکز کہا جا سکتا ہے۔ حضرت بابا صاحب کے عرس (میلہ) کے موقع پر میری ملاقات بہت سے ایسے لوگوں سے ہوئی جو کہ اپنے ماننے والوں اور مریدوں کے ہمراہ دور دور سے آکر عرس (میلہ) کی تقریبات اور رسوم میں شریک تھے۔ بلکہ یہاں ڈیرے لگائے جاتے ہیں اور گدی نشین اور روحانی مسلک کے لوگ کئی کئی دن قیام کرتے ہیں۔ مثلاً میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پیر سبز علی شاہ کے ڈیرے پر بھی گیا جو حضرت بابا فرید کے عرس کی رسومات میں شرکت کے لئے اپنے مریدوں کے ہمراہ آئے ہوئے تھے۔ پیر سبز علی شاہ کی عمر کوئی ۴۰ کے لگ بھگ ہوگی میں نے آپ کے ایک مرید سے پوچھا۔

"آپ ان کے مرید کیسے ہوئے؟"

بولا۔ پیر صاحب ایک سرکاری افسر کے بیٹے ہیں، بی اے کر رکھا ہے۔ خود بھی انکم ٹیکس کے محکمہ میں ملازم تھے لیکن آپ نے سب کچھ چھوڑ کر درویشی کی زندگی کو پسند کر لیا۔ آپ کی دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ پھر اس نے مجھ سے سوال کیا۔

تم نے پیر صاحب کے چہرے پر نور دیکھا ہے۔

میں نے پیر صاحب کی طرف دیکھا جو گھاس پھونس پر ایک کونے میں مریدوں میں گھرے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے خیال میں اس وقت پچاس ساٹھ کے قریب لوگ پیر سبز علی شاہ کے ڈیرے پر عقیدت کا مزا لے رہے تھے۔ ایک شخص جو پٹھان تھا، میں نے اس سے پوچھا۔ آپ بھی پیر صاحب کے مرید ہیں؟ کہنے لگا میں پیر سبز علی شاہ کو گذشتہ تین سال سے دیکھ رہا ہوں میں بابا فرید کے عرس (میلہ) پر باقاعدگی سے ہر سال آتا ہوں۔ پہلے سال میں نے پیر سبز علی شاہ کو دور

پاک پتن میں ملنگ

سے دیکھا۔ دوسرے سال قریب بیٹھ کر چلا گیا اور اب اس سال جب وہ آئے ہیں ان کے قریب ہی ہوں۔ کوئی چیز خود بخود کھینچ کر ان کے قریب لے آئی ہے۔

اسی طرح اور بہت سے روحانی (صوفی) قسم کے لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ روحانی اور صوفیانہ مسلک نوجوان لوگوں میں تجدید اور ارتقا کے عمل سے گزر رہا ہے اور بہت پڑھے لکھے اور مکتبی علم حاصل کئے ہوئے نوجوان بھی اس عمل کا حصہ ہیں یعنی ایک شخص نے مجھے بتایا کہ وہ ایک بنک میں اچھے عہدے پر فائز ہے اور اس کے کئی ساتھی بھی پیر سبز علی شاہ کے مرید ہیں۔ اسی طرح تونسہ شریف اور دوسرے صوفی سلسلوں کے لوگ حضرت بابا فرید سے عقیدت کے باعث یہاں جمع ہوتے ہیں اور ان کی STUDY کرنے کا بہترین موقع ہوتا ہے۔

پاک پتن کے علاقے میں جن باتوں پر تحقیق کی جانی چاہیئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ زندہ صوفی/روحانی لوگ۔ اور صوفی ازم کی سُنی ہوئی روایات۔

۲۔ پاکستان کے موسیقاروں اور گانے والوں کی حضرت بابا فرید سے عقیدت۔

۳۔ چشتیہ سلسلہ اور قوالی کی روایت۔

۴۔ سخی غلام قادر کے مزار پر ملنگوں کا اجتماع۔ لوہا پہننے والے ملنگ اور ان کا عقیدہ۔

۵۔ یہاں "کھوجی" ہوتے ہیں جن پر ریسرچ کی جا سکتی ہے۔

ملکہ ہانس

ملکہ ہانس پاک پتن سے گیارہ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں وہ قدیم مسجد ہے جس کے حجرے میں بیٹھ کر وارث شاہ نے ہیر لکھی تھی۔ عکسی مفتی نے تجویز کیا کہ یہاں ہر سال ہیر گانے کی محفل ہونی چاہیئے اور پاکستان کے تمام حصوں سے ہیر گانے والوں کو مدعو کرنا چاہیئے

قبولہ، ضلع ساہیوال

قبولہ عارف والا سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک تاریخی اور قدیم چھوٹا سا شہر ہے۔ روایت ہے کہ اس کا نام ایک شخص مقبول کے نام کا غلط العام ہے کیونکہ یہ شہر بار بار زمین میں دھنس جاتا تھا لہذا مقبول نامی شخص کو اس کی بنیادوں میں رکھا گیا اور اس کے بعد یہ شہر کھڑا ہو گیا جب بعض لوگوں سے پوچھا گیا کہ مقبول کو زندہ یا مردہ اس شہر کی بنیادوں میں رکھا گیا، تو لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، کہا جاتا ہے کہ اس شہر میں بہت سے قلعے تھے جن میں ایک اب بھی خستہ حالت میں موجود ہے۔ پہلوان نامی ایک بزرگ نے بتایا کہ یہاں کسی وقت راجا عدلی کی حکمرانی تھی یہ قلعے راجہ عدلی کی ملکیت تھے۔ روایت ہے کہ جب رانجھا ہیر کو بھگا کر لے جا رہا تھا تو یہاں سے گزرتے ہوئے راجہ عدلی کے لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور راجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ راجہ نے ہیر کو اس کے وارثوں کے حوالے کر دیا۔ ہیر نے غصے میں آکر کہا۔ "راجہ! تیرے شہر کو آگ کیوں نہیں لگ جاتی"۔ (ایک روایت ہے کہ رانجھے نے کہا تھا) کہتے ہیں شہر میں آگ بھڑک اٹھی، لوگ گھبرا کر باھر نکل آئے اور ہیر کو رانجھے کے حوالے کر دیا۔ تو رانجھے نے کہا آگ سلگتی رہے گی لیکن نقصان نہیں ہوگا۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ آج تک گلیوں اور محلوں میں روڑیاں سلگتی رہتی ہیں۔ دھواں اٹھتا رہتا ہے، حتیٰ کہ بارش میں بھی مگر نقصان کبھی نہیں ہوا۔

بابا محسن شاہ۔

یہاں بابا محسن شاہ کا مزار ہے کہا جاتا ہے کہ آپ غوث پاک کی لڑی میں سے ہیں گیلانی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب آپ کی اولاد میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو جہاں اسے نہلایا جاتا ہے وہاں ریت ڈال کر چراغ جلا دیا جاتا ہے۔ دیئے کی لو کچھ دیر ٹمٹماتی ہے اور پھر مرنے

والے کے قدم کا نشان ریت پر ثبت ہو جاتا ہے۔ روایت ہے کہ آپ کو یہ بشارت ہوئی تھی کہ جو بھی تیری اولاد میں اصل اور سچا ہوگا اس کے قدم کا نشان ثبت ہوا کرے گا۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا بلکہ پہلوان نامی شخص نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا۔ مگر اب یہ سلسلہ بند ہو گیا ہے۔

کرامات۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بازی گر (جادوگر) شیخوپورہ سے اڑتا ہوا آیا اس نے کمر سے چھاج باندھ رکھا تھا مگر یہاں آکر بابا محسن شاہ کی روحانی طاقت کی تاب نہ لا سکا اور گر پڑا۔ پہلے اس کی قبر سیدھی تھی کیونکہ اسے کھڑے کھڑے دفن کیا گیا تھا مگر اب عام قبروں کی طرح بنا دی گئی ہے۔ بازی گر اور کچھ "پکھی واس" اب بھی یہاں آکر اس کی قبر کے نزدیک قیام کرتے ہیں اور عقیدت کے اظہار کے طور پر چھوٹا سا میلہ لگاتے ہیں۔

چھ سال پہلے بابا محسن شاہ کے مزار پر بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ ماہ رمضان کی ۲۶ اور ۲۷ کو ان کے مرید دور دور سے میلہ میں شرکت کے لئے آتے تھے لیکن اب یہ میلہ بند ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ گدی نشین محسوس کرتے ہیں کہ میلہ ہوتا رہا تو مزار محکمہ اوقاف اپنی تحویل میں لے لے گا۔

پیر محمد شفیع

آپ کا میلہ (عرس) ہر مگھر کی ۳ تاریخ کو ہوتا ہے۔ سرکس، تھیٹر اور دکانیں بھی لگتی ہیں۔ قوالی بھی ہوتی ہے۔

بابا احمد دینؒ (موچی)۔

آپ کا میلہ نہیں ہوتا مگر عقیدت مند قرآن ختم کراتے ہیں اور فقیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

قبولے کا بازار

تاریخی مسجد

یہاں ایک بہت پرانی اور تاریخی مسجد ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے اکبر بادشاہ نے بنوایا تھا۔

ہیر پڑھنے کی روایت

قبولہ میں ہیر پڑھنے کی روایت بہت پرانی ہے۔ یہاں آج کل بھی محفلیں جمتی ہیں۔ ایک شخص ہیر گاتا اور دوسرے سنتے ہیں۔ اس روایت کا تعلق ہیر رانجھے کے اس واقعہ سے ہے جب وہ قبولہ سے گزرتے تھے اور راجہ عدلی کے آدمیوں نے انہیں پکڑ لیا تھا۔ میں نے یہ جاننے کے بعد کہ قبولہ میں ہیر گانے کی روایت موجود ہے ایک شخص نذر محمد سے کہا ہیر سناؤ تو وہ یکدم تیار ہو گیا اور ایک کان پر ہاتھ رکھ کر ہیر گانے لگا۔ بعد میں اس سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی پیشہ ور گانے والا نہیں بلکہ گھوڑوں کو نعل لگانے کا کام کرتا ہے۔

قومیں اور پیشے

یہاں زیادہ آرائیں اور شیخ آباد ہیں۔ گندم کافی ہوتی ہے۔ لوگ زیادہ تر تاجر ہیں۔

منڈی چشتیاں

منڈی چشتیاں کے دو حصے ہیں ایک حصہ آبادکاروں پر مشتمل ہے اور دوسرا وہ جہاں یہاں کے اصل باشندے رہائش پذیر ہیں اور جسے پرانی منڈی چشتیاں کہا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی منڈی ہے۔ منڈی چشتیاں ابتدا میں ریگستانی علاقہ تھا لیکن ۱۹۳۲ء میں پنجاب کے مختلف حصوں سے لوگوں کو یہاں آباد کیا گیا اور پھر آہستہ آہستہ ان آبادکاروں نے زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔

مزار خواجہ نور محمد مہاروی

یہاں کھرل، جویا، آرائیں۔ بھڈیرے، راجپوت، پٹھان اور چشتی آباد ہیں۔

منڈی چشتیاں کی سب سے بڑی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خواجہ نور محمد مہاڑوی چشتی کی آخری آرام گاہ ہے اور اسی نسبت سے اسے منڈی چشتیاں کہا جاتا ہے۔ خواجہ نور محمد مہاروی کے بارے میں تفصیلات اکثر کتابوں میں آچکی ہیں۔ آپ کا عرس ۳ ذوالحجہ کو ہوتا ہے اور دور دور سے آکر لوگ شرکت کرتے ہیں۔

ہارون آباد

نواب ہارون کے نام سے منسوب ہے یہاں "قبراں والے" روڈ پر بابا مشتاق شاہ کا مزار ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ ہارون آباد کا پہلا نام بدرو والا تھا لیکن بعد میں تبدیل کر کے نواب ہارون کے نام پر رکھ دیا گیا۔

سیورام

یہاں ایک فقیر قسم کا آدمی سیورام بانسری بجانے میں کمال رکھتا ہے۔ روایت ہے کہ اسے بانسری بجانے سے منع کر دیا گیا کیونکہ اس کی بانسری میں اس قدر تاثیر ہے کہ جب وہ بانسری بجاتا ہے تو لڑکیاں بے خود ہو کر گھروں سے نکل کر اس کی بانسری سننے آجاتی ہیں اسی لئے لوگ اسے بانسری بجانے سے روکتے ہیں۔

دریاؤں کے خشک پاٹ

ہر دریا کا کسی نہ کسی علاقے میں خشک پاٹ ضرور ہوتا ہے جہاں موسم کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کبھی پانی کا ریلا آجاتا اور کبھی پھر خشک ہو جاتا ہے۔ مظفر گڑھ سے ڈیرہ غازی خان جاتے ہوئے سندھ کا خشک پاٹ عبور کریں تو عام راستے سے فاصلہ آدھا رہ جاتا ہے یہاں ایک جگہ کشتیوں کا پل

ستلج کے پاٹ میں ایک جھونپڑی

پکھی واسوں کی جھونپڑی

بھی ہے جسے غازی گھاٹ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح پاک پتن سے راستہ منڈی چشتیاں فورٹ عباس جاتے ہوئے ستلج کا خشک پاٹ پڑتا ہے۔ دریاؤں کے یہ خشک پاٹ لوک ورثے کی تحقیق کے نقطۂ نظر سے بڑی اہم جگہیں ہیں۔ یہاں لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ ہر دریا کے خشک پاٹ میں ایک الگ قسم کی جھونپڑی ملتی ہے مثلاً ستلج کے خشک پاٹ میں جوگی اور بچھی واس ملتے ہیں جن کی جھونپڑیاں الگ الگ طرز کی ہیں۔ جوگی کپڑے کے ٹکڑوں سے بنی ہوئی چھوٹی جھونپڑی بناتے ہیں۔ جبکہ بچھی واس ذرا بڑی اور ریت میں اگنے والے گھاس پھونس سے جھونپڑیاں ترتیب دیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے تجویز کیا کہ ایک منصوبہ بنایا جائے جس کے تحت جھونپڑی میں رہنے والے اور خاص طور پہ دریاؤں کے خشک حصوں میں جھونپڑی لگا کر رہنے والوں پر تحقیقی کام کیا جائے۔

چولستان

چولستان "چیلستان" کا غلط العام ہے، جس کا مطلب ریت ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق چولستان تیرہ ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ چولستان کو "روہی" بھی کہا جاتا ہے اور اسی حوالے سے یہاں رہنے والوں کو روہیلے پکارا جاتا ہے۔ یہاں رہنے والوں کی اپنی مخصوص روایات اور رسم و رواج ہیں۔ یہ لوگ مشکل اور سخت زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں بھیڑ بکری اونٹ اور گائے پالتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

بہت سے مورخین نے لکھا ہے کہ کبھی چولستان میں چھوٹے بڑے کئی شہر آباد تھے اور دریائے ہاکڑا اس کے درمیان سے گزرتا تھا جسے چولستان میں رہنے والے کچھ بزرگ گھاگرہ بھی کہتے ہیں اس دریا کی گزرگاہ کو اب بھی چولستان کے سینے پر الگ پہچانا جا سکتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ واقعی کبھی یہاں جوان اور کناروں تک بھرا ہوا دریا بہتا ہوگا۔ لوگوں میں اس دریا کے خشک ہو جانے کے بارے میں زیادہ کہانیاں مشہور نہیں بلکہ عام طور پر تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ انہیں معلوم نہیں یہ دریا کب خشک ہوا۔ ایک بوڑھے شخص نے جو ریت کے ٹیلے پر الگ تھلگ بیٹھا تھا۔ دریا کے خشک ہو جانے کے بارے میں میرے سوال کے جواب میں کہا "دریا کو حکم ملا تھا کہ یہ راستہ چھوڑ دو"

میں نے پوچھا: "کس کا حکم"؟

بوڑھے شخص نے خلا میں گھورا اور بولا "حکم تو وہی دے سکتا ہے جس میں طاقت ہوتی ہے"۔

میں نے پوچھا "ایسا حکم کیوں دیا گیا"؟

اس نے چھڑی ریت میں دباتے ہوئے کہا "میرے دادا نے کہا تھا دریا یہاں کے رہنے والوں سے روٹھ گیا تھا۔ اسے اس لڑکی کی موت کا غم کھا گیا جس نے ظالموں سے پناہ لینے کے لئے اس میں چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے ایک لڑکی کی خاطر ان سب لڑکیوں کے بین کی بھی پرواہ نہ کی جو اس کی خاطر بال کھولے بین کر رہی تھیں۔ کہتے ہیں جب روز بروز دریا جگہ خالی کر رہا تھا تو ڈھور ڈنگر اس سے التجائیں کرتے تھے۔ ایک بھیڑ نے اس کے کنارے بلک بلک کر جان دے دی تھی مگر دریا نے اس قربانی کو قبول نہ کیا"۔

بابا یہاں تک آکر چپ ہو گیا۔ میں نے بے چینی سے پوچھا "پھر کیا ہوا بابا"؟

"مجھے معلوم نہیں" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور اٹھ کر اپنے مال کی طرف بڑھنے لگا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور منت کی کہ وہ کچھ اور بتائے مگر اسے تو چپ لگ گئی تھی۔ باوجود شدید اصرار کے اس نے کچھ نہیں بتایا۔ آخر میں میں نے اس کا نام پوچھا تو وہ ڈر گیا اور ٹیپ ریکارڈر کی طرف دیکھ کر بولا "جاؤ سائیں! جو معلوم تھا بتا دیا"۔ میں ضد کر ہی رہا تھا کہ جیپ کا ہارن زور زور سے بجا اور میں گھنٹی پر لگے ہوئے کتے کی طرح جیپ کی طرف بھاگا جہاں میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے تھے۔ پھر میں نے چولستان کے ہر علاقے میں دریا کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی لیکن کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

چولستان میں آباد قومیں۔

چولستان میں سب سے اہم قوم مہر ہے اس کے علاوہ سمے، لاڑ، شیخ، بوہڑ، چراھوت، ڈبے

دریائے گھاگرا کا خشک پاٹ

ایک مہر

بلوچ، متوجے، ھبٹی، منل، پنوار، پریاڑ، مینگھ وال سیکھیے، جویا، کوری، وکیا نقیر اور لنگاہ آباد ھیں۔

اہم قوم مہر۔

دیکھنے اور محسوس کرنے میں آیا کہ مہر قوم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان کی لڑی میں سے چار بھائی تھے۔ مہر، جویا، کوری اور منگریا۔ اور آگے ان کی اولاد بھی موجود ہے۔

مہروں کے رسم و رواج

مہر بیٹی کا رشتہ کسی دوسری قوم میں نہیں کرتے لیکن بیٹے کے لئے جویا، کوری یا منگریا قوم کی لڑکی پسند کر لیتے ہیں۔ جب لڑکے کا رشتہ کرتے ہیں تو شادی ہونے تک ہر چھ ماہ بعد "چھٹی" دیتے ہیں، جس میں چھ من ملنے، ایک اونٹ بمعہ پاکھڑا اور کپڑے شامل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جب شادی کا وقت آتا ہے تو سارا خرچہ لڑکے والوں کو کرنا پڑتا ہے۔

موت کی رسمیں۔

مہروں میں باپ یا ماں کے مرنے پر بہت بڑا کھانا دیا جاتا ہے جسے "روٹی دینا" کہتے ہیں اس روٹی میں حلوہ موجود ہونے کی وجہ سے اسے "کڑاہ" بھی کہتے ہیں چودھری احسان اللہ نے ہمیں بتایا کہ راد عالواں کوٹ کے مہر دودا خان کے باپ کے مرنے پر روٹی ہوئی تو ۳۰ من تمباکو پیا گیا جس سے روٹی کھانے والوں کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے تیس ۳۰ اونٹ چاندی کے روپے اٹھا کر شہر گئے جن سے سامان خرید اگیا۔ مہروں میں باپ کی روٹی کرنا دراصل بیٹے کی عزت کا مقام ہوتا ہے اور بات مشہور رہے کہ فلاں بیٹے نے اپنے باپ کا "کڑاہ" کیا۔ اس کے علاوہ ایک اور

رسم "ست وروگڑی" کے نام سے ادا کی جاتی ہے جس کے تحت ہر فاتحہ کہنے والے کو سات روٹیاں اور سات چھٹانک گھی دیا جاتا ہے چاہے وہیں کھا لے یا گھر لے جائے۔

بھٹی

چولستان میں جو بھٹی آباد ہیں ان میں سے اکثر کا خیال ہے کہ قلعہ موج گڑھ کی تعمیر کے لئے خیرپور کے نواب بیکانیر کے رابطے سے اینٹیں پکانے والے بھٹی خاندان کو یہاں لائے تھے جن کے لئے ایک نائی اور مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے ایک قاضی بھی تھا۔ اب بھی جالو والی کے بھٹی کمہاروں کا کام کرتے ہیں لیکن کچھ بھٹی اپنے آپ کو دلا بھٹی کی اولاد بتاتے ہیں۔ کچھ بھٹیوں نے اونٹ اور بھیڑیں بھی پال رکھی ہیں۔

رسم و رواج

یہاں کے بھٹی ہر قوم میں رشتہ کر لیتے ہیں لیکن خاندان میں رشتہ کرنے کو اولیت دیتے ہیں شادی کے موقعہ پر سہرا مہندی اور دوسری رسمیں پنجاب کی عام رسموں سے ملتی جلتی ہیں۔

چولستان کی بیشتر قوموں کے رسم و رواج

بچہ پیدا ہونے پر خوشی منائی جاتی ہے کچھ لوگ سہرا باندھتے ہیں، حلوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ بہاول پور سے مراثی بھی بلائے جاتے ہیں، لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہوتا ہے جب کسی امیر آدمی کے گھر بچہ پیدا ہو۔ بکرا ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے کی بجائے پکا کر کھلایا جاتا ہے۔

ایک بھٹی

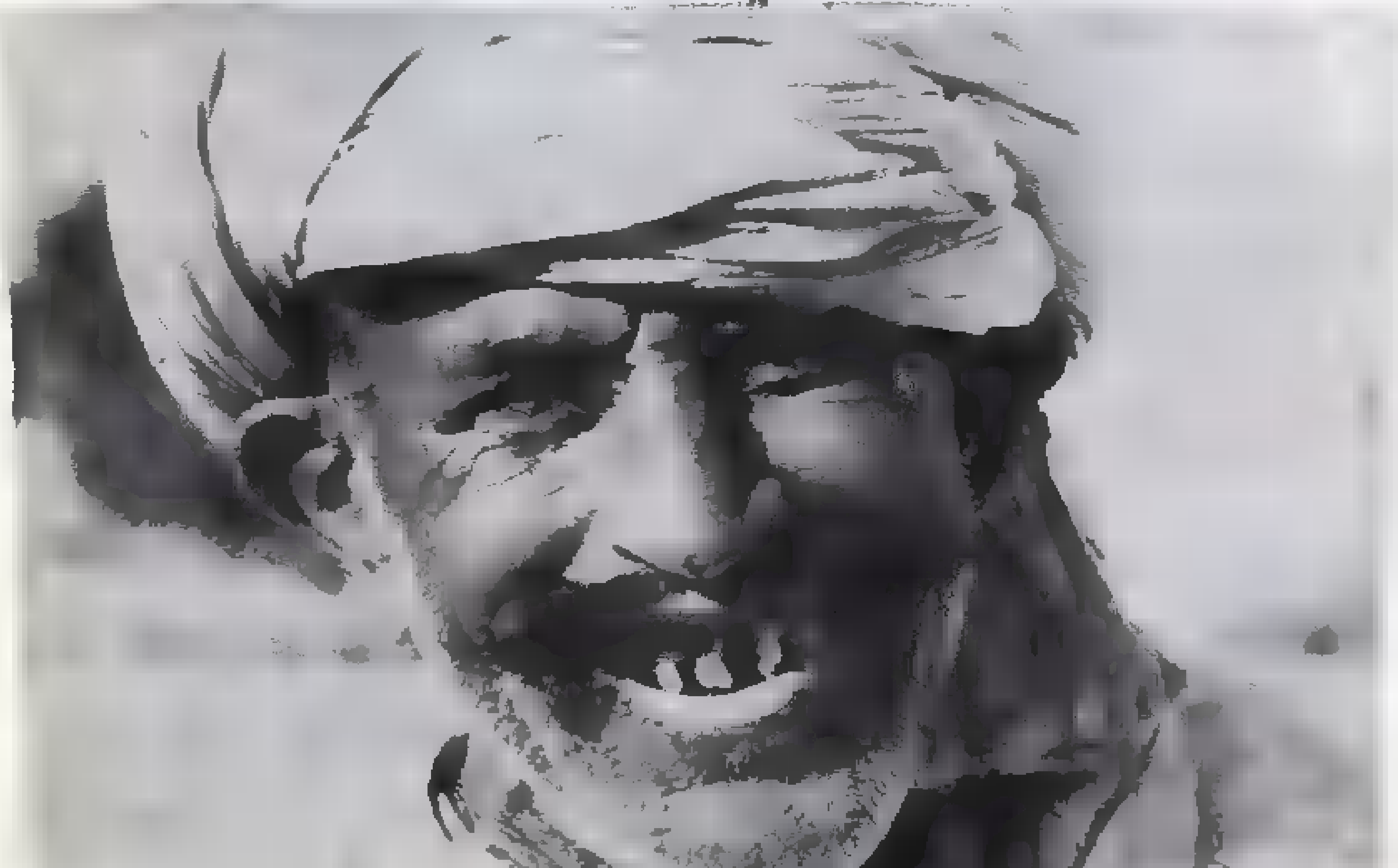

ایک چولستانی چہرا

شادی بیاہ۔

دہشت ماروں میں شادی کرنے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ میں نے ایک نوجوان سے پوچھا کہ کیا نوجوان اپنی مرضی سے محبت کی شادی بھی کر لیتے ہیں۔ تو اس نے شرما کر منہ تھوڑا سا جھکا لیا اور بولا "نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ شادی جہاں والدین کریں وہیں ہوتی ہے۔" لیکن ایک اور نوجوان نے مجھے بتایا کہ لڑکے چپکے سے لڑکی پسند کر لیتے ہیں اور ماں کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیتے ہیں عشق اور محبت کا سلسلہ اس لئے مشکل ہے کہ چھوٹی سی بستی میں ہر ایک کا معمول سب کے سامنے ہوتا ہے۔ ہاں آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ پہلی بیوی مرنے کے بعد دوسری شادی کا رواج بہت کم ہے۔ شادی کا زیادہ تر خرچہ کسی نہ کسی صورت میں لڑکے والے کو کرنا پڑتا ہے۔

دین گڑھ میں ایک شادی

شادی بیاہ کی رسموں کو سمجھنے کے لئے دین گڑھ میں ہونے والی ایک شادی کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم دین گڑھ پہنچے تو شام کافی نیچے اتر چکی تھی بستی نقارے اور شہنائی کی آوازوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ جان کر کہ یہاں شادی ہونے والی ہے ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہم نے فیصلہ کر لیا کہ رات یہیں قیام کریں گے تاکہ شادی کی رسوم کا مطالعہ کیا جا سکے۔ ایک عارضی سے چھپر کے نیچے نقارے اور شہنائی بجانے والے بیٹھے تھے۔ قریب ہی ایک شخص تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑ کی کھال اتار رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اس لڑکے کو تلاش کیا جس کی شادی ہونے والی تھی۔ مفتی صاحب ٹیپ ریکارڈر لے کر نقارے والوں کی طرف لپکے۔ خالد جاوید کرافٹس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے کسی اور طرف چلا گیا۔ دولہا کا نام عمر تھا۔ اس نے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے تھے اور ابھی ابھی مال ڈنگر چرانے کے بعد بستی میں لوٹا تھا۔ چھڑی اس کے ہاتھ میں تھی اور بڑا سا تعویذ گلے میں لٹک رہا تھا۔ عمر ۲۰، ۲۱ کے لگ بھگ ہو گی۔ میں نے اس سے پوچھا

"شادی والے دن کون سے کپڑے پہنوگے" تو وہ مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا لیکن پھر اصرار کرنے پر بتایا کہ رسم کے مطابق لال لاچا (سرخ تہبند) اور سفید قمیض پہنے گا اور اونٹ پر سوار ہو کر دلہن کے گھر جائے گا۔ برات کے اکثر لوگ سجے سجائے اونٹوں پر بیٹھے ہوں گے، مراثی نقارہ اور شہنائی بجائیں گے اور یار دوست اونٹوں کے ساتھ ساتھ جھومر ناچتے جائیں گے۔ لڑکی کے بارے میں معلوم ہوا کہ اسے شادی کے دن چاندی کے زیورات سے لاد دیا جاتا ہے اور عام طور پر سرخ رنگ کا گھگھرا اور چولا پہنایا جاتا ہے۔

پتہ چلا کہ شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی مراثیوں کو بلا لیا جاتا ہے اور وہ وقفے وقفے سے نقارہ اور شہنائی پر دھنیں بجاتے رہتے ہیں۔ تین روز پہلے باقاعدہ رسومات شروع ہو جاتی ہیں۔ رات کو دلہن کے گھر عورتیں گیت گاتی ہیں اور دولہا کے دوست اس کے گھر کے سامنے جھومر ڈالتے ہیں۔ سبز رنگ کا حلوہ پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے اور اگر مسجد قریب ہو تو عام طور پر مسجد کے صحن میں بیٹھ کر لوگ کھاتے ہیں اور وہیں تقسیم کیا جاتا ہے

پھر بہت سی عورتیں گاتی ہوئی دلہن کے گھر سے نکلتی ہیں اور پوری بستی میں گروپ کی شکل میں گاتے ہوئے گھوم کر نقارے اور شہنائی بجانے والے کے پاس آتی ہیں ایک لڑکی نے ہاتھ میں آٹے سے بھری تھالی پکڑی ہوتی ہے جس پر گڑ کی دو بھیلیاں اور ایک سیپی میں سرخ رنگ ہوتا ہے۔ جسے وہ نقارے پر انگلی سے چھڑکتی ہیں۔ آٹا بھی وہیں رکھ دیا جاتا ہے۔ شہنائی والا تیز دھنیں بجاتا ہے اور عورتیں قریب بیٹھ کر ویلیں دیتی ہیں۔ اس وقت وہاں مردوں کا موجود ہونا منع ہے۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں بھی وہاں سے ہٹا دیا۔ عورتوں کے گانے کی آواز پوری بستی پر چھائی ہوئی تھی۔ میں نے ٹیپ ریکارڈر ایک لڑکے کے حوالے کیا کہ وہ عورتوں کے گیت ریکارڈ کر دے۔ وہ ٹیپ ریکارڈ مجھ سے لے گیا اور جب واپس آیا تو بہت کم ریکارڈ کر سکا تھا۔ کوالٹی بھی اچھی نہ تھی۔ لفظ سمجھ میں نہیں آتے تھے لیکن اس تھوڑی سی ریکارڈنگ کے لئے ہمیں بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی کیونکہ جب رات کو ہم علاقے کے نمبردار کے ڈیرے پر مل کر اپنے لئے کھانا پکا رہے تھے تو لڑکے کا باپ اور

ایک ٹوبہ

عورتیں ٹوبے سے پانی بھر کر لے جا رہی ہیں۔

چولستان کے کچھ مُوڈ

کچھ رشتہ دار نمبردار کے پاس آئے اور اس سے شکایت کی کہ ہم نے عورتوں کی ریکارڈنگ کی ہے اور تصویریں اتاری ہیں۔ نمبردار کا رویّہ بھی بدل گیا اور ہمیں محسوس ہوا کہ وہ ہم سے ٹیپس اور کیمرے چھیننا چاہتے ہیں لیکن مفتی صاحب نے ایک خاص رویّہ اپنایا اور سختی سے پیش آئے جس سے معاملہ دب گیا۔ پھر بھی ساری رات ہم اپنی کیمروں اور ٹیپ ریکارڈر کی حفاظت کرتے رہے اور انہیں اپنے ساتھ رضائی میں لے کر سوتے اور جاگتے رہے۔

موت کی رسمیں۔

پنجاب کی عام رسموں سے ملتی جلتی ہیں کوئی زیادہ بوڑھا آدمی مرتا ہے تو سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ قبرستان مخصوص علاقوں میں ہے۔ اس لئے جنازے کو کئی کئی میل لے جانا پڑتا ہے۔ لیکن اکثر قبریں ریت میں چھپ کر عام ٹیلوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

چولستان کا موسم اور ٹوبے۔

چولستان میں گرمی کا موسم زیادہ دیر تک رہتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں موسم درمیانہ ہوتا ہے ہم نے دسمبر، جنوری میں بھی یہاں گرمی محسوس کی لیکن رات قدرے ٹھنڈی ہو جاتی ہے جو کہ ریتلے علاقوں کا خاصا ہے۔ یہاں پانی کی کمی ہے تالاب کی شکل کے گڑھے ہیں جنہیں یہاں کے لوگ ٹوبہ کہتے ہیں۔ ٹوبے میں بارش کے دنوں میں پانی جمع کر لیا جاتا ہے اور دوسری بارش ہونے تک آدمی اور جانور اسی ٹوبے کا پانی پیتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک ایک سال تک بارش نہیں ہوتی اور ایسے میں وہی پانی پینا پڑتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ٹوبے کا پانی ختم ہو جاتا ہے تو لوگ پانی کی تلاش میں کسی اور طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ ایک دو جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں کنویں ہیں اور لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں۔ باقی جگہوں پر بھی کنویں کھودنے کی کوشش کی گئی لیکن نیچے سے جو پانی نکلا کڑوا تھا۔ رینجرز نے اپنی چوکیوں کے قریب پکے ٹوبے بنا رکھے ہیں اور ان کا پانی استعمال کرتے ہیں۔

صحرا کچھ میلوں کے بعد اپنا موڈ بدلتا ہے کہیں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں اور کہیں ٹوبیاں جنہیں یہاں کے لوگ کھار کہتے ہیں۔ کہیں کہیں میدانی کیفیت بھی ہے لوگ صرف ٹوبے کے قریب ہی رہائش اختیار کرتے ہیں۔

جھونپڑیاں

پہلے وقتوں میں چولستان کے لوگ ایک خاص قسم کی جھونپڑی بناتے تھے جسے "گوپا" کہا جاتا ہے لیکن آج کل کچھ لوگوں نے مٹی کے عام دیہاتوں جیسے گھر بنانے شروع کر دیئے ہیں۔ کچھ ابھی تک جھونپڑیوں میں رہتے ہیں جو صحرا میں اُگنے والی گھاس پھونس سے بنائی جاتی ہیں۔

زندگی کے معمولات

مرد ڈھور ڈنگر لے کر انہیں چرانے چلے جاتے ہیں اور شام پڑنے تک ان کے ساتھ رہتے ہیں عورتیں صبح سویرے گھر یا جھونپڑی کو صاف کرنے کے بعد بُنائی یا کڑھائی کرنے لگ جاتی ہیں۔ یہاں سندھی اور پنجابی ٹانکے کا رواج ہے۔ عورتیں بڑی نفاست اور مہارت سے کڑھائی کا کام کرتی ہیں یہاں کی عورتیں گھر کے استعمال کی دوسری چیزوں کے علاوہ "رلی" یا "گندی" بھی بناتی ہیں جو کپڑے کے بہت سے ٹکڑوں کو جوڑ کر بنائی جاتی ہے۔

میرے خیال میں یہاں کی عورتوں کی کڑھائی کی خاص صفت باریکی ہے۔ پھر جب دھوپ کے سائے لمبے ہونے لگتے ہیں اور دوپہر کا زور ٹوٹ جاتا ہے تو سب عورتیں دو دو تین تین گھڑے اٹھائے قطار در قطار ٹوبے کی طرف بڑھنے لگتی ہیں اور شام ہونے سے پہلے پہلے پانی بھر کر جھونپڑی میں آ جاتی ہیں اور سارا دن جانوروں کو چرانے کے بعد گھر لوٹنے والے مردوں کے لئے کھانا پکانے میں لگ جاتی ہیں۔ سردیوں کا موسم ہو تو مچ لگانے کی تیاری بھی کرتی ہیں۔ اور پھر جب مرد گھر لوٹ کر آتے ہیں تو حقہ گڑگڑانے کے ساتھ ساتھ مچ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔

چولستانی جھونپڑیاں

کچھ خانہ بدوش راجپوت اپنی جھونپڑیوں کے سامنے بیٹھے حقّہ پی رہے ہیں

بلوچ خانہ بدوشوں کی جھونپڑی

مہینے میں ایک یا دو مرتبہ گھر کا بزرگ کسی ایک نوجوان کو ساتھ لے کر شہر جاتا ہے اور اکٹھا راشن خرید کر لے آتا ہے۔

ذریعہ معاش

یہاں کے لوگ بھیڑیں، گائیں اور اونٹ پال کر فروخت کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ مکھن اور کچھ گھی فروخت کر کے گزر اوقات کرتے ہیں۔ ذرا امیر قومیں اونٹوں کا کاروبار کرتی ہیں اور کالے رنگ کے اونٹ بھی پالتی ہیں۔ میانوالی اور پنجاب کے دیگر علاقوں سے لوگ بھی اس کاروبار میں حصہ لیتے ہیں اور چھوٹی عمر کا اونٹ جسے "لوڈا" کہا جاتا ہے خرید کر لے جاتے ہیں اور پال کر اس سے باربرداری کا کام لینے کے بعد پھر واپس آ کر یہیں فروخت کر دیتے ہیں۔ جسے کوئی اور خرید کر لے جاتا ہے۔

چھوٹی قومیں بڑی قوموں کے مال ڈنگر چرانے کا کام بھی کرتی ہیں اور اجرت پر زندگی گزارتی ہیں۔

کھار

یہاں کے غریب لوگوں کا ذریعہ معاش ایک بوٹی بھی ہے جسے کھار کہا جاتا ہے۔ کھار ایک ایسی بوٹی ہے جسے کاٹ کر خشک ہونے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب یہ خشک ہو جاتی ہے تو کسی گڑھے میں آگ لگا دی جاتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد بڑی بڑی لکڑیوں سے ہلایا جاتا ہے۔ جس سے بوٹی ساگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ٹھنڈا ہونے پر سخت ہو جاتی ہے جسے فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہ روایتی اور خاص طور پر صابن بنانے کے کام آتی ہے۔ چولستان میں کھار کو صابن کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

کھار اکٹھی کر کے لے جائی جا رہی ہے

بھیڑیں

جانور دن بھر چرنے کے بعد آبادی سے کچھ دور سستا رہے ہیں

جانور۔

چولستان میں ہرن پایا جاتا ہے۔ ہمیں سفر کے دوران دو ہرن دکھائی دیئے۔

پرندے۔

تلور نامی پرندہ یہاں خاص طور پر دیکھنے میں آتا ہے۔

تلور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک روسی پرندہ ہے جو سائبیریا سے اڑکر آتا ہے۔ یہ پرندہ خشکی کو پسند کرتا ہے اس کی خوراک تارا میرا اور کنکریاں ہیں۔ اس کے علاوہ چولستان میں بھٹ تیتر اور کشمیرا بھی عام ہے۔

سانپ۔

چولستان میں سانپ خاصی تعداد میں ہیں لیکن سردی کے موسم میں ریت کے اندر چلے جاتے ہیں، گرمیوں میں ان سے بہت احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ ایک سانپ جسے یہاں کے لوگ "سیاہ پیونا" کہتے ہیں انسان کے سینے پر چڑھ کر غلاظت انسان کے منہ میں پھینکتا ہے اور جاتی مرتبہ دم زور سے مارتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے زور سے سانٹا مارا ہو۔ روایت ہے کہ اگر اس سانپ کو تلاش کر کے اسی وقت مار دیا جائے تو انسان بچ جاتا ہے لیکن اگر سانپ چلا جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں لوگ آگ جلاتے ہیں تو سانپ نزدیک نہیں آتا۔ یہاں ماندری اور بھوپے بھی ہیں جو سانپ کے کاٹے کا علاج کرتے ہیں۔

تاریخی مقامات

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے چولستان کبھی ایک آباد اور گنجان علاقہ تھا۔ اس لئے یہاں آج

عورتیں پانی بھر کر لے جا رہی ہیں۔

ایک چولستانی عورت اپنی بکریوں کو ہانک کرلے جارہی ہے

گابیوں کے گلے میں ٹل

بھی جگہ جگہ ایسے نشانات ملتے ہیں جو ہمیں چولستان کے عظیم ماضی کی کہانیاں سناتے ہیں۔ یہاں موجود پرانے اور خستہ قلعے اپنے وارثوں اور ان کے عہد کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ہمیں جن قلعوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں پھولڑا، موج گڑھ، دین گڑھ، مروٹ اور ڈراور کے قلعے شامل ہیں۔

قلعہ پھولڑا

فورٹ عباس سے چولستان میں داخل ہوتے ہی پھولڑا کا قلعہ آتا ہے۔ میں نے ایک شخص سے قلعے کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بولا' بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ قلعہ سب سے پہلے پھول رانی یا پھول کماری نے بنوایا تھا۔ اس کے بعد ہندو اور مسلمان راجوں کے قبضے میں رہا۔ عباسی خاندان نے ایک زمانے میں اس کی مرمت بھی کروائی تھی۔ یہ قلعہ آج کل انتہائی خستہ حالت میں ہے۔ اس قلعہ سے سکے بھی ملے ہیں جو تانبے کے ہیں اور ان پر کندہ عبارت مٹی ہوئی ہے۔ قلعہ کے اردگرد چولستانی لوگ کچے گھروں میں رہتے ہیں لیکن چونکہ پھولڑا فورٹ عباس کے قریب ہے بلکہ اسی شہر کا ایک حصہ ہے اس لئے یہاں رہنے والوں پر شہری زندگی کا اثر نمایاں ہے۔ یہاں پر ایک مسجد اور پکا لوڑبہ بھی ہے۔

یہاں کی عورتیں بہت محنتی ہیں اور کڑھائی کے کام میں مہارت رکھتی ہیں۔ مرد شہر میں کام کاج کے لئے چلے جاتے ہیں اور عورتیں سارا سارا دن کڑھائی کا کام کرتی ہیں۔ زرہ ٹانکا میں بنی ہوئی یہاں کی چُنلی گندی بہت مقبول ہے اور شہر میں اچھے داموں فروخت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے یہاں کی عورتیں کڑھائی کمرشل بنیادوں پر کرتی ہیں۔ یہاں کچھ آبادکار بھی رہتے ہیں جن کے اپنے رقبے ہیں۔ ایک پرائمری سکول بھی ہے۔ یہاں کی ایک بوڑھی عورت کڑھائی کے کام میں بہت شہرت رکھتی ہے۔

قلعه پهولاه

مسجد

حاجی شیر شاہ بخاری

یہاں کے پرائمری سکول کے قریب ہی حاجی شیر شاہ بخاری کا مزار ہے جن کے بارے میں لوگوں کو زیادہ تفصیلات معلوم نہیں۔ لیکن میرے خیال میں آپ کا تعلق مخدوم جلال الدین سرخ بخاری سے ہے کیونکہ آپ کا اثر چولستان کے تمام بزرگوں اور صوفیا پر محسوس ہوتا ہے جس کی مثال جیسے محققین نے درج کیا ہے چنن پیر کی ہے کہ جب مخدوم جلال الدین سرخ بخاری جیسلمیر سے گزر رہے تھے۔ اسی طرح قلعہ موج گڑھ میں بھی ایک بزرگ سلطان شاہ بخاری کا مزار ہے اور میرے خیال میں گزرے ہوئے وقت کو ٹٹول کر آپ دونوں کا تعلق تلاش کیا جا سکتا ہے۔

حاجی شیر شاہ کا عرس (میلہ) چیتر کی ۱۵، ۱۶ کے قریب ہوتا ہے اونٹ سجائے جاتے ہیں لوگ جھومر ناچتے ہیں اور چراغاں کیا جاتا ہے۔

قلعہ ولرّ

اس قلعہ کے بارے میں پھولڑا کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس کے دادا نے سو سال کی عمر میں وفات پائی اور مرنے سے پہلے وہ کہا کرتا تھا کہ اسے قلعہ ولر کے بارے میں اپنے بزرگوں سے بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس نے بنوایا تھا۔

سید کرم علی شاہ

یہاں سید کرم علی شاہ کا مزار ہے جن کا عرس (میلہ) پہلی چیتر کو شروع ہو کر چار تک جاری رہتا ہے چونکہ ہم خود اس مزار پر نہیں گئے اس لئے زیادہ تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔

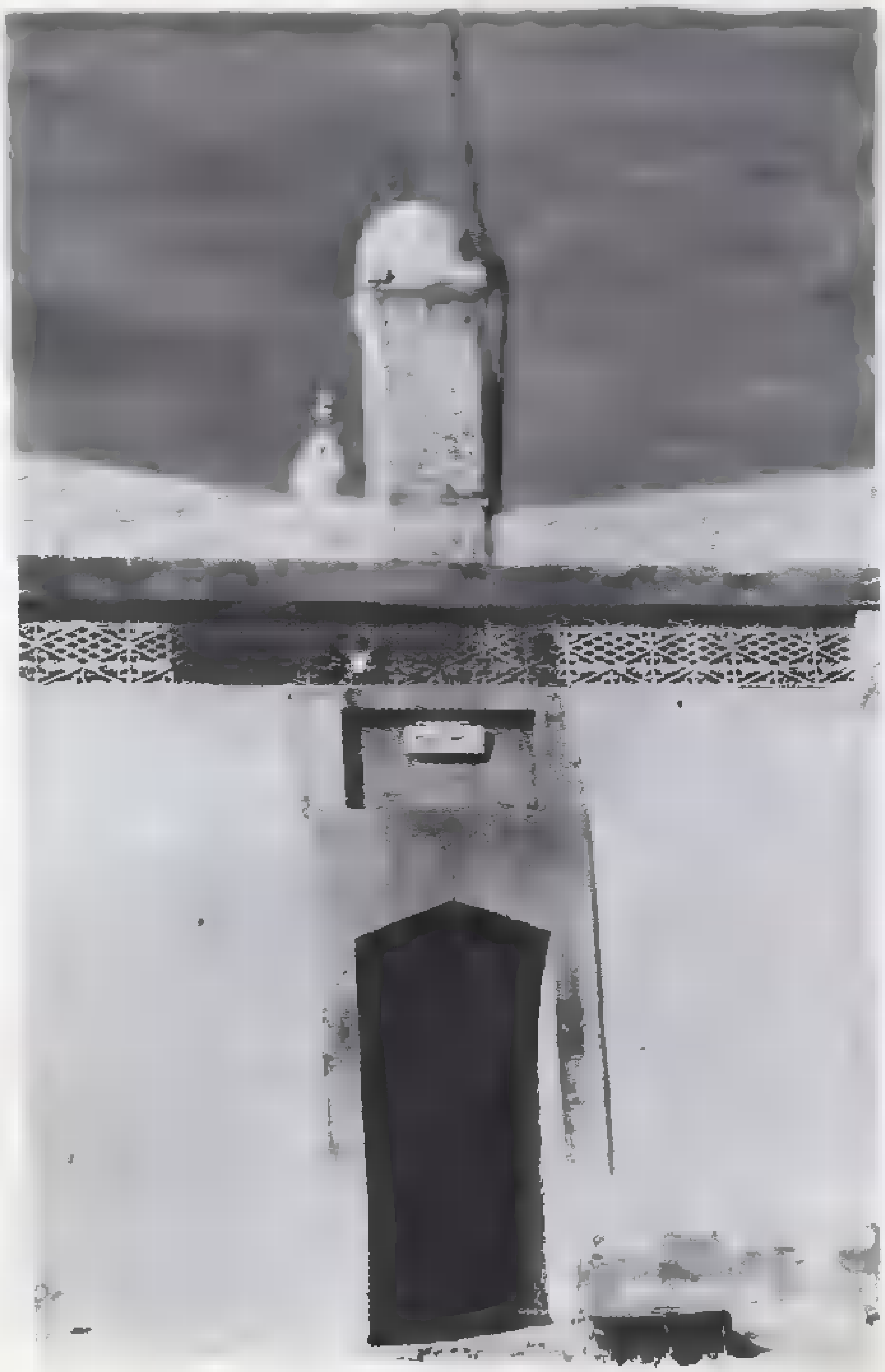

مزار حاجی شیر شاہ بخاری

عورتیں پانی بھر کرلے جا رہی ہیں

قلعہ موج گڑھ

یہ قلعہ چولستان کے اہم قلعوں میں شمار ہوتا ہے۔ پکی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں دو روائتیں مشہور ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ یہاں کے ایک بزرگ سلطان شاہ بخاری نے خیرپور کے ایک نواب کو بشارت دی کہ وہ یہاں قلعہ بنوائے اور اس نے یہاں قلعہ تعمیر کروایا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ خیرپور کا نواب شکار کھیلنے کے لئے چولستان آیا کرتا تھا۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہاں قلعہ تعمیر کروائے ایک دن شکار کھیلتے ہوئے اس کی ملاقات ایک چرواہے سے ہوئی اس نے چرواہے سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں یہاں قلعہ تعمیر کروانا چاہتا ہوں کوئی مناسب جگہ تجویز کرو۔ چرواہے نے جگہ تجویز کی اور وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک مرتبہ اس کی ایک بھیڑ گم ہو گئی اور تلاش کے باوجود نہ مل سکی لیکن کئی مہینوں کے بعد بھیڑ ایک جگہ کھڑی تھی اس کے دو بچے بھی اس کے ساتھ تھے اور ایک ایک فرلانگ پر چاروں طرف بھیڑیئے اور گیدڑ اس کی تاک میں تھے اور بھیڑ کے بچ جانے کی وجہ اس جگہ کا کمال تھا چرواہے کے خیال میں اس جگہ میں برکت تھی اور وہاں قلعہ تعمیر کرنا مناسب تھا۔

راوی کہتا ہے کہ نواب نے اسی جگہ قلعہ تعمیر کروایا اور چرواہے کے نام پر قلعہ کا نام موج گڑھ رکھا۔ روایت بیان کرنے والا ذات کا بھٹی تھا اور اس بات کی تصدیق میں اس نے بتایا کہ موج گڑھ اور ارد گرد کی بستیوں میں آپ کو بھٹی ملیں گے، اس کی وجہ اس نے یوں بیان کی کہ جب قلعہ تعمیر کرنے کا وقت آیا۔ نواب کو اینٹیں پکانے والوں کی ضرورت پڑی اور وہ اپنے دوست کے پاس گیا جو جیسلمیر کا راجہ تھا جس نے نواب کو اینٹیں پکانے والا ایک بھٹی، ایک قاضی اور ایک نائی دیا اور وہ تینوں کو لے آیا۔ اور ان کی اولاد آج بھی یہاں رہائش پذیر ہے۔

یہ دوسری روایت اس لئے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس روایت کے بیان کرنے والے نے نواب

قلعہ موج گڑھ

کا نام محمد معروف خان بتایا تھا جسے مورخین نے بھی درج کیا ہے۔

راوی کے مطابق اس قلعہ پر جو لوگ قابض اور حکمران رہے ان کے نام یوں بتائے جاتے ہیں۔

معروف خان، خان خدا بخش، ولی محمد خان، جان محمد خان۔

یہ بات ذرا مشکوک ہے لیکن اس پر یقین کرنا آسان لگتا ہے کہ یہ قلعہ جان محمد خان کے وقت میں تیار ہوا۔ یہ بات بھی درست ہے کہ اس قلعہ کی تعمیر واقعی معروف خان کے ہاتھوں ہوئی کیونکہ اگر یہ قلعہ کسی ہندو نے تعمیر کرایا ہوتا تو اس کی اوپر والی منزل مسجد نہ ہوتی جو کہ قلعہ کے ساتھ ہی تعمیر کی گئی تھی۔ یہ مسجد قلعہ کے ڈیزائن میں شامل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے کسی مسلمان نے بنوایا تھا۔

قلعہ موج گڑھ کی تباہی کے بارے میں روایت

کہا جاتا ہے کہ نواب جان محمد خان کے وقت میں یہ قلعہ تباہ ہوا۔ اور وہی اس قلعہ کا آخری حکمران تھا۔ اس کے بھائیوں اور عزیزوں نے خیر پور سے سو اونٹ بھیجے کہ گھی فراہم کرو۔ سو اونٹ اور ان پر پیپے" (گھی کے بڑے ڈبے) دیکھ کر جان محمد خان نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اس بار گھی بھیج دیا گیا تو وہ لوگ ہر سال گھی لانے کے لئے سو اونٹ روانہ کر دیا کریں گے۔ لہٰذا گھی کے پیپے گوبر اور پانی سے بھر کر روانہ کر دیئے گئے جس سے جان محمد خان کے بھائی اور عزیز سخت برہم ہوئے اور انہوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ سخت لڑائی ہوئی جس میں توپیں اور پتھر کے پانچ پانچ سیر کے گولے استعمال کئے گئے۔ جان محمد خان کے عزیزوں نے ایک اینٹ قرآن مجید کے غلاف میں لپیٹ کر کہا کہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں لڑائی نہیں کریں گے قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ جان محمد خان نے دروازہ کھولنے کا حکم دے دیا۔ مگر دروازہ کھلتے ہی اس کے عزیزوں نے پھر حملہ کر دیا اور قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ عورتوں نے قلعہ سے نیچے چھلانگیں لگا دیں۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد یہ قلعہ کبھی آباد نہ ہو سکا کسی زمانے میں اس قلعہ کی چوڑی دیوار پر نواب اور نواب زادیاں بگھی میں بیٹھ کر سیر کیا کرتے تھے اور ان کی رعایا ان سے خوش تھی۔

پچھلے چند سالوں میں ٹھیکیدار اس قلعے کی اینٹیں گاڑیوں میں بھر کرلے گئے لیکن اب بھی بچا کھچا قلعہ عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتا ہے، جس میں تہہ خانے؛ فوجیوں کی بیرکیں اور کئی کمرے ہیں۔ قریب ہی ایک بڑا ٹوبہ ہے جس کے کنارے درخت ہیں میرے خیال میں یہ واحد ٹوبہ ہے جس کے کنارے اس قدر درخت ہیں جن کی عمر قلعہ کی عمر کے لگ بھگ ہوگی۔

سلطان شاہ بخاری

سلطان شاہ بخاری کے بارے میں کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ وہ کب اور کہاں سے یہاں آئے، قلعہ مروٹ کے قریب ایک ٹوبہ بھی سلطان شاہ کے نام سے موسوم ہے۔ میں نے اس ٹوبہ کا حوالہ دے کر پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ سنا ہے آپ نے وہاں بھی قیام فرمایا تھا۔ آپ کا میلہ نہیں ہوتا لیکن سال کے سال لوگ جمع ضرور ہوتے ہیں اور ختم دلایا جاتا ہے۔

کرامات

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ قلعہ میر گڑھ کے ٹوبے پر اپنے مال ڈنگر کو پانی پلانے کے لئے گئے لیکن وہاں بھیڑ بہت تھی۔ لوگوں نے آپ سے کہا کہ تم اپنی باری کا انتظار کرو پہلے ہم اپنے جانوروں کو پانی پلالیں پھر تم اپنے جانور یہاں لے آنا۔ آپ نے لوگوں سے بہت کہا کہ میرے ڈنگر بہت پیاسے ہیں لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ مانی۔ آپ قلعہ کے حاکم کے پاس پہنچے اور منت کی اس نے بھی وہی جواب دیا جسے سن کر آپ نے دعا مانگی تو اسی وقت بارش شروع ہوگئی پھر آپ نے قلعہ کے حاکم کو بد دعا دی اور کہا تم کوٹ کے اندر مروگے اور دروازہ توڑ کر تمہیں باہر نکالا جائیگا اور یہی ہوا۔ وہ قلعہ کے اندر ہی مرا اور قلعہ کا دروازہ توڑ کر اسے باہر نکالا گیا۔

دوسری روایت کے مطابق ایک بوڑھی عورت اپنی نند کو بہت تنگ کیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے اس سے کہا جاؤ اپنے خاوند کو روٹی دے آؤ اور چنگیر اس کے سر پر رکھ دی۔ راستے میں نند

نے احتیاطاً روٹی کھول کر دیکھی تو آدھی تھی! ہم نے سلطان شاہ بخاری سے التجا کی تو روٹی پوری ہو گئی

قومیں

یہاں بھٹی، مغل، پریاڑ، بھٹے، پنوار اور بوسٹرآباد ہیں۔

رسم و رواج

چولستان کے دوسرے علاقوں کی طرح موج گڑھ میں بھی وہی رسم رواج ہیں۔ شادی کرتے وقت رشتہ داروں اور قوم برادری کو اولیت دی جاتی ہے۔

لڑکے کو کھارے چڑھایا جاتا ہے۔ اس سے پہلی رات اس کے جسم پر آٹے میں ہلدی ملا کر اُبٹن مل دیا جاتا ہے۔ جسم پر ہلدی ملا آٹا ملنے کی رسم کو "چیکوں" بولتے ہیں۔ اور سہرے کو یہاں "مکنا" کہتے ہیں۔ برات اونٹوں پر سوار ہو کر جاتی ہے جنہیں رنگ برنگے کپڑوں اور زیورات سے سجایا جاتا ہے۔

اونٹوں کی لڑائی

موج گڑھ میں اونٹ لڑانے کی رسم پرانی اور عام ہے بعض لوگ خاص لڑنے والے اونٹ پالتے ہیں۔ کبھی کبھی شرطیں بھی لگتی ہیں۔

دین گڑھ

قلعہ دین گڑھ بھی دیکھنے میں آیا۔ یہ دوسرے قلعوں کی نسبت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کا بڑا حصہ ریت میں مل چکا ہے۔ اس قلعہ کے ساتھ ہی ایک کنواں بھی ہے۔ اس قلعہ کے بارے میں ابھی لوگوں کو زیادہ معلومات حاصل نہیں اور نہ ہی کسی محقق نے کچھ زیادہ لکھا ہے۔

مہرگڑھ سی

البتہ ایک نوجوان نے جو قلعہ کے قریب ہی کھڑا تھا مجھے بتایا کہ یہاں ایک لکڑی پر خان خدابخش کا نام لکھا ہوا ملا تھا۔ اس کا اتنا کہنا تھا کہ میرا ذہن قلعہ موج گڑھ کے ایک حاکم خان خدا بخش کی طرف چلا گیا میرے خیال میں دین گڑھ کا چھوٹا قلعہ واقعی خان خدا بخش نے بنوایا ہوگا۔ دین گڑھ اور موج گڑھ کا فاصلہ چند میل ہے اور میرے خیال میں جب خان خدا بخش موج گڑھ کے قلعہ کا حاکم ہوگا تو اس نے دین گڑھ کے قلعہ کی تعمیر کی ہوگی۔

قومیں

یہاں شیخ، لاڑ، دیندار، کمہار اور چڑھوئے آباد ہیں۔

شیخ یہاں کی سب سے مالدار قوم ہے جو اونٹوں کا کاروبار کرتی ہے۔

دیندار لوئیاں، کمبل اور فلاسیاں بنتے ہیں۔

چڑھوئے زیادہ تر شیخوں کا مال ڈنگر چراتے ہیں۔

رسم و رواج

اس سلسلہ میں مَیں نے پہلے دین گڑھ کی ایک شادی کا ذکر کیا ہے۔ جس سے یہاں کے رسم و رواج کی عکاسی ہوتی ہے۔

قلعہ مروٹ

لوگوں کا خیال ہے کہ راجہ مہروٹ کے نام پر اس قلعہ کا نام مہروٹ رکھا گیا تھا اور بعد میں بگڑ کر مروٹ بن گیا۔ محققین نے بھی اپنی کتابوں میں یہی درج کیا ہے کہ اس قلعے کا بانی مہروٹ تھا۔ لیکن بعد میں یہ قلعہ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا عباسی خاندان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے نزدیک ہی دو مسجدیں بھی ہیں جو بعد میں تعمیر کی گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہیں شہنشاہ اکبر نے بنوایا تھا

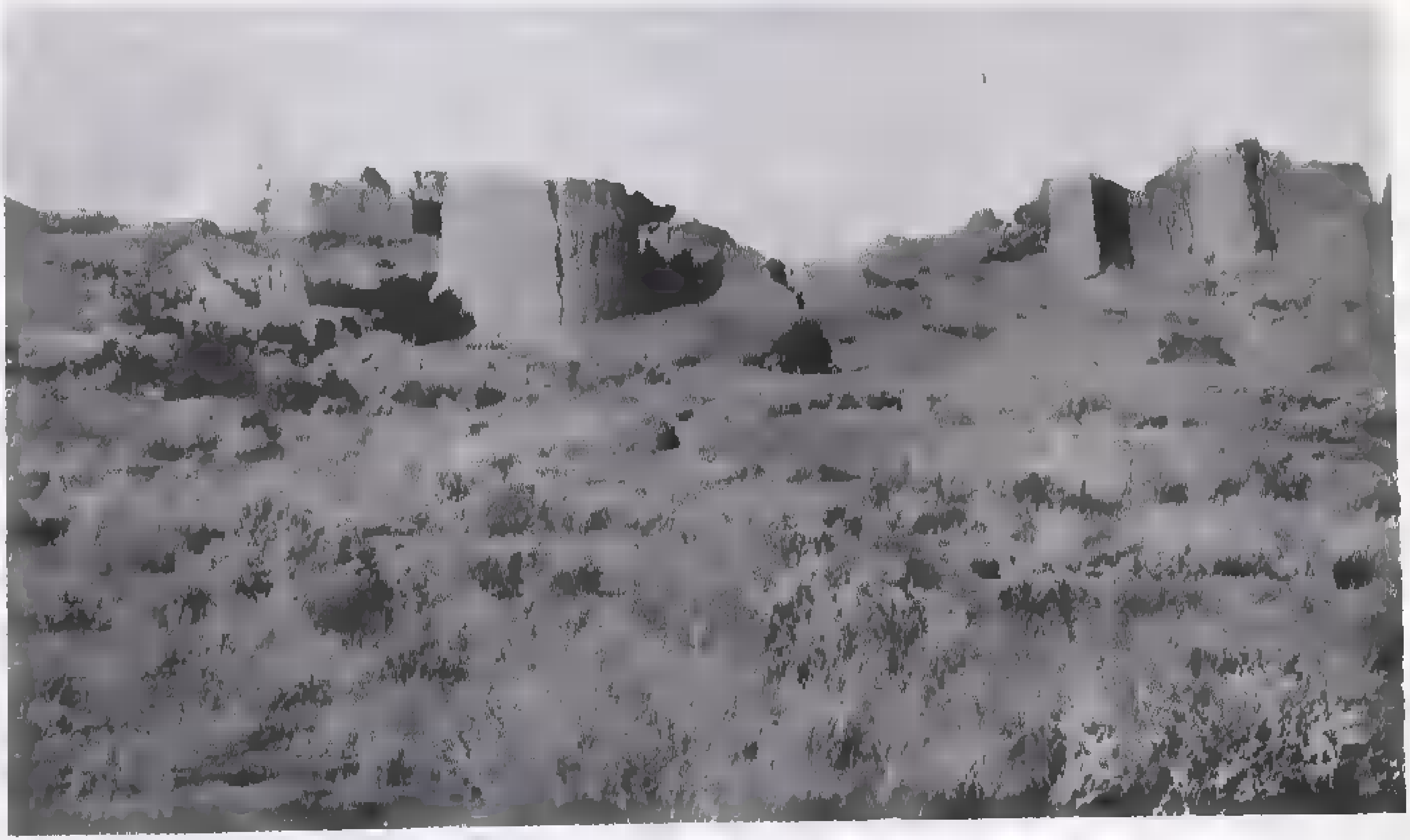

قلعہ مروٹ

۱۵ قلعہ مروٹ کے نزدیک مسجد اور مہمان خانہ

اس مسجد میں وہ پتھر موجود ہے جس پر حضرت علیؓ کے پائے مبارک اور انگلیوں کے نشانات ہیں

لوگوں کے کہنے کے مطابق حضرت علیؓ اپنے عہدِ خلافت میں یہاں تشریف لاتے تھے۔ جس پتھر پر آپ نے نماز پڑھی اس پر آپ کے پائے مبارک، ناک اور انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں اور یہ پتھر ایک مسجد میں پڑا ہے۔ اس پتھر کے بارے میں تحقیق کرنے والوں نے لکھا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے ان نشانات کی حفاظت کے لئے ۱۰۰۹ھ میں مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ لوگوں نے ایک ایسے پتھر کا تذکرہ بھی کیا جو اصل میں اونٹنیوں کے دودھ کا پنیر تھا اور حضرت علیؓ کے اشارے پر پتھر بن گیا تھا۔ لیکن جنوری ۱۹۷۷ء میں جب ہم مروٹ پہنچے اور حضرت علیؓ کے پائے مبارک کی زیارت کی خواہش کی تو یہ پتھر موجود نہیں تھا۔

فقہ جعفریہ کے لوگ محرم کے دنوں میں یہاں آکر پانچ، آٹھ یا دس دن تک قیام کرتے ہیں اور ماتم ہوتا ہے، منتیں بھی مانی جاتی ہیں۔ کچھ گانے والے بھی حاضری دیتے ہیں، منقبت اور مرثیے بھی پڑھتے ہیں۔ عالم مراثی سے ہماری ملاقات یہیں ہوئی۔

مروٹ میں رہنے والے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ملتان اور دلی کے قدیم راستہ پر واقع ہے اس لئے کسی زمانے میں یہ ایک اہم قلعہ رہا ہوگا۔ اس قلعہ کے اردگرد بڑی بڑی رہائش گاہیں بھی تعمیر کی گئی ہیں۔ قلعہ مروٹ کے بارے میں بہت زیادہ تحقیق ہو چکی ہے اور بہت سی باتیں کتابوں میں درج ہو چکی ہیں جن کا یہاں دہرانا مناسب نہیں۔

مروٹ کا قلعہ لق و دق صحرا میں واقع ہے لیکن قریب ہی مروٹ کا نیا شہر آباد ہو چکا ہے جو کہ پنجاب کے عام دیہاتوں جیسا ہے۔ یہاں آبادکاروں کے اپنے رقبے ہیں جہاں اچھی فصل ہوتی ہے۔

جب ہم مروٹ کے قلعہ سے شہر کی طرف جا رہے تھے تو شام کافی گہری ہو چکی تھی۔ صبح سے ہم نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے سب کو بھوک بھی لگ رہی تھی لیکن جب ہم نہر کی پٹڑی پر چڑھنے لگے تو ایک جگہ ہماری جیپ دلدل میں پھنس گئی جسے ہم نے بڑی مشکل سے دو گھنٹے کی جدوجہد کے بعد دلدل سے نکالا۔

قلعہ مروٹ کے نزدیک چولستان کے موڑ

قلعہ مروٹ میں ہمارے میزبان

لوک گیت / کافیاں

اسی رات ہم نے ایک چک میں اس آدمی کو تلاش کر لیا جس کا ایک بھائی ہمیں قلعہ مروٹ کے پاس اس مسجد کے قریب ملا تھا جہاں وہ پتھر (جس پر حضرت علیؓ کے پائے مبارک' ناک اور انگلیوں کے نشانات ہیں) پڑا تھا۔ وہ وہاں سات دن کی چوکی بھر رہا تھا۔ رات ولڑ قوم کے ایک آباد کار کے ڈیرے پر محفل جمی۔ مچ لگا دیا گیا۔ بہت سے لوگ مچ کے گرد بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے اور مفتی صاحب مچ کی سرخ روشنی میں ٹیپ ریکارڈر پر جھکے لیول (LEVEL) درست کر رہے تھے۔ مروٹ کے اردگرد چھوٹے چھوٹے چکوں میں مراثی آباد ہیں اور اپنے آپ کو میرعالم کہتے ہیں۔ زیادہ تر خواجہ غلام فرید کی کافیاں گاتے ہیں۔ لیکن شادی بیاہوں پر سہرے بھی گائے جاتے ہیں۔ یہاں ہم نے ایک میرعالم سے کچھ سہرے ریکارڈ کئے۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی' میرعالم سردی سے کانپنے لگے اور نیند سے ان کی آنکھیں اور آواز بوجھل ہو گئی۔ تو ہم بھی سونے کی تیاری میں لگ گئے۔ ٹیم کے باقی لوگوں کو ڈیرے میں جگہ مل گئی تو میں نے اور مفتی صاحب نے باہر ٹینٹ لگا دیا۔ مفتی صاحب تو تھوڑی دیر میں گہری نیند سو گئے لیکن مجھے ساری رات سانپ کا خوف ڈستا رہا۔ صبح میزبان نے ہماری مہمان نوازی کی انتہا کر دی جسے ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

قلعہ ڈراور

مؤرخین نے قلعہ ڈراور کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے جو یہاں درج کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہاں رہنے والے لوگوں کی رائے کا ان آرا سے تقابلی مطالعہ کیا جا سکے۔

۱۔ میر محمد معصوم بکھری نے اپنی کتاب تاریخ معصومی میں اس قلعہ کا اصل نام "دلاور" بتایا ہے

۲۔ نصیر الدین ہمایوں کے آفتابچی جوہر نے اپنی کتاب "تذکرۃ الواقعات" میں اس کا نام "دلاورہ"

ہمیں اکثر ٹینٹ میں سونا پڑا۔ عکسی مفتی ٹینٹ سے باہر نکل رہے ہیں۔

بتایا ہے۔

۳. اکبر نامہ میں اس قلعہ کو دیو راول کا نام دیا گیا ہے۔

۴. کتاب "قلعائے عباسیہ" میں سید برکات احمد نے اس قلعہ کو "ڈیراور" کہا ہے۔

۵. یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ کو ایک جوگی نے بنوایا تھا جو سونا بنایا کرتا تھا اور اس نے اپنے نام "راول" کی مناسبت سے اس کا نام قلعہ راول رکھا۔

مقامی لوگوں کی آراء

یہاں رہنے والے کچھ لوگ اسے راجہ داہر کا قلعہ کہتے ہیں لیکن زیادہ تر لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ اس قلعہ کا بانی اور پہلا حاکم راجہ ڈیراور تھا جسے چولستان میں سفر کے دوران جواہرات سے بھرا ہوا ایک صندوق ملا تھا اور اس نے اسی پیسے سے یہاں قلعہ تعمیر کرایا۔ اپنی اس بات کی تصدیق کے طور پر لوگ اس روایت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

روایت

یہ بات کافی پرانی ہے کہ قلعہ ڈراور میں اب بھی بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ اسی لئے ۱۹۷۶ء میں ایک شخص نے حکومت اور بہاول پور کے نوابوں سے یہ خزانہ تلاش کرنے کی پیش کش بھی کی تھی۔

معصومی نے اپنی کتاب "تاریخ معصومی" میں تحریر کیا ہے کہ محمود لانگاہ کے ایک ملازم اقبال خان نے مرزا شاہ حسن کو بتایا کہ ولاور کے قلعہ میں بہت بڑا خزانہ دفن ہے۔

اس خزانے کا ذکر سینہ بہ سینہ چلتا ہوا آج بھی یہاں کے لوگوں کا محبوب موضوعِ گفتگو ہے۔ کسی سے کبھی یہاں کی کوئی خاص بات کیجیے تو وہ فوراً خزانے کا تذکرہ چھیڑ دیتا ہے۔

اس بات میں لوگوں اور مورخین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ پہلے نواب صادق محمد خان نے

ایک میگھوال گھرانہ

ایک میگھوال عورت اپنے گھر کے سامنے کپڑے دھو رہی ہے

مینگھوال بچے

۱۱۷۶ ہجری میں اس قلعہ پر قبضہ کر لیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہ قلعہ جیسلمیر کے راجہ کے قبضہ میں آ گیا جسے عباسیہ خاندان کے نواب محمد مبارک خان نے واپس لے لیا اور یہ آج تک عباسیہ خاندان کے قبضہ میں ہے۔

اس قلعہ میں تہہ خانے، بڑی سرنگ، کئی ہال، گودام اور بے شمار چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں۔ عباسیہ خاندان نے اس میں کچھ اضافے بھی کئے۔ ان میں ان کے خاص کمرے اور ایک چھوٹا سا الگ حصہ جس میں میوزیم بنانے کی تجویز تھی، بھی موجود ہے۔

قلعہ کے عین درمیان میں ایک پرانی طرز کی توپ اور گولے بھی پڑے ہیں۔ جو دبے لفظوں میں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ قلعہ راول جوگی ہی نے بنوایا تھا۔ ان میں اب صرف چند ایک بزرگ ایسے رہ گئے ہیں جو سانپ کے ڈسنے کا علاج کرتے ہیں۔ کچھ بوٹیاں جمع کر کے بازار میں فروخت کر آتے ہیں۔

مینگھوال / مینگھ واڑ

یہاں مینگھ والوں کی ایک بستی ہے جس میں دس بارہ گھر ہوں گے اور لوگوں کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہو گی۔ یہ لوگ ہندو ہیں لیکن پوجا پاٹ نہیں کرتے۔ بھگت کبیر کے بھجن گاتے ہیں اور گورو نانک پر یقین رکھتے ہیں۔ عورتیں چولستان کا روائتی لباس گھگھرا اور چولی پہنتی ہیں۔ گلے میں چاندی کے زیورات اور ہاتھوں میں کندھے تک پلاسٹک کا چوڑا ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ مرد دھوتی (تہبند) اور قمیض پہنتے ہیں۔

ذریعہ معاش

بہاول پور میں جتنے بھی مینگھوال آباد ہیں وہ زیادہ تر لوئیاں، لوکاریں اور فلاسیاں بنتے ہیں لیکن کچھ ساتھ ساتھ کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ قلعہ ڈراور کے مینگھوال بھیڑیں اور اونٹ

ایک میگھوال کھڈی پر لوکار بن رہا ہے۔

بستی قلعہ ڈراور کا ایک میگھوال

پالتے ہیں مگر زیادہ تر انحصار بنائی کے کام پر ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی دستی کھڈیوں پر خوبصورت لوکاریں اور فلاسیاں بنتے ہیں۔ ایک چھوٹا سا گڑھا کھود کر کھڈی لگا لیتے ہیں اور اسے پیروں سے چلاتے ہیں۔

رسم و رواج

مینگھوال شادی سے پہلے پنڈت سے دن نکلواتے ہیں اور پھر شادی کے دن پھیرے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

قلعہ اسلام گڑھ

اس قلعہ کے بارے میں مؤرخین نے زیادہ تحقیق اس لئے نہیں کی لوگوں کا خیال ہے کہ اسے جیسلمیر کے ایک راجہ نے بنوایا تھا اور محمد بن قاسم بھی اس قلعہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہاں تین کنوئیں ہیں جن میں سے دو کا پانی بہت میٹھا اور خوش ذائقہ ہے۔ اسی لئے یہاں رہنے والوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ یہاں کالے رنگ کے اونٹ پائے جاتے ہیں۔

قومیں

یہاں مہر، جویا، اعوان اور بھٹے آباد ہیں۔

قلعہ ڈراور کا اژدھا

لوگ اس روایت پر یقین رکھتے ہیں کہ یہاں ایک بہت بڑا اژدھا موجود ہے جو قلعہ میں موجود خزانے کی حفاظت کرتا ہے۔

ایک اور روایت

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس قلعہ کا بڑا حصہ ریت میں دب چکا ہے۔ جس میں بڑی بڑی سرنگیں گھوڑوں اور اونٹوں کے اصطبل تھے۔ یہاں رہنے والے لوگ قلعہ کے ماضی اور روایات سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ کبھی کبھی یوں گمان ہونے لگتا ہے جیسے وہ ان کا کوئی روحانی مرکز بھی ہے۔

بازار

قلعہ کے قریب ایک بازار بھی ہے جس کے اب صرف نشانات باقی ہیں جنہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی یہ بڑا بارونق بازار ہوگا۔ قریب قریب اور فاصلوں پر کچے مکانات کے کھنڈرات بھی موجود ہیں۔

مسجد

قریب ہی ایک مسجد بھی ہے جسے عباسیہ خاندان نے تعمیر کرایا تھا۔

مزار / قبریں

قلعہ سے کچھ فاصلہ پر نوابوں کی قبریں ہیں۔ عورتوں کی قبریں الگ ہیں۔ جہاں خاندان کے افراد کے سوا کوئی نہیں جا سکتا لیکن مردوں اور خاص طور پر نوابوں کی قبریں ایک ہی ہال میں ہیں جہاں نواب ترتیب وار دفن ہیں۔ جب رکھوالے سے پوچھا گیا کہ یہ خوبصورت نقش و نگار والا ہال کس طرح تعمیر ہوا تو اس نے کہا۔ آدمیوں کی ایک قطار شہر تک پھیلی ہوئی تھی وہ اینٹیں ایک دوسرے کو پکڑاتے جاتے تھے اور اس طرح ساری چیزیں یہاں جمع کی گئی تھیں۔

قومیں

ڈراور میں بلوچ، بھٹی، ڈاہر، اعوان، جوگی (راول) ڈاوڑ اور مینگھوال آباد ہیں۔

جوگی، راول اور ڈاوڑ

راول اور ڈاوڑ جوگی اپنے آپ کو راول جوگی کی لڑی میں سے بتاتے ہیں۔

ڈاہریں

چولستان میں راستہ تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ دور دور تک ریت کے ٹیلے پھیلے ہوئے ہیں جو بالکل ایک جیسے ہیں یہاں تک کہ ایک جگہ سے گزر کر اسی راستے سے واپس ہوں تو یقین نہیں آتا کہ ابھی یہیں سے گزرے تھے۔ یہاں شکار کھیلنے والوں کی جیپوں کے نشانات ایک راستہ سا بنا دیتے ہیں جس پر اونٹوں والے بھی چلتے ہیں اور اس طرح یہ ایک مخصوص نشان سا بن جاتا ہے جس سے راستے کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ راستے کے اس نشان کو مقامی لوگ "ڈاہر" کہتے ہیں لیکن کچھ "لیہیں" بھی پکارتے ہیں۔ یہ لیہیں یک دم غائب ہو جاتی ہیں اور ریت کا بڑا ٹیلہ راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے ایسے میں اگر گائیڈ ساتھ نہ ہو تو راستہ گم ہو جاتا ہے اور کئی کئی دن تک صحرا میں بھٹکنا پڑتا ہے۔ اگر راستہ کھو جائے تو پیاس اور بھوک سے بہت سے لوگوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔

بستی جالو والی

اس بستی میں زیادہ تر بھٹی قوم آباد ہے۔ اس بستی کے کچھ لوگ شہر میں ملازمت بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ دوسری بستیوں کی نسبت ترقی یافتہ ہے۔ یہاں ایک ہائی سکول بھی

ہے لیکن طالب علموں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔

ذریعۂ معاش

یہ لوگ بھیڑیں بھی پالتے ھیں اور ان کی اون فروخت کرتے ہیں۔ لیکن آمدنی کا ذریعہ زیادہ تر "کھار" پر ہے جس سے کپڑے دھونے کا مصالحہ تیار کیا جاتا ہے۔ اس کھار میں سے کچھ حصہ حکومت کا بھی ہوتا ہے۔

بھٹّی

یہ بھٹی اپنے آپ کو اس بھٹی کی اولاد بتاتے ھیں جسے موج گڑھ کا نواب جیسلمیر سے لایا تھا۔

لوک گیت

یہاں چولستان کے دوسرے علاقوں کی طرح خواجہ غلام فرید کا کلام بہت مقبول ہے یہاں ہمیں سکول کے چپڑاسی عبدالعزیز نے کچھ دوہے اور گیت سنائے۔ جن میں سے بہت سی چیزیں ہم پہلے بھی ریکارڈ کر چکے تھے لیکن ایک گیت جو کہ معتبول گیت رم جھم کی طرز پر تھا ہمارے لئے نیا تھا۔ عبدالعزیز نے بتایا کہ اس کا ردم دودھ بلوتے وقت جسم کی حرکت سے ملتا ہے اور یہ گیت بھی دودھ بلونے سے متعلق ہے۔
یہاں کے لوگوں کی زندگی پر شہری زندگی کے اثرات پھیل رہے اور یہاں کچھ پکے مکانات بھی ہیں۔

محمد اسلام کے عقب میں ڈاہریں نظر آرہی ہیں

جالنو والی سکول کا چپڑاسی عبدالعزیز لوک گیت ریکارڈ کراتے ہوئے

عبدالعزیز چپڑاسی موضع جانو والی نے یہ گیت سنایا

جو دم جیویں کھیر ولوڑ
بنیاں تے سب تجویزاں چھوڑ

ضم بکم تھی ونج ڈوڑا
مکھن نکلیا دوڑا چوڑا

نرمی نال ولوڑ ولوڑ
گھت نہ پانی، بر نہ تروڑ

جو دم جیویں کھیر ولوڑ
بنیاں تے سب تجویزاں چھوڑ

کھڑ لوڑ ولوڑ میں تھکیاں
مکھن نہیں آندا ہکیاں بکیاں
ہتھاں دیاں تھی گئیاں چٹاں جوڑ
جو دم جیویں کھیر ولوڑ

کھیر وٹوڑن محض محالے
رمز بوبی ساز دی گالے
نہ کر سوہناں ٹالی مٹالے

جو دم جیویں سنگتاں جوڑ
جو دم جیویں کھیر ولوڑ

جو دم جیویں کھیر ولوڑن
بنیاں تے سب تجویزاں چھوڑ

ٹھنڈی کھوہی

اس بستی کو ٹھنڈی کھوہی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں لوگ ایک ایسا کنواں کھودنے میں کامیاب ہو گئے جس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ اس لئے اس بستی کے لوگ یہاں تقریباً مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں اور جھونپڑیوں کی جگہ کچے مکانوں نے لے لی ہے۔ یہاں کی عورتیں کڑھائی کے کام میں مہارت رکھتی ہیں اور شہر کے لوگ آرڈر دے کر ان سے گینڈیاں لوکاریں، سرہانوں کے غلاف اور آٹا شکر ڈالنے والے تھیلے بنواتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے مٹی کے چبوترے پر سکول بھی ہے جہاں صرف قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بچے اور بچیاں صبح صبح مولوی صاحب کے پاس اس چبوترے (چونترے) پر جمع ہوتے جاتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں۔

یہاں زیادہ بھیڑیں پالی جاتی ہیں اور انہیں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ کچھ اچھی نسل کی بھیڑیں بھی ہیں جن کی اون بیچی جاتی ہے۔

یہاں سے ہم نے ایک قدیم ٹانکے والا سرہانہ، شکر اور آٹا ڈالنے والے تھیلے اور ایک غلاسی بھی خریدی۔ یہ سامان میوزیم کے لئے دے دیا گیا ہے۔

ٹھنڈی کھوہی میں ایک عورت اپنی جھونپڑی کے سامنے بیٹھی کڑھائی کر رہی ہے۔

ٹھنڈی کھوہی کا سکول (طالب علم اور مولوی صاحب)

کالے پاڑ

یہاں بھی ایک کنواں ہے۔ یہاں سب سے زیادہ ڈیپے آباد ہیں اور وسیع پیمانے پر اونٹوں کا کاروبار کرتے ہیں۔ اور اونٹوں کی مختلف نسلیں تیار کرتے اور پالتے ہیں۔ خاص نسل کی گائیں بھی پالی جاتی ہیں۔ یہاں کی عورتیں تو اپنا روایتی لباس پہنتی ہیں لیکن بعض مردوں نے تہبند کی جگہ شلوار پہننی شروع کر دی ہے۔ جب میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آپ اپنی بستی کو کالے پاڑ کیوں کہتے ہیں تو انہوں نے کوئی تسلی بخش بات نہیں بتائی۔ صرف اتنا کہا کہ زمینی کیفیت کے پیش نظر ایسا نام رکھا گیا تھا۔ یہاں کے لوگ بھی تقریباً مستقل طور پر رہائش پذیر ہیں۔ جھگیوں کے ساتھ ساتھ کافی کچے کوٹھے بھی ہیں۔

لوک گیت / لوک ناچ

یہاں کے نوجوان دوہے گاتے ھیں، کچھ اونٹوں کے گیت بھی گاتے ہیں لیکن جب ان سے سنانے کے لئے کہا گیا تو وہ کچھ شرما سے گئے، اس کے علاوہ جھومر اور تاڑی یہاں کے مقبول ناچ ہیں۔ تاڑی بھی جھومر ہی کی ایک قسم ہے صرف اس میں تالی کی آواز زیادہ گونجدار اور ردم کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔

چولستان کے خانہ بدوش

اوپر جن بستیوں کا ذکر آیا ہے ان کے علاوہ کچھ اور بستیاں مستقل حیثیت اختیار کر چکی ہیں اور یہاں رہنے والے بھی مستقل ہیں۔ لیکن بہت سے ٹوبے اور بستیاں غیر مستقل ہیں ان بستیوں کے لوگ وقتی طور پر کسی ٹوبے کے نزدیک جھگیاں لگا لیتے ہیں مگر جب پانی ختم ہو جاتا ہے تو کسی اور ٹوبے کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ ان ٹوبوں میں سے کچھ کے نام ہیں اور کچھ بے نام ہیں اور میرے خیال میں چولستان کے یہی لوگ چولستان کی ثقافت اور رسم و رواج کے اصل مالک ہیں جو کسی جگہ مستقل قیام نہیں کرتے بلکہ پورے چولستان میں گھومتے رہتے ہیں۔ وہ اب بھی شہری اور صنعتی زندگی سے بچے ہوئے ہیں اور اپنی قدیم رسموں اور ورثے کے محافظ ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے لباس روایتی اور خاص چولستانی ہیں۔ بھیڑیں، گائیں اور اونٹ پالتے ہیں۔ انہوں نے اپنے جانوروں کو ایسی عادت ڈال رکھی ہے کہ وہ ہفتے میں صرف ایک مرتبہ پانی پیتے ہیں۔ ان میں زیادہ بلوچ، راجپوت اور سلے ہیں۔ یہ لوگ بارش کے لئے دعا مانگتے رہتے ہیں کیونکہ بارش ہونے سے چولستان میں بہار آجاتی ہے۔ بوٹیاں سرسبز ہو جاتی ہیں اور جانوروں کے لئے پانی اور چارہ وافر مقدار میں فراہم ہوتا ہے۔ بارش کے بعد وہ گھاس خوب اُگ آتی ہے جو خس کی ٹٹیاں بنانے کے کام آتی ہے جیسے یہ لوگ اپنی جھونپڑیاں بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

چولستان کے عام لوگوں کی طرح یہ خانہ بدوش بھی اپنے جانوروں کے گلے میں بڑے بڑے ٹل اور گھنٹیاں باندھتے ہیں اور انہیں چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے جانور چرنے کے بعد خود بخود واپس آجاتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ گھنٹیوں کی بے شمار آوازوں میں سے وہ اپنی گائے کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹی کی آواز پہچان لیتا ہے۔

ان لوگوں کی زبان خالص سرائیکی اور سرائیکی ملی مارواڑی بھی ہے۔ عام خانہ بدوشوں کی

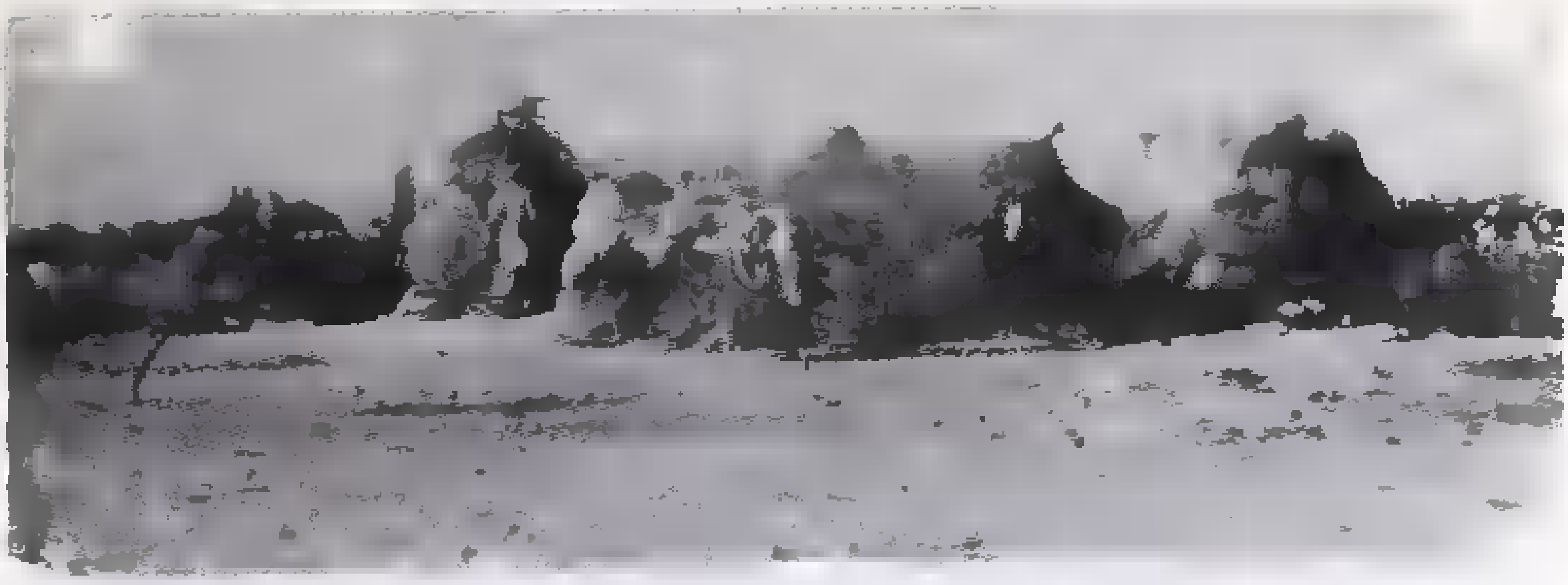

ڈھیہوں کی ایک بستی

مسلا قوم کے دو چولستانی خانہ بدوش

طرح وہ بھی ڈرے ڈرے اور سہمے ہوئے رہتے ہیں. کسی شہری بابو کو دیکھ لیں تو ان کی مسکینی کو دکر چہرے پر بیٹھ جاتی ہے اور کچھ دیر بعد بے چینی سی محسوس کرنے لگتے۔ حسین کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر دیکھ کر سہم سے جاتے ہیں۔

یہ لوگ چولستانی کرافٹس کے اصل مالک ہیں۔ مستقل رہائش رکھنے والوں نے ان کرافٹس کو کمرشل سطح پر اپنا لیا ہے لیکن چولستان کے خانہ بدوش اب بھی صرف ذاتی استعمال کے لئے چیزیں بناتے ہیں جن میں اونٹ کے بالوں کی فلاسیں، لوکاریں اور اونٹوں کی سجاوٹ کا سامان شامل ہے اس کے علاوہ یہ لوگ اونٹ کی کھال سے گھی رکھنے کے کپے بھی بناتے ہیں۔

لوک گیت / میلے / لوک ناچ

چولستان کے خانہ بدوش روایتی اور قدیم گیت گاتے ہیں لیکن اگر کوئی شہری آدمی ان کے قریب جائے تو گانا بند کر دیتے ہیں۔ اونٹوں کے گیت اور خواجہ غلام فرید کی کافیاں ان میں بہت مقبول ہیں۔ یہ لوگ خواجہ فرید کے سچے پرستار ہیں اور انہیں اپنا پیر مانتے ہیں۔ مشکل آجائے تو خواجہ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ لیکن چنن پیر کے میلے میں بھی ضرور شریک ہوتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔

میلوں اور خوشی کے موقعوں پر چولستان کے خانہ بدوش دل کھول کر شریک ہوتے ہیں اور جھومر ناچتے ہیں۔

چنن پیر

جہاں چنن پیر کا مزار ہے اس بستی کو بستی چنن پیر کہا جاتا ہے ارد گرد کے تیس اور چالیس چالیس میلوں پر رہنے والے لوگ چنن پیر کے میلہ پر ضرور آتے ہیں۔ میلہ شروع ہونے سے پہلے اونٹوں کے قافلے بستی میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

مؤرخین نے چنن پیر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے لیکن لوگوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ آپ ایک ہندو راجہ کے بیٹے تھے لیکن کسی روحانی بزرگ نے پیشین گوئی کی تھی کہ راجہ کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوگا وہ مسلمان ہوگا چنانچہ راجہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اسے لکڑی کے صندوق میں بند کر کے ریگستان میں پھینکوا دیا لیکن بچہ زندہ رہا اور بڑا ہو کر اپنی روحانیت کے باعث نامور ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب صندوق ریگستان میں پھینکا گیا تو یک دم ریت میں دھنس گیا جس پر بعد میں لوگوں نے مزار تعمیر کیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا اصل نام دلیل پیر ہے۔

لوگوں نے جس پیر اور بزرگ کی پیشین گوئی کا ذکر کیا ہے محققین کے خیال میں ان کا نام جلال الدین بخاری تھا جن کا مزار اوچ شریف میں ہے۔ آپ بخاری سلسلے کے اہم بزرگ ہیں۔

چنن پیر کی روایت حضرت موسیٰ اور ایڈی پس سے ملتی جلتی ہے لیکن چولستان کے لوگ تفصیلات میں جانے کی بجائے چنن پیر کی روحانی طاقت پر یقین رکھتے ہیں، ان کی منتیں پوری ہوتی ہیں۔

چیتر کے مہینے میں بھاری میلہ لگتا ہے اور جمعرات کو لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر قافلوں کی صورت میں مزار پر آتے ہیں۔ یہاں کی ایک مشہور منت "اٹا کھٹا" ہے جس کے تحت خاص

مزار چنن پیر

مقدار میں آٹا اور بھیڑ کی قربانی دینا ہے۔ جب کسی کی کوئی مراد ہوتی ہے تو وہ دربار جا کر "آٹا کھنا" منت مانتا ہے اور مراد پوری ہو جانے پر منت پوری کرتا ہے۔

خواجہ غلام فرید کی کافیاں گائی جاتی ہیں۔ میر عالم بھی بلائے جاتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے قوالی بھی ہونے لگی ہے۔

جھومر ناچ ہوتا ہے تو عورتیں بھی ایک طرف اکٹھی ہو کر ناچنے لگتی ہیں۔ جمعرات کو شروع ہو کر میلہ جمعہ کی دوپہر کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

میلے کے علاوہ بھی لوگ دور دور سے اونٹوں پہ بیٹھ کر سلام کرنے آتے ہیں۔ اور منتیں مانتے ہیں۔

خواجہ فرید کی روہی

صحرا کو مذہبی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ بہت سے صوفیا اور رُوحانی بزرگوں نے طریقت اور معرفت کے مراحل صحراؤں میں طے کیئے۔ میرے خیال میں صوفیا کے علاوہ اگر ایک عام انسان بھی صحرا میں کچھ دن بسر کرے تو اس کی غلاظتیں جھڑنے لگتی ہیں اور زندگی کا اصل راز اس پر افشا ہو جاتا ہے۔ یہاں آکر مجھے تو ایسا احساس ہوا جیسے میں اللہ کے بہت قریب آگیا ہوں - میرے خیال میں صوفیائے کرام نے صحرا کو اسی لئے منتخب کیا کہ یہاں انسان اپنے اندر جھانک سکتا ہے اور انسان کی اصلیت کو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خواجہ غلام فرید نے بھی صحرا کو اسی لئے منتخب کیا ہوگا کہ یہاں طریقت اور معرفت کے مراحل طے کرنے کے لئے ماحول میسّر آتا ہے۔ چولستان میں جن روحانی بزرگوں اور صوفیا کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اُن میں ایک بخاری سلسلہ کے جلال الدین حیدر بخاری اور دوسرے چشتیہ سلسلہ کے خواجہ غلام فرید ہیں۔ خواجہ صاحب کی شاعری میں عشق ایک پاک رُوح کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے جو کبھی خواجہ صاحب میں حلول کر جاتی ہے اور کبھی خواجہ صاحب اس میں ضم ہو کر اپنے آپ کی نفی کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں ۔۔ خواجہ صاحب نے اپنے اشعار میں روہی کی جن خوب صورت عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ بھی صحرا کی روح کے حُسن کا عکس ہیں۔

یہ وہ تجربہ ہے جو چولستان میں طویل ریاضت کے بعد خواجہ صاحب کو حاصل ہوا اور آپ فنا فی اللہ ہوئے ۔۔۔ آپ نے عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک کی منزلیں روہی میں طے کیں اور ایک چولستانی خاتون جنّت بی بی سے عشق بھی کیا۔ جنت بی بی ہی نہیں آپ کو

روہی کے پرندوں، کیکروں، پودوں اور ریت کے ذرّے ذرّے سے عشق تھا۔ انہوں نے جنت بی بی کی ڈاچیاں بھی چرائیں اور طویل عرصہ ریاضت میں گزارا۔

خواجہ صاحب کے اشعار کے حوالے سے دیکھا جائے تو روہی کا کردار اچھوتا اور انوکھا دکھائی دیتا ہے۔ اپنے اشعار میں صرف خواجہ فرید نے روہی سے باتیں نہیں کیں بلکہ روہی بھی خواجہ صاحب سے مخاطب ہوتی ہے اور اس کی آواز عرب کے صحراؤں تک پھیلی ہوئی ہے اور خواجہ صاحب کے کلام کے لفظ لفظ میں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ۔۔۔ لہذا روہی کا عرب کے صحراؤں تک پھیل جانا خواجہ صاحب کی معرفت اور جذب کی ہی ایک کیفیت ہے۔ اسی لئے اُن کے کلام میں وہ کیفیت ہے جو لوگوں کو بے قرار اور بے چین کر دیتی ہے۔ میرے خیال میں صحرا اپنے بازو پھیلائے خواجہ فرید جیسے بزرگوں کا انتظار کرتے رہے ہیں کیونکہ ان کے ہاں ایسے بزرگوں کی موجودگی زندگی کی آنکھوں سے اوجھل چیزوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ خواجہ کو روہی سے اور روہی کو خواجہ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لئے تو لوگوں کے اعتقاد کے مطابق خواجہ غلام فرید وصال کے بعد بھی روہی میں چلتے پھرتے ہیں اور روہی ان کی موجودگی کے نشے میں مست رہتی ہے ۔۔۔ لوگوں کے اس اعتقاد سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو خواجہ کے اشعار بھی ایسا ہی احساس مرتب کرتے ہیں۔

روہی میں اٹھارہ سال کی ریاضت ایک ایسا مرحلہ ہے جس نے خواجہ فرید کو ذرّے ذرّے میں اللہ کا ظہور دکھایا اور جنت بی بی بھی ایک عام حسین چیز کی طرح بڑے اور ازلی حسن کے ادراک کا حوالہ بن گئی۔

کہتے ہیں کہ خواجہ فرید نے جنت بی بی یا بی بی جنت کو دیکھا تو اس کے حسن اور سادگی سے بہت متأثر ہوئے۔ آپ نے جہاں قیام فرمایا تھا جنت بی بی قریبی ٹوبے سے پانی بھرنے آتی تھی چونکہ بہاول پور کے نواب خواجہ صاحب کے خاندان کے پرانے مرید تھے اس لئے نواب نے لڑکی کے والدین کو کہا کہ وہ اپنی لڑکی کا رشتہ خواجہ صاحب کیلئے دیدیں لیکن اس کے

والدین نے کہا کہ ہم لاڑ ہیں خواجہ صاحب کریجہ۔ لہذا یہ رشتہ ممکن نہیں کیونکہ ہم لاڑوں میں ہی رشتہ کرتے ہیں۔ نواب نے سختی کرنا چاہی لیکن آپ نے منع کر دیا اور کچھ عرصہ بعد لاڑوں کی ڈاچیاں چرانے لگے۔ ایک مرتبہ بارش نہ ہونے سے چولستان کے لوگوں کا برا حال ہو گیا جانور اور انسان پیاس کی شدت سے بلبلا اُٹھے۔ خواجہ فرید نے دُعا کی تو بارش ہونے لگی اور چولستان کے لوگوں پر آپ کی معرفت اور طریقت کا بھید کھُلا۔ لاڑوں نے فوراً اپنی بیٹی کا رشتہ خواجہ صاحب سے طے کر دیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب لاڑوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو آپ چاچڑاں شریف واپس آ گئے۔ لیکن روہی میں سخت گرمی پڑی اور بارش نہ ہوئی تو جنت بی بی کا بھائی اسے اُونٹ پر بٹھا کر آپ کے پاس لے آیا اور شادی کی پیش کش کی۔

مَیں نے خواجہ فرید کی روہی کے تحت اس جذب اور معرفت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے جس میں روہی کا کردار بڑا واضح اور اہم ہے لہذا اپنے اشعار میں خواجہ نے روہی کے بارے میں یوں کہا ہے :-

پر وحشت سنجڑی روہی
اے دل دیوانی موہی

متھی راہی برڈوں جلساں　　دل راہوں مول نہ ولساں
ونج ساتھ پرینڈے رلساں　　وچ روہی کرسوں پوہی

ان اشعار میں ویران اور وحشت ناک روہی نے خواجہ کا دل موہ لیا ہے۔ اس کے باوجود وہ روہی کے مشکل راستے طے کرنا چاہتے ہیں میرے خیال میں اگر ان اشعار کو اُن کی کافی "مینڈا عشق دی توں" کے حوالے سے دیکھا جائے تو صوفیا کا جذب اس وقت اپنی مکمل صورت اختیار کر لیتا ہے جب وہ کہتے ہیں

"مینڈا ملک ملیر تے مارو تھلڑا　　روہی چولستان دی توں"

لہذا اشعار کے ان حوالوں سے جنت بی بی سے عشق اور پھر عشق حقیقی تک سفر میں خواجہ صاحب کا نظریہ وحدت الوجود پوری طرح سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ اور بات ہمہ اوست تک جا پہنچی ہے

خواجہ فرید

خواجہ صاحب کی زندگی اور مسلک کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے میں یہاں مختصراً ان باتوں کا تذکرہ کروں گا۔

آپ ۱۲۶۱ ہجری میں چاچڑاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خدا بخش ہے اور لقب محبوب الٰہی. آپ نے رُوحانی فیض حضرت حسن سنجری معین الدین اجمیری سے حاصل کیا اور سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہوئے ــــ خواجہ فرید نے اپنے والد کے بارے میں مناقب محبوبیہؔ میں درج کیا ہے:۔

نواب صادق محمد حضرت قاضی محمد عاقلؒ کے سامنے بیٹھے تھے (قاضی محمد آپ کے مرشد بھی تھے) اور حضرت قاضی محمد عاقل پیٹھ کے بل سوئے ہوئے تھے قریب ہی حضرت محبوب الٰہی (غلام فرید کے والدِ گرامی) کھیل رہے تھے۔ یہ حضرت محبوبِ الٰہی کے بچپن کا زمانہ تھا حضرت قاضی محمد عاقلؒ نے حضرت محبوب الٰہی سے فرمایا۔ اے عزیز میرے سینے پر سو جاؤ اور میرے منہ پر منہ رکھو حضرت محبوب الٰہی نے تعمیل کی اور پورا ایک گھنٹہ سینہ پر سوئے رہے حضرت "قاضی محمد عاقلؒ" نے فرمایا "شما فقیر اولاد شما فقیر" یعنی تم فقیر ہو تمہاری اولاد بھی فقیر ہوگی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ احمد علی نے فرمایا اگر اجازت ہو تو تاج محمود کو پیش کروں حضرت قاضی محمد عاقلؒ نے فرمایا لے آؤ جب خواجہ احمد علی خواجہ تاج محمود کو لے آئے تو حضرت قاضی محمد عاقلؒ نے خواجہ تاج محمود کو تقریباً تہائی گھنٹہ حضرت محبوب الٰہی کی طرح اپنے سینہ پر سلایا اور فرمایا تم فقیر ہو لیکن حضرت محبوب الٰہی کی مرتبہ آپ نے فرمایا تھا تم فقیر ہو اور تمہاری اولاد بھی فقیر ہوگی۔

اور یہی ہوا۔ آپ کے دو فرزند روحانی سلسلہ میں بڑے مقام تک پہنچے۔ ایک کا نام مولانا فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ۔

بیعت

خواجہ فرید نے اپنے بڑے بھائی مولانا فخرالدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

خواجہ فرید کا سلسلۂ نسب

خواجہ غلام فریدؒ	شیخ حاجی فضل اللہ	یوسف
خواجہ خدا بخش محبوب الٰہیؒ	شیخ پریا	عیسیٰ
خواجہ احمد علیؒ	شیخ طاہر	احمد
قاضی محمد عاقلؒ	شیخ منہاج	محمد
خواجہ محمد شریفؒ	شیخ پنول	عبداللہ
خواجہ محمد یعقوبؒ	شیخ کور	منصور
مخدوم نور محمدؒ	شیخ پریا	مالک
ذکریا	حسین	یحییٰ
شیخ حسین	محمد	محمد
پریا	محسن	سلیمان
شیخ حاجی	موسےٰ	ناصر

شیخ نوشندا	زید	عبداللہ
شیخ حاجی	ناصر	امیرالمومنین عمر ابن خطابؓ
شیخ صدرالدین	حسن	(خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ)

آپ کی شادیاں

روایت ہے کہ آپ نے چار شادیاں کیں جن کے مزار آپ کے مزار کے عقب میں واقع ہیں جب میں نے یہاں کے رکھوالے سے پوچھا کہ ان میں سے روہی والی بی بی کا مزار کون سا ہے تو اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ شمس الدین گیلانی کے مطابق آپ نے ایک شادی بازاری عورت سے بھی کی تھی۔

خواجہ صاحب کی کرامات

یہاں میں ایک ایسا واقعہ درج کرنے والا ہوں جو مجھے کسی کتاب میں پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

خواجہ صاحب اوچ میں تشریف لائے تو خواجگان نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مخدوم گنج بخش کے پیروں پہ ہاتھ نہ رکھیں کیونکہ آپ بھی ان کی طرح ایک روحانی بزرگ ہیں وہ بھی مخدوم ہیں اور ہم بھی۔ خواجہ صاحب نے وعدہ کر لیا کہ اب کی بار ان کے پیروں کو نہیں چھوئیں گے لیکن جب مخدوم گنج بخش کے پاس پہنچے تو اُن کے پیروں پہ بوسہ دیا۔ خواجگان نے رنج کے عالم میں آپ سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ پیر بھی نہیں چھوؤں گا مگر آپ نے تو بوسہ دے دیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا میں مخدوم گنج بخش کے پیروں کو کیوں بوسہ دیتا وہ بھی مخدوم، میں بھی مخدوم، قسم ہے اگر آپ میرے سچے مرید ہیں، میں نے تو حضرت مولا علیؓ

کے پیروں کو بوسہ دیا ہے۔

خواجہ صاحب ویسے تو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہیں ہر سلسلہ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ خاص طور پہ وہ سلسلۂ قادریہ کو بہت پسند کرتے تھے اور آخری ایام میں یہ پسندیدگی شدت اختیار کر گئی تھی میرے خیال میں خواجہ صاحب کا اپنا ایک سلسلہ تھا جسے کوئی نام دینا مشکل ہے۔ انہوں نے معرفت کی جو منزلیں طے کی تھیں انہوں نے خواجہ صاحب کو ایک منفرد اور الگ راہ دکھائی تھی اور یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کی طرف راغب ہوئے اور خاندان میں سب سے زیادہ نام پایا۔ آپ کے چچا تاج پاک نے کہا تھا کہ ایک ایسی ہستی آنے والی ہے جس کے نام سے ہم سب پہچانے جائیں گے اور بعد میں یہ بالکل صحیح ثابت ہوا۔ مزارات کے رکھوالے نے مجھے بتایا کہ آج کل جو منت بھی آتی ہے خواجہ فرید کے نام کی آتی ہے۔

لوگ آج کل خواجہ صاحب کے مزار پہ حاضری دینے کی منت بھی پوری کرتے ہیں اور بعض لوگ تو اس وقت تک مزار پہ موجود رہتے ہیں جب تک مراد پوری نہ ہو جائے۔ خلیفہ نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ ایک بیمار عورت یہاں آئی میں نے اسے تعویذ دیا لیکن اس کی حالت نہ سنبھلی ایک رات کو خواب میں حضرت خواجہ فرید نے اس عورت سے کہا خلیفہ سے کہو مزار پر جو فانوس لٹکتے ہیں ان میں پانی ڈال کر پلاؤ اور پھر وہ پانی پیو۔ خلیفہ کہتا ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا اور وہ عورت بھلی چنگی ہو گئی۔

خواجہ صاحب کی سخاوت

خواجہ صاحب کی سخاوت کے سلسلہ میں بہت سی باتیں کتابوں میں آ چکی ہیں۔ آپ اس قدر سخی تھے کہ بیویوں کے زیورات بھی حاجت مندوں کو دے دیا کرتے تھے۔

آخری آرام گاہ / کوٹ مٹھن

خواجہ صاحب کی آخری آرام گاہ کوٹ مٹھن میں ہے ۔ مٹھن خان ایک سردار کا نام ہے جو آپ کے خاندان کا مرید تھا اور اس نے آپ کے خاندان کو یہاں اراضی نذر کی تھی یہیں پہ آپ کے خاندان کے مزارات بھی ہیں۔

یہاں مجھے اوقاف کے مینجر نے وہ حجرہ بھی دکھایا جہاں خواجہ صاحب بیٹھا کرتے تھے۔ اس حجرے میں ایک پلنگ بھی رکھا ہے جو آپ کے زیرِ استعمال رہا۔ اس پلنگ کے رنگین پائے اور چوکاٹھ وہی ہے البتہ نواڑ اور اوپر پڑی ہوئی چادر تبدیل ہو چکی ہے۔ مینجر اوقاف نے مجھے بتایا کہ خواجہ فرید کا جبّہ اور کچھ دوسری چیزیں اس کے پاس گھر میں موجود ہیں۔

خواجہ صاحب کو وصال فرمائے چھہتّر برس ہو چکے ہیں۔ لوگ دُور دُور سے سلام کرنے کوٹ مٹھن آتے ہیں۔ ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

آپ کا عرس (میلہ) ۷ ربیع الثانی کو شروع ہوتا ہے اور سندھ، پنجاب، بلوچستان سے لوگ پورے خاندان سمیت آتے ہیں اور عرس کے دنوں میں یہاں قیام کرتے ہیں۔

میلہ کے علاوہ بھی آپ کے مزار پر بیٹھ کر لوگ آپ کا کلام گاتے ہیں جب ہم مزار پر پہنچے تو محمد بخش آپ کی مقبول کافی "مینڈا عشق وی توں" گا رہا تھا اور بہت سے لوگ اردگرد بیٹھے سُن رہے تھے۔ محمد بخش سے گفتگو ہوئی تو اُس نے بتایا کہ وہ پیر ولی محمد سلطان کا قوال ہے اور موضع پیر عبدالمالک تھانہ آباد پور، ضلع رحیم یار خاں میں رہتا ہے۔

محمد بخش فارسی کلام بھی گاتا ہے۔ شادی بیاہوں پہ جا کر سہرے گاتا ہے۔

خواجہ فرید کے مزار کا دروازہ

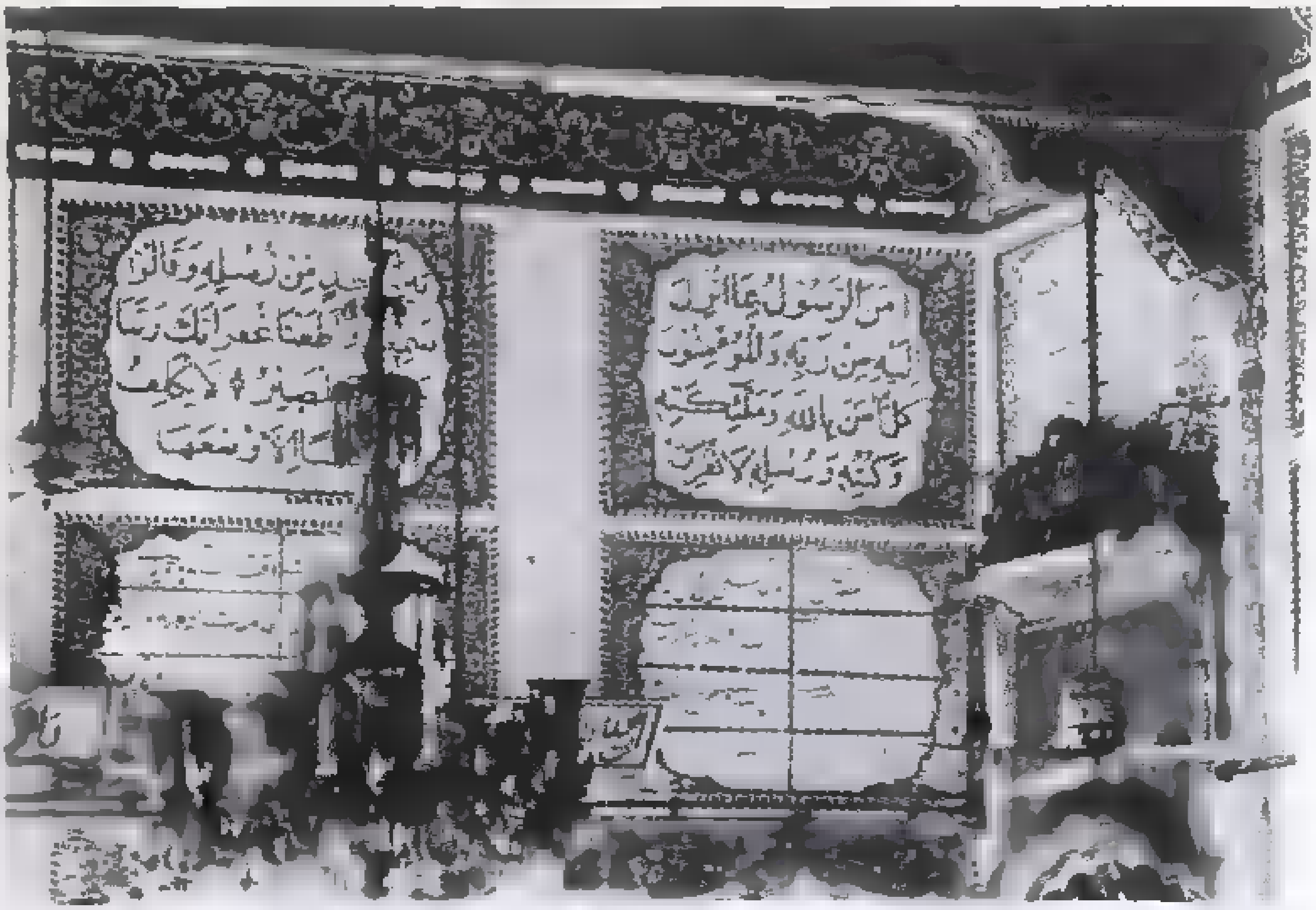

خواجہ فرید کے مزار کی دیوار اور وہ فانوس جس کے بارے میں
خلیفہ نے روایت سنائی

خواجہ صاحب کے دربار کے صحن میں خلیفہ سے معلومات اکٹھی کی جارہی ہیں۔

کوٹ مٹھن میں مزارات اور عرسوں کی تاریخیں

۱۔ قاضی محمد عاقلؒ	۸ رجب المرجب
۲۔ خواجہ محبوب الٰہیؒ	۲ ذوالحجہ
۳۔ خواجہ احمد علی	۹ شعبان المعظم
۴۔ مولانا فخر جہاں	۵ جمادی الاوّل
۵۔ حضرت نازک کریم	۲۱ رمضان المبارک
۶۔ حضرت خواجہ معین الدین	۲ جمادی الاوّل
۷۔ حضرت خواجہ قطب الدین	۲۳ رجب المرجب
۸۔ حضرت خواجہ فیض احمد	۲ صفر المظفر

ان بزرگوں کے بارے میں تفصیلات کتابوں میں آچکی ہیں۔

چولستان کے کنارے آباد اہم علاقے

چولستان کے بعد اصولاً مجھے اُن علاقوں کا ذکر کرنا چاہیئے تھا جو چولستان کے کنارے پر آباد ہیں لیکن خواجہ فرید کے حوالے سے مجھے کوٹ مٹھن کا ذکر بھی کرنا پڑا ورنہ کمی رہ جاتی ـــــ منڈی یزمان اور احمد پور شرقیہ چولستان کے کنارے پر واقع ہیں اور اس لحاظ سے بڑی اہمیّت رکھتے ہیں کہ بہت سے چولستانی یہاں آباد ہو چکے ہیں۔ اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت منڈی یزمان کو حاصل ہے۔

منڈی یزمان

یہ علاقہ کبھی چولستان کا حصہ تھا لیکن اب آباد ہو چکا ہے یہاں زیادہ تر آباد کار رہتے ہیں جن کے بزرگوں نے پنجاب کے مختلف حصوں سے آکر یہاں کی زمینیں آباد کیں اور فصلیں اگائیں۔ یزمان عربی نام ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس سے پہلے اس علاقہ کا کیا نام تھا البتہ یزمان

عباسیہ خاندان کے نوابوں کے وقت میں رکھا گیا تھا ۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہاں بہت بڑی منڈی ہے لیکن اس رپورٹ کے نقطۂ نظر سے یزمان کی اہمیت وہ لوگ ہیں جو چولستان سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ ان کی زندگی پر آبادکاروں کی ثقافت کے اثرات نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ الگ پہچانے جاتے ہیں اور اپنی قدیم روایات کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

منڈی یزمان پہنچنے کے لئے ہمیں بڑی تگ و دو کرنی پڑی۔ اس لئے کہ ہم چولستان میں سے منڈی میں داخل ہوئے اور نہر کے کنارے دلدل میں ہماری جیپ کئی مرتبہ پھنس گئی اور ہمیں مقامی لوگوں کی مدد بھی حاصل کرنا پڑی اور خود بھی دلدل میں گھسنا پڑا جس کی تفصیل تصاویر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

جب ہم منڈی یزمان پہنچے تو ہماری ملاقات چودھری احسان اللہ سے ہوئی جنہوں نے ہمیں بڑی اہم اور ضروری معلومات فراہم کیں اور ریسرچ کے سلسلہ میں ہماری مدد بھی کی۔ یہاں بہت سے چولستانی ہندو آباد ہیں جن میں باورییے اور مینگھ وال سرِفہرست ہیں۔

جیپ دلدل میں پھنسی ہوئی ہے

چولستان میں راستہ بھول جانے کے بعد اور منڈی یزمان پہنچنے سے پہلے مظہر الاسلام

باوریئے

باوریئے گرو نانک کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور بھگت کبیر کی زندگی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھجن گاتے ہیں اور روایتی ساز دبورا اور کینسیاں استعمال کرتے ہیں۔

باوریئے اپنے آپ کو راجپوت بتاتے ہیں مختلف حصوں میں ایک چار دیواری کے اندر پندرہ یا بیس گھر ہوتے ہیں اور باوریئے مل کر رہتے ہیں۔ کرم مارام نے جو کہ چک نمبر ۹۶ ڈی بی ڈاکخانہ تحصیل یزمان ضلع بہاولپور میں رہتا ہے مجھے بتایا کہ وہ راجپوت چوہان ہے اور لفظ باوریئے باوری کا غلط العام ہے جس کا تعلق شکار کھیلنے سے ہے۔ پہلے یہ لوگ پورے چولستان میں گھومتے پھرتے تھے لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد مستقل طور پر منڈی یزمان اور ضلع بہاولپور کے دوسرے حصوں میں آباد ہو گئے۔ کرم مارام کا خیال ہے کہ چولستان پر پہلا راج راجپوتوں کا تھا جو کہ چوہان تھے۔

لباس

باوری عورتیں گھگھرا اور چولی پہنتی ہیں۔ کنواری اور بیاہی ہوئی سب عورتیں چاندی کے زیورات پہنتی ہیں۔ اور سر سے پاؤں تک زیورات سے لدی ہوئی ہوتی ہیں ___ مرد لانگڑ کرتے ہیں جو کہ اصل میں تہبند ہی ہے لیکن وہ اسے ٹانگوں کے درمیان سے نکال کر پیچھے باندھ لیتے ہیں اور یہی اُن کی خاص پہچان ہے۔

ذریعہ معاش

ان کا ذریعہ معاش زمینداروں کی فصلوں کی کٹائی اور اُڑائی ہے۔ پیسے کمانے کے لئے کوئی ناجائز طریقہ استعمال نہیں کرتے علاقے میں شریف مشہور ہیں۔ نہ چوری کرتے ہیں اور نہ کسی کا دل دکھاتے ہیں۔

عکسی مفتی باوری عورتوں سے ان کے رسم ورواج اور زیورات کے بارے میں
معلومات اکٹھی کر رہے ہیں

باوری عورتوں کا لباس

شادی بیاہ رسمیں

باوریئے قدیم ہندوانہ رسموں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ چاچا تایا کی لڑکی سے بھی شادی نہیں کرتے طلاق ناممکن ہے لیکن اگر میاں بیوی میں سے کوئی مر جائے تو دوسرا شادی کرسکتا ہے۔ شادی سے پہلے پنڈت سے دن نکلوایا جاتا اور پھر شادی کے پھیرے لگتے ہیں اسی طرح موت کے بعد کُل کے لئے، پنڈت دن نکالتا ہے۔ پنڈت بہت کم ہیں ایک رحیم یار خان میں رہتا ہے۔

اگر باوریوں کی کوئی لڑکی کسی مسلمان کے ساتھ چلی جائے تو وہ اسے واپس نہیں لیتے۔ ایسا ایک واقعہ ہو چکا ہے۔ شادی کے موقعوں پر بھی بھجن گائے جاتے ہیں۔ اور عورتیں مرد جھومر ناچتے ہیں۔ ایک اور جھومر کی طرح کا ہی ناچ باوریوں میں بہت مقبول ہے جسے وہ غت کہتے ہیں۔

حلال/حرام

باوریئے عام ہندوؤں کی طرح بڑا گوشت نہیں کھاتے۔ گائے پالتے ہیں۔ اس کا دودھ بھی پیتے ہیں لیکن اسے مقدس سمجھتے ہیں۔

نیولا، گو، سیہ، بکرا اور سؤر کا گوشت خوشی سے کھاتے ہیں۔ گدھا ان کی بھٹ ہے اور خاکروب بھی اسی فہرست میں شامل ہے۔ بھیل اور منگیہ وال جو کہ ہندوؤں کی ہی گوت ہیں۔ باوریوں کی بھٹ ہیں اور وہ انہیں اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ مرغ اور جسم بیچنے والی عورتیں بھی بھٹ ہیں۔

باوریوں کا بڑا میلہ فلات (ہندوستان) میں اسوج میں لگتا ہے۔ وہ ہولی اور دیوالی کا

ایک باوری خاتون "روپالی" اور زیورات

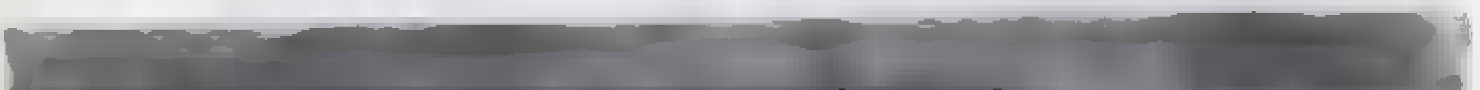

باوری عورتیں اپنے گھروں کے سامنے بیٹھی ہیں۔

حکما رام اور اس کی بیوی

ایک باوریا

دن بھی مناتے ہیں۔

ہمیں حکما رام، کرمو رام اور اُن کے ساتھیوں نے کچھ بھجن بھی سُنائے جو ہم نے ریکارڈ کر لئے۔

مینگھ وال

یہاں کے ایک اور چک میں مینگھ وال بھی آباد ہیں جو باوریوں کی طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ان میں ایک مختلف بات یہ ہے کہ فصلوں کی کٹائی اور اُٹھائی کے ساتھ ساتھ مینگھ وال عورتیں اور مرد خوب صورت لوکاریں اور رلاسیں بُنتے ہیں۔

منصوبہ

باوریوں اور مینگھ والوں پہ ریسرچ کرنے کے لئے منڈی یزمان بہترین جگہ ہے۔

میر عالم

منڈی یزمان میں بہت سے مراثی آباد ہیں جو میر عالم کہلاتے ہیں۔ بہت سے چولستانی ہیں اور کچھ جیسلمیر اور بیکانیر سے ہجرت کر کے چولستان آئے تھے اور پھر یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کی طرح "سیپ" کرتے ہیں اور کسی ایک قوم کے خاص اور مستقل میر عالم ہوتے ہیں جنہیں اس قوم کی گوتیں، شجرے اور بہادری کے قصے ازبر ہوتے ہیں جو وہ شادی بیاہ اور دیگر اہم موقعوں پر سناتے ہیں۔ یہاں ہماری ملاقات فقیر بخش میر عالم سے ہوئی جو ایک بھٹی کی زمینوں پر آباد ہے اور بھٹی قوم کی گوت اُسے پوری طرح یاد تھی جو اب اس لئے بھول گئی کہ گوتیں سننے کی رسم بھٹی نوجوانوں میں بہت کم ہو گئی ہے۔

فقیر بخش میر عالم ۱۹۴۷ء میں بیکانیر سے چولستان آ گیا تھا۔ اس کے پانچ بیٹے ہیں جو گاتے ضرور ہیں لیکن انہیں چولستان کے خاص سہرے اور گیت یاد نہیں بلکہ وہ صرف خواجہ فرید کا کلام گاتے ہیں۔

خدا بخش کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی اور اسی عمر کے کچھ اور میر عالم بھی قریب ہی آباد ہیں جنہوں نے ہمیں بہت سے روایتی گیت عمر ماہروی کی داستان اور سہرے سنائے جن کی تفصیل اس رپورٹ کے آخر میں درج ہے اور ریکارڈنگ لائبریری میں محفوظ کر لی گئی ہے۔

یہاں ایک میر عالم علم دین نے مجھے سوجلے خان کی وار سنائی۔ سوجلہ خان قوم کا مہر تھا اور نوابوں نے اُسے فورٹ ڈراور کا قلعدار مقرر کیا تھا۔ سوجلے خان کی وار اس طرح تھی:

سُنو سُنو لوکو
وسدیو جھوکو
لگیا ویندا سردار
شہر دا ہا قلعہ دار

منڈی یزمان کے امیر عالموں کی ریکارڈنگ کی جا رہی ہے

اک دن افسر نال ہمراہی
ٹپ گیا بنے نوں پارے
جا کے ملنا بورجی سنگھ کوں"

(یہاں آکر وہ بھول گیا اور پھر سوچ کر شروع ہوا)

واپس دلیا دنوٹ اے
زندگی دا خوف اے
یاد آئے سا گھر بار

ڈر اور شہر دا [illegible] قلعہ دار

رات اُٹھایئں تے دوڑے دیلے
نال تھیا بھکو روانہ
ہے اونٹھاں دی سواری تے منزل بھاری
رستے اچ ملیا باقی یار

ڈر اور شہر دا ہا قلعہ دار

ست کوہ دائے کرہیں دے لوٹوں
تھیا بیہوش جوان اے
ڈھٹھا اونٹھ کوں تھلے
سو جلہ چھلے
بہوں تھیا لاچار

ڈر اور شہر دا ہا قلعہ دار

پھاڑیاں دائے ٹوبے تے مادھو سنگھ ملیا
مادھو نوں سنگھ جوان

دوجاسنگتی بیجاسنگیتا بیتجا عالم پٹھان

ڈیرہ اور شہر وا ہا قلعہ دار

یہ ایک لمبی وار ہے جو وہاں موجود کسی میر عالم کو پوری طرح یاد نہ تھی۔

موسیقی کے ساز

یہ لوگ گانے کے لئے طبلہ سرنگی اور ہارمونیم استعمال کرتے ہیں لیکن جو سارنگی یہ لوگ استعمال کرتے ہیں اسے گول پایے دار سرنگی کہتے ہیں کیونکہ اس کا درمیانی حصہ واقعی پایے کی شکل سے ملتا جلتا ہے۔ ہم نے ایک بوڑھے سے اس کی سارنگی خریدنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا مجھ سے سب کچھ مفت لے جاؤ مگر یہ سرنگی میں کبھی نہیں بیچوں گا۔

یہاں ہم نے ایک نوجوان دلدار کی ریکارڈنگ بھی کی جو چولستان کے اکثر علاقوں میں بہت مقبول ہے۔

احمد پور شرقیہ

لوک گیتوں کے حوالے سے احمد پور شرقیہ خاصی زرخیز جگہ ہے جہاں کے دو نوجوانوں نے مستانہ پروانہ کو مفتی صاحب نے متعارف کرایا تھا اور ان کا ایک لانگ پلے بھی بنایا۔ آج کل وہ تیزی سے ترقی کر رہے ہیں لیکن روایتی لوک گیت چھوڑ کر وہ اردو غزل اور گیت گانے لگے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے ریسٹ ہاؤس میں ہم نے کچھ لوک فنکاروں کی ریکارڈنگ بھی کی اور یہ سلسلہ صبح چار بجے تک جاری رہا۔ جب مفتی صاحب اور میں ان آرٹسٹوں کو گھر چھوڑ کر آئے تو پانچ بجنے والے تھے اور سونے کے لئے نہ کوئی بستر تھا اور نہ چارپائی۔ ہم نے بہت سی لکڑیاں جلا کر سردی کی شدت کا مقابلہ کیا اور صبح ہونے کا انتظار کرتے رہے۔

عباسی خاندان کے نواب

بہاولپور جب ریاست ہوا کرتی تھی تو یہ سارا علاقہ عباسی خاندان کے نوابوں کے تسلط میں تھا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ محمد بن قاسم کے ساتھ عرب سے یہاں آئے تھے۔ نوابوں کی تاریخ لکھی جا چکی ہے اور اکثر باتیں کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔ ایک روایت جو لوگوں میں مشہور ہے کچھ اس طرح ہے۔

ایک بزرگ بہاول کھڈی کا کام کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کھڈی پر کپڑے کا بہت اچھا کپڑا بنا اور بیکانیر کے حاکم کو پیش کیا۔ راجہ بہت خوش ہوا اور اس نے بہاول سے کہا مانگو کیا مانگتے ہو۔ بہاول نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اُسے کھڈی لگانے کے لئے جگہ کی ضرورت ہے۔ راجہ نے بہت سی زمین اس کے نام کر دی اور اس طرح ہوتے ہوتے بہاول ایک امیر آدمی بن گیا اور اس کی اولاد نواب کہلائی۔

آج کل نوابوں کی بہت سی عمارتیں حکومت کے قبضے میں ہیں جن میں بہاولپور کا نور محل بھی

شامل ہے لیکن ڈیرا نواب کا محل اور فورٹ ڈراور ابھی تک اُن کے اپنے قبضہ میں ہے۔

چونکہ ڈیرا نواب میں نوابوں کی مستقل رہائش گاہ ہے اس لیئے یہاں قریب ہی ٹبی مراثیاں میں بہت سے مراثی آباد ہیں جو نوابوں کے خاندانی مراثی ہیں ——— اور اُن کے سہرے گاتے ہیں۔ نوابوں میں نواب صادق مرحوم گانے کے کچھ شوقین تھے اور ٹبی مراثیاں کے لوگوں کی مستقل پرورش بھی کرتے تھے۔ ٹبی مراثیاں کو کلاسیکی موسیقی اور لوک موسیقی کے لیئے بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہاں بڑے بڑے اُستادوں نے گایا اور اُن کا آنا جانا رہا۔

یہاں ہماری ملاقات مائی اللہ وسائی سے ہوئی جس نے ہمیں بہت سے سہرے سُنائے جنہیں وہ "سہرا شاہانی" کا نام دیتی ہے۔ شاید اس لیئے کہ وہ نواب صادق مرحوم کے بارے میں ہے۔ ان میں ایک خاص سہرا نواب اور فورٹ ڈراور کے حوالہ سے ہے۔ مائی اللہ وسائی کی ریکارڈنگ ہم نے لائبریری میں محفوظ کر لی ہے۔

ڈیرا نواب میں اور بہت سے گانے والے بھی ہیں جن میں خواتین بھی شامل ہیں جو خواجہ فرید کی کافیاں اور سرائیکی کے لوک گیت گاتی ہیں۔ رقیہ جعفری اور مائی اللہ وسائی مشہور ہیں۔

اللہ وسائی

مائی اللہ وسائی نے گانا اپنے والد سے سیکھا اور اسے کلاسیکی رنگ میں سہرا گانے میں کمال حاصل ہے۔ اس کی عمر کوئی پچاس پچپن کے لگ بھگ ہو گی لیکن آواز میں پختگی اور رچاؤ ہے۔ جو سہرے وہ گاتی ہے اُن کی دھنیں اس کے والد کی بنی ہوئی ہیں

مائی اللہ وسائی نے ہمیں یہ سہرے سنائے۔

نی میں واریاں
جیوے بنڑا نی میں واریاں
جیوے بنڑا۔ لکھ جیوے بنڑا
ہوئی میں واریاں۔ جیوے بنڑا
سہریاں والا
مانے جوانیاں سہریاں والا
تیڈے گانے توں میں واریاں
گانے والا۔ ہاں نی میں واریاں
جیوے بنڑا
مان جوانیاں
سہرے والا جیوے

میرے بنڑے دے سہرے دی لڑی اے ہزار
آوے بناں بیٹھ سگناں دا سہرا
سہرے دی لڑی اے ہزار
میرے بنڑے دے سہرے دی لڑی اے ہزار
آوے بنا لا سگناں دی مہندی
مہندی تاں دتا رنگ لال
میرے بنڑے دے سہرے دی لڑی اے ہزار

میرو مہارا جا بنڑو جیوے

سونے کی صراحی توری نیمری کا پیالہ رے

پیوے سدا متوالا بنڑا جیوے

میرو مہارا جا بنڑو جیوے

گُندلا ری مالن پھُولوں کا سہرا

بنوری بنڑا جیوے

میرو مہارا جا بنڑو جیوے

رقیہ جعفری نے ہمیں یہ گیت سنایا

میںڈا چن مساتا ایویں نہیں کری دا

لوکاں دے آکھے رُس نہیں وَنجی دا

بِھٹلی بھٹلی بیڑی گھچی سیٹھ مریندی اے

لک تینڈا پتلا اُکھ تیر مریندی اے

میںڈا چن مساتا ایویں نہیں کری دا

لوکاں دے آکھے جھیڑا نہیں لوی دا

بھٹلی بھٹلی بیڑی وِچ رتی بھاگڑی

تیرے گھر نہیں میں آندی تیری رن گدڑی

میڈا چن مساتا ایویں نہیں کری دا

لوکاں دے آکھے رُس نہیں وَنجی دا

بھٹلی بھٹلی بیڑی وِچ رتی گچھی اے

بیترے گھر نہیں ہیں آندی تیری سالی نچی اے
میڈا چن مستانا ایویں نہیں کری دا
لوکاں دے آکھے جھیڑا نہیں کری دا

رقیہ جعفری کی والدہ نے بھی ہمیں کچھ گیت ریکارڈ کرائے جن میں سے ماہیا کے تین بند یوں ہیں:

گل دِ کدا پان لیا
ماہی تیڈے ظلماں کوں
اساں سمجھ احسان لیا

سونے دا کِل ماہیا
ذات نہ رلدی وے
رل گیا دل ماہیا

میلے وِچ کالسری
یاد غریباں دی
شالا من توں نہ دسری

احمد پور شرقیہ کے رُوحانی بزرگ

حضرت نور شاہ بخاریؒ

آپ کا مزار آپ کے نام سے موسوم محلّہ نور شاہ بخاری میں ہے۔ چولستان اور اِرد گرد کے علاقوں کے بہت سے لوگ آپ کے مرید ہیں۔

حضرت مخدوم آخر بہاؤالدین

آپ کے والد کا نام شیخ غوث محمد تھا۔ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ آپکو احمد پور شرقیہ لے آئیں۔ روایت ہے کہ آپ ہر وقت ریاضت کے عمل میں رہتے اور لوگوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

آپ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کی اولاد میں سے تھے اور اسی حوالے سے آپ کو آخر بہاؤالدینؒ کہا جاتا ہے۔

خواجہ حکیم گل محمد چشتی

آپ کی آخری آرام گاہ احمد پور شرقیہ میں ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آپ چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بہاولپور کے رُوحانی بزرگ

بہاولپور میں عباسیہ خاندان کے نوابوں کے علاوہ بہت سے رُوحانی بزرگوں کے

مزار ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے :۔

۱۔ شیخ الاسلام قاضی

۲۔ محمد دالدین

۳۔ سیّد غلام محی الدّین گیلانی

۴۔ مولوی جمیل الدین

۵۔ مولوی غلام رسول چنٹر

۶۔ مولوی شمس الدین

۷۔ مولوی محمد اعظم چشتی

۸۔ مولوی محمد صادق

۹۔ مولوی عبیداللہ

۱۰۔ پیر حامد

۱۱۔ سیّد محمد شاہ بلغوچی والے پیر

۱۲۔ نور اللہ شاہ قادری

ان بزرگوں کے بارے میں تفصیلات کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔

اوچ شریف

اوچ کے بارے میں کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس سلسلہ میں مسعود حسن شہاب کی کتاب "خطۂ پاک اوچ" مستند تسلیم کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں سے بڑی بڑی تاریخی کتابوں اور رگ وید کے حوالہ سے بھی بہت قدیم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن مجھے تو اس روایت سے غرض ہے جو لوگوں میں مشہور ہے۔

ایک روایت کے مطابق اوچا اور سیتا دو بڑی جادوگرنیاں تھیں۔ اوچ، اوچا کے نام اور سیت پور سیتا کے نام پر مقبول ہوا جو کہ تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ میں ہے۔ ان دونوں بہنوں کا جادو عروج پر تھا۔ اور اوچ جادو اور کفر کا مرکز تھا۔ جلال الدین حیدر سرخ بخاری اوچ آئے تو آپ نے اوچا کا وہ کنواں دیکھا جس کی گہرائی کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ (یہ کنواں آج تک سید جلال الدین حیدر بخاریؒ کے مزار کے قریب موجود ہے) اس کنوئیں کے ذریعے دور دور دراز کے علاقوں میں پانی پہنچایا جاتا تھا۔ جلال الدین حیدر سرخ بخاریؒ نے دیکھا کہ کنواں خود بخود چل رہا ہے نہ کوئی آدمی ہے نہ بیل۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادو کا اثر ہے۔ آپ نے کنوئیں سے خطاب کیا اور کہا "بند ہو جا" کنواں بند ہو گیا۔ رانی اوچا کی باندیاں پانی بھرنے آئیں اور کنوئیں کو رکا ہوا دیکھا تو رانی کو اطلاع دی کہ کوئی شخص کنوئیں کے قریب بیٹھا ہے جس نے کنوئیں کو چلنے سے روک دیا ہے۔ رانی غصہ میں بھری ہوئی آئی اور آپ سے پوچھا "تم کون ہو؟" آپ نے فرمایا میرا نام جلال الدین حیدر ہے، میں مسلمان ہوں اور عرب سے یہاں آیا ہوں۔ رانی نے ایک بکرا آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہ بکرا ذبح فرمایا اور تین حصے اپنے پاس رکھ کر

ایک حصہ اندر بھیج دیا اور کہا کہ یہ تم کھاؤ۔ رانی نے سکتے میں آکر یہ شرط قبول کرلی جب کھانا کھایا جا چکا تو رانی کا پوتا گھر لوٹا اور اپنے بکرے کو نہ پاکر ضد شروع کر دی۔ اس نے دوسرا بکرا اُسے دینے کی کوشش کی لیکن اس نے ضد کی کہ وہی اپنے والا بکرا لے گا۔ رانی نے جلال الدّین حیدر سے کہلوا بھیجا۔ آپ نے بکرے کی ہڈیاں اُٹھا کر کھال میں ڈال دیں تو بکرا زندہ ہوگیا لیکن اس کی ایک ٹانگ نہیں تھی۔ آپ نے فرمایا جو ہم نے کھایا وہ ظاہر، چوتھی ٹانگ تم نے کھائی تھی اسے تم بکرے کے ساتھ جوڑو ——— راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد رانی اوچا جلال الدین حیدر سُرخ بخاریؒ کے قدموں میں گر پڑی اور اسلام قبول کر لیا۔ سرکار نے اس کو اپنی بہن بنا لیا۔

اوچا کی قبر جلال الدین حیدر کے مزار سے کچھ فاصلہ پر ہے اور احاطہ میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف پہلی قبر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بخاری خاندان کے لوگ پہلے اوچا کی قبر پہ فاتحہ پڑھتے اور پھول چڑھاتے ہیں بعد میں جلال الدین حیدر بخاریؒ کے مزار پہ جاتے ہیں۔

اسی اوچا رانی کے نام پہ اوچ مشہور ہوا۔

کہا جاتا کہ اوچ میں سوا لاکھ پیر ہیں۔ اوچ کو روحانی سلسلوں میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہاں بخاری اور گیلانی سلسلوں کی اہم شخصیتوں کے مزار بھی ہیں جن کی گدیاں بھی ہیں۔

سہروردیہ بخاریہ سلسلہ کے بزرگ

۱ - سیّد جلال الدّین سرخ بخاری

۲ - مخدوم جہانیاں جہاں گشت

۳ - سیّد صدر الدّین راجن قتال

۴ - مخدوم محمود ناصر الدین

۵ - مخدوم سیّد فضل اللہ بخاری

۷۔ سید ابجاگ

۸۔ سید رکن الدین ابوالفتح

۹۔ بی بی جیوندی

ان بزرگوں کے مزار اوچ شریف میں ہیں اور تفصیل کتابوں میں آچکی ہے۔

سلسلۂ قادریہ گیلانیہ کے بزرگ

۱۔ سیّد محمد غوث

۲۔ سیّد عبدالقادر ثانی

۳۔ سیّد عبدالرزاق گیلانی

۴۔ سیّد حامد گنج بخش

ان بزرگوں پر بھی تحقیق ہو چکی ہے اور کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی جو کتابوں سے مختلف ہو۔ ہم نے گیلانی سلسلہ کے گدی نشین سید شمس الدین گیلانی کا انٹرویو لیا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں ایسی بہت سی باتیں معلوم ہیں جنہیں کتابوں میں نہیں لکھا گیا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ایک کتاب لکھیں گے جسے لوک ورثے کا قومی ادارہ شائع کرے گا۔

تبرکات

بخاری سلسلہ کے سجادہ نشین کے پاس مندرجہ ذیل تبرکات موجود ہیں:۔

۱۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دستارِ مبارک

۲۔ پنجتن پاک کی چادر

۳۔ حضرت فاطمہ رضؓ کی چادر

۴۔ حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ کی تلواریں

۵۔ تاجدارِ مدینہ کا رومال

۶۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تسبیح، ٹوپی اور قینچی

۷۔ حضرت سلمان فارسی کی چادر

۸۔ سیّد فضل اللہ شاہ بخاریؒ کا جُبّہ

گیلانی سجادہ نشین شمس الدین گیلانی کے پاس مندرجہ ذیل تبرکات موجود ہیں:۔

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا نعلین مبارک

۲۔ حضرت امام حسن اور حسین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن مجید

اس کے علاوہ یہاں گیلانی لائبریری میں بہت سے نایاب قلمی نسخے اور نادر کتابیں بھی ہیں۔

اوچ میں موسیقی کی روایت / حسین ڈھاڈی

اوچ شریف میں موسیقی کی روایت موجود ہے اور شادی بیاہوں پر سہرے گانے والے بھی ہیں۔ موسیقی کی روایت کا تعلق استاد عاشق علی خان سے ہے جن کا شاگرد حسین ڈھاڈی کلاسیکی اور ہلکی پھلکی موسیقی میں نام رکھتا ہے۔

حسین تھیئٹر میں کام کیا کرتا تھا لیکن چونکہ آج کل تھیئٹر کی جگہ فلم نے لے لی ہے اس لئے حسین زمینداروں اور بڑے لوگوں کی شادیوں اور خوشی کے دوسرے موقعوں پہ گاتا ہے۔ خواجہ غلام فرید کی کافی گانے میں اس نے اپنا ایک منفرد انداز اجاگر کیا ہے۔ حسین کے نام کے ساتھ ڈھاڈی اسی لئے لگتا کہ اس کی والدہ ڈھاڈی خاندان سے تھیں۔ ڈھاڈی بھاٹوں ہی کی ایک قسم ہے جو کہ آج کل بھی اوچ اور گردونواح میں آباد ہیں جب ہم حسین کے گھر پہنچے تو اس کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ کچھ عرصہ پہلے اس کی جوان بیٹی کا انتقال ہو گیا تھا جو بہت اچھا گاتی تھی اور حسین کی طرح چولستان کے دوردراز کے علاقوں سے لوگ اسے

شادی اور خوشی کے موقعوں پر گانے کے لئے بلاتے تھے۔ حسین ڈھاڈی کا بیٹا سخاوت بھی آجکل گانے میں حسین کا ساتھ دیتا ہے۔

حسین کو بڑے بڑے استادوں کو سننے اور اُن کے پاس بیٹھنے کا موقعہ ملا ہے جن کی وجہ سے وہ ہر بڑے فنکار اور کلاسیکی موسیقی کے استاد کے گانے کے انداز کی کاپی کر لیتا ہے۔ اُس نے کافی گانے کے مختلف انگ ہمیں ریکارڈ کروائے۔ موسیقی ڈھاڈی کے جسم سے پانی کی طرح بہتی ہے۔ وہ ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو رکنے کا نام نہیں لیتا۔ ادارہ اُسے جلد ہی اسلام آباد بلائیگا تاکہ اس کے گیت ریکارڈ کئے جا سکیں۔

یہیں ہماری ملاقات لال خان نقارچی سے ہوئی جو اب حسین کے ساتھ طبلہ بجانے کے لئے کبھی کبھی اوچ آتا ہے۔ لال خان نے نقارہ اپنے والد رحیم بخش نقارچی سے سیکھا اور استاد فضل حسین اور استاد کرم الہیٰ کی شاگردی بھی کی لیکن آج کل وہ نقارہ نہیں بجاتا کیونکہ اس کا رواج ختم ہو رہا ہے۔ لال خان نے بتایا کہ نقارہ طبلہ سے بڑی شے ہے کیونکہ نقارے پر طبلے کے بول نکالے جا سکتے ہیں مگر طبلہ پر نقارے کے بول نہیں نکل سکتے لیکن اسے مجبوراً طبلہ بجانا پڑتا ہے کیونکہ اس طرح زیادہ پیسے مل جاتے ہیں۔

حسین ڈھاڈی نے بتایا کہ بہاولپور سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر وائی حسین میں اللہ رکھا رہتا ہے جو کہ بہت اچھا نقارچی ہے۔

لال خان کا پتہ

لال خان معرفت منوّر پان فروش

بیرون حرم گیٹ گل روڈ ملتان

لال خان آج کل کراچی والی کے کوٹھے پر طبلہ پر سنگت کرتا ہے۔

حسین ڈھاڈی کی سرپرستی میں گیلانی سلسلہ کے سجادہ نشین کا نام بہت اہم ہے۔ چونکہ انہیں موسیقی سے شغف ہے اس لئے انہوں نے حسین کی سرپرستی کی حسین شادیاں کرنے کا

شوقین ہے۔ اس نے چار شادیاں کر رکھی ہیں جو ایک ہی گھر میں رہتی ہیں۔ اس کی چھوٹی بیوی کو گھر میں بڑی اہمیّت حاصل ہے۔

ضلع بہاولپور کا مقبول محاورہ

لکھ مراد (لاکھ مراد)

چولستان اور بہاولپور کے دوسرے شہروں میں لوگ خوشحالی کے لئے لکھ مراد کا محاورہ استعمال کرتے ہیں کسی سے پوچھو اس بار فصل کتنی ہوئی کہے گا "لکھ مراد"۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی زمانے میں ایک ڈاکو مُراد ہوا کرتا تھا جو امیروں کے گھر دن کو لوٹ کر سامان غریبوں کے گھر میں پھینک جایا کرتا تھا لہٰذا اسی کی نسبت محاورہ "لکھ مراد" مقبول اور آج تک رائج ہے۔

صاحب اسیر

صاحب اسیر کا اصل نام خواجہ محکم الدین سیرانی ؒ ہے۔ آپ کا مزار بہاولپور اور احمد پور شرقیہ سے قریب خانقاہ شریف میں ہے۔ آپ کا ذکر پہلے ہونا چاہیئے تھا لیکن ایک خاص وجہ سے اب کر رہا ہوں۔ وجہ یہ تھی کہ مجھے آپ کے مزار پہ حاضری دینے کا شرف حاصل نہیں ہوا اور آپ کے بارے میں تفصیلات کتابوں میں آ چکی ہیں لیکن اوچ شریف کے شمس الدین گیلانی نے ایک ایسی روایت کی طرف توجہ دلائی جو کتابوں میں موجود نہیں۔

اُن کے مطابق صاحب اسیر نے نوابوں کے ایک بزرگ کو رسا کے بل دینے کو کہا جب سات چکر ہو گئے تو نوابوں کے بزرگ نے بوجھ کے تحت کہا بس اب میں اور بوجھ نہیں سہار سکتا۔ اس پر آپ نے کہا تمہاری حکومت سات نوابوں تک چلے گی اور یہی ہوا ـــ نواب صادق ساتویں نواب تھے جن کی تاج پوشی کی گئی اور اس کے بعد نوابوں کی حکومت

اُچ شریف میں بی بی جیوندی کا مزار

ختم ہو گئی۔

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ بہت بڑے عالم بھی تھے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا کہ آپ ہر وقت وجد و حال کی کیفیت میں مبتلا رہتے تھے۔ اگرچہ آپ قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن چشتیہ سلسلہ کی طرح آپ کو سماع سے بہت محبت تھی۔

آپ نے باسٹھ سال کی عمر میں ۵ ربیع الثانی ۱۱۹۷ ہجری کو وصال فرمایا۔ آپ کے عرس پر سماع کی محفلیں ہوتی ہیں اور لوگ دور دور سے عرس کی رسوم میں شرکت کرنے آتے ہیں۔

ہم اوچ شریف میں تھے کہ ہمیں کسی نے بتایا کہ یہاں سے کچھ میل پر جلال پور پیروالا میں سلطان محمد قتالؒ کا مزار ہے جہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور اس کے علاوہ جلال پور پیروالا کے کھیس اور کڑھائی کا کام بہت مشہور ہے اور ملتان تک بھیجا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے جلال پور پیروالا جانے کا ارادہ کر لیا۔

جلال پور پیروالا

جلال پور ضلع ملتان میں ہے لیکن اوچ شریف سے ایک راستہ ایسا بھی ہے جہاں سے فاصلہ بہت کم پڑتا ہے لیکن راستے میں ایک جگہ بہت سا پانی جمع ہے جو دریائے چناب کے اس پانی کا حصہ ہے جو سیلاب کے دنوں میں اس کے کناروں سے اچھل پڑتا ہے۔ تقریباً سارے ہی دریا اپنا راستہ تبدیل کرتے ہیں اور اکثر آبادیوں کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں لیکن ٹور میں بحث کے دوران ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ چناب بڑا شریف دریا ہے اور آبادیوں کے قریب سے خاموشی کے ساتھ گزرتا رہتا ہے لیکن جب میں نے جلال پور پیروالا کے ایک شخص سے کہا کہ چناب بڑا شریف دریا ہے تو وہ غصہ بھری آواز میں بولا، کون کہتا ہے چناب نے تو ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ہر سال بہت سے مکان بہا کر لے جاتا ہے اور کئی سالوں سے جلال پور پیروالا کو چاٹ چاٹ کر

عکسی مفتی پیاس کی شدّت کم کرنے کے لئے گنا چوس رہے ہیں۔

جلال پور پیر والا جانے کے لئے لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر "دھاڑی" میں سے گزرتے ہوئے

پرے دیکھ رہا ہے۔

اوچ شریف اور جلال پور پیروالا کے درمیان جو پانی کھڑا ہے اس کی گہرائی اتنی ہے کہ بیڑی پڑتی ہے۔ چونکہ یہ راستہ مختصر ہے اس لیئے لوگ کشتیوں پر اور پیدل سفر کرتے ہیں۔ جو پانی کھڑا ہے اسے مقامی لوگ "دہاڑی" کہتے ہیں۔ ہم نے جیپ "دہاڑی" کے پاس کھڑی کردی اور کشتی پر چڑھ کر پار اُترے۔ پھر اونٹ والوں کی منت کر کے اونٹوں پہ جلال پور پیروالا پہنچے۔ اونٹوں پر ہمیں دہاڑی سے جلال پور پہنچنے میں کوئی بیس منٹ لگے۔

جلال پور پیروالا ایک پرانا شہر ہے اور اس کی اہمیت کی وجہ حضرت سلطان احمد قتال کی آخری آرامگاہ ہے۔

حضرت سلطان احمد قتال

آپ سید بخاری ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ جلال پور پیروالا آپ کے یہاں آنے سے آباد ہوا اور آپ نے اپنے ایک بزرگ جلال الدینؒ کے نام پہ اس کا نام جلال پور رکھا۔ حضرت سلطان احمد کی پیدائش اوچ شریف میں ہوئی اور آپ نے یہاں آکر مستقل قیام فرمایا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے مرشد سو رہے تھے کہ درخت پر چڑیوں نے چہچہانا شروع کر دیا۔ آپ یہ سمجھے کہ چڑیوں کی چہچہاہٹ سے پیر کی نیند میں خلل آرہا ہے۔ اس پہ آپ نے چڑیوں سے مخاطب ہو کر سوالیہ انداز میں کہا، مر نہیں جاتیں ؟ اس کے ساتھ ہی چڑیاں مر مر کر زمین پہ گرنے لگیں۔ جب پیر بیدار ہوئے تو واقعے کی نوعیت جان کر فرمایا، سلطان احمد تم تو قتال ہو اور اس طرح آپ کو سلطان احمد قتال کہا جانے لگا۔

لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ معرفت کی ایسی منزل کو چھو چکے تھے کہ آپ قتال مشہور ہو گئے۔

مزار حضرت سلطان احمد قتال

واقعات / کرامات

یہاں کے خلیفہ حسن بخش نے مجھے بتایا کہ آج سے ۲۰، ۲۲ سال پہلے ایک شیر رات کے وقت سلطان احمد قتال کے دربار پہ آیا کرتا تھا اور چوکھٹ پہ سجدہ کر کے سلام کیا کرتا تھا۔ جب میں نے مختلف قسم کے سوالات اس شیر کے بارے میں کئے تو خلیفہ حسن بخش نے مزید تفصیل سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے اتنا کہا کہ ان کے کچھ بزرگوں نے اس شیر کو دیکھا تھا۔

روایت ہے کہ سلطان احمد قتال کا ایک ہندو سے لین دین تھا۔ آپ اس سے سودا سلف لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کہیں تشریف فرما تھے تو کچھ ہندو مُردہ اُٹھائے سامنے سے گزرے۔ آپ نے پوچھا یہ کون مرگیا ہے لوگوں نے بتایا کہ فلاں ہندو مرگیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تو میرا لین دین تھا۔ اس نے ابھی میرے ساتھ حساب ختم نہیں کیا۔ ان لوگوں کو بلاؤ۔ جب لوگ لاش لے کر آئے تو آپ نے نام لے کر لاش سے کہا تم نے مجھ سے حساب کرنا ہے اپنا حساب کرو۔ اتنا کہنا تھا کہ ہندو زندہ ہوگیا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے اس سے حساب ختم کیا اور کہا اب سو جاؤ تو وہ ابدی نیند سو گیا۔

جب ہم مزار پہ پہنچے تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور شمو مراثن ڈھولک اٹھائے آپ کے مزار پہ حاضری دینے کے بعد واپس جا رہی تھی۔ میں نے اس سے سوال کیا تو اس نے کہا کہ وہ تقریباً ہر شام یہاں آکر سلطان احمد قتال اور آن کے بزرگوں کے سہرے گاتی ہے۔ میں اس کے ساتھ ہی اس کے گھر چلا گیا جو ایک کمرے پر مشتمل تھا اور صحن میں اس کا خاوند کبوتروں کو دانہ ڈال رہا تھا۔ میں نے اس کے خاوند کو بیچ میں ڈالا تو شمو سلطان احمد قتال کا سہرا اور ایک شادی بیاہ کے موقعہ پر گایا جانے والا سہرا ریکارڈنگ کرانے پر رضامند ہوگئی اور ڈھولکی لے کر صحن میں ہی بیٹھ گئی۔ اس کی آواز سن کر اڑوس پڑوس کی عورتیں اور بچے بھی جمع ہوگئے جن کے شور سے تنگ آکر شمو نے

ڈھولک ایک طرف رکھ دی اور بولی پھر کبھی آنا۔"

سلطان احمد قتال کے مزار کی بنیاد آپ کے پوتے نے رکھی۔ پچاس سال تک یہ مزار زیر تعمیر رہا اور وہ بھی صرف پچاس سال تک زندہ رہے۔

آپ کے بعد آپ کی لڑی میں محمد غوث خوشدل شاعری سے شغف کرتے تھے۔ آپ کا کلام یہاں کے پرانے بزرگوں کو یاد ہے۔ خلیفہ حسن بخش نے بھی ایک کاپی میں محمد غوث خوشدل کا صوفیانہ کلام نوٹ کر رکھا ہے۔ خلیفہ نے وعدہ کیا کہ وہ خوشدل کا کلام جمع کر کے ایک چھوٹی سی کتاب ترتیب دیں گے۔ جسے لوک ورثے کا قومی ادارہ شائع کرے گا۔

سلطان احمد قتال کا عرس/میلہ

آپ کا عرس/میلہ چیت کے تیسرے جمعہ کو شروع ہوتا ہے۔ میلہ میں سرکس تھیٹر اور دکانیں لگتی ہیں اور لوگ دُور دُور سے آکر منتیں مانتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں علاقے کے مراثی اور عام لوگ سلطان محمد قتال اور آپ کے خاندان کے سہرے گاتے ہیں۔

مسجد

جلال پور پیروالا میں ایک تاریخی مسجد بھی ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے اکبر بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔

گانے والے/سازندے

یہاں زیادہ ترنقارہ اور شہنائی بجانے والے محلہ مراثیاں میں آباد ہیں یہاں کی مراثنیں شادی بیاہوں پر لوگوں کے گھروں میں جا کر گیت اور سہرے گاتی ہیں شہنائی بجانے والے ایک شخص کا پتہ یہ ہے:۔

محمد رمضان ولد خدا بخش
مقام وڈاک خانہ غازی پور تھانہ جلال پور پیر والا۔ ضلع ملتان

جلال پور پیروالا کے کھیس

یہاں کھڈی کے کھیس اور کڑھائی کا کام بہت ہوتا ہے اور یہاں کی بنی ہوئی چیزیں ملتان بھی بھیجی جاتی ہیں۔

اوپر جن علاقوں کا ذکر آیا ہے ان کے بعد ہماری واپسی کا آغاز ہوتا ہے مفتی صاحب نے جو سارے سفر میں خود ہی جیپ چلا رہے تھے نقشہ سٹیرنگ پہ پھیلا کر روٹ کی نشاندہی کرتے ہوئے تجویز کیا کہ ملتان سے فیصل آباد اور فیصل آباد سے شور کوٹ سے پنڈی بھٹیاں پہنچ کر نہر کے کنارے دیہاتوں سے ہوتے ہوئے جہلم نکلیں۔

ملتان

ملتان کو کئی لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ تو یہاں کے رُوحانی بزرگ ہیں جن کے مزاروں پر پورے پاکستان کے لوگ حاضری دینے آتے ہیں۔ لوگوں کی آمد و رفت ہی کی وجہ سے ملتان خرید و فروخت کے لئے بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ارد گرد کے پچاس میل کے علاقوں سے لوگ ہاتھ سے بنے ہوئے کھیس، لنگیاں، لکڑی کی بنی ہوئی خوب صورت اور منقش اشیاء اور دوسرے لوک فنون یہاں آکر بیچتے اور خریدتے ہیں جیسن آگاہی یہاں کا پرانا اور مشہور بازار ہے جس کے کچھ حصّے بالکل پنجاب کے روایتی بازاروں کا نقشہ پیش کرتے ہیں یہاں چاندی کے زیورات بھی بکتے ہیں جو بالکل روایتی انداز کے ہوتے ہیں۔

ملتان کے روحانی بزرگوں کے بارے میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بہت کم ایسی معلومات ہیں جو کتابوں میں نہ آئی ہوں۔ اس لئے میں نے کچھ باتیں ریکارڈ کرنے کے بعد مزید ریکارڈنگ نہ کی کہ اس کا فائدہ نہ تھا اور انہیں یہاں لکھنا دُہرانے کے مترادف تھا۔

سازندوں کے خاندان

یہاں ساز بجانے والے تین اہم خاندانوں کی روایت چلی آرہی ہے:

۱۔ سرودی

۲۔ ربابی

۳۔ نقارچی

اونٹ کی کھال کا کام

ملتان اونٹ کی کھال کے ٹیبل لیمپ اور گلدانوں کے لئے بہت مشہور ہے لیکن تحقیق کے دوران میں ثابت ہوا کہ یہ دراصل اونٹ کی نہیں بلکہ گائے کی کھال ہے۔ پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے چونکہ یہاں ہندو بھی آباد تھے اور وہ گائے کو ذبح کرنا گناہ تصور کرتے تھے اس لئے اس کی کھال سے بنی ہوئی کوئی بھی چیز خریدنا ناممکن سی بات تھی۔ گلدان اور لیمپ بنانے والوں نے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے یہ ظاہر کیا کہ وہ اونٹ کی کھال استعمال کرتے ہیں اور آج لوگ ان چیزوں کو اونٹ کی کھال سے بنی ہوئی سمجھ کر خریدتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی کھال نہیں ہوتی کہ اس میں سے روشنی گزر سکے۔

پنڈ فیض پور

سارا دن کام کرنے کے بعد ہم بُری طرح تھک چکے تھے اور پچھلے کئی دنوں کی گرد نے ہمارے چہروں اور کپڑوں پر جمع ہو کر ہمارا حلیہ بگاڑ دیا تھا لیکن لوک ورثے کو جمع کرنے کا جنون ابھی جوان تھا اس لئے ہم اپنے ایک دوست ذوالفقار کے ہمراہ اس کے گاؤں فیض پور چل پڑے کیونکہ ذوالفقار نے ہمیں بتایا تھا کہ وہاں کسی کے گھر شادی ہے جہاں رسمیں ادا کی جائیں گی اور عورتیں روایتی گیت گائیں گی۔ اس کے علاوہ وہاں بہت سے مراثی اور گویے بھی موجود ہیں جنہیں لوک گیت، پُرانی داستانیں اور قصّے یاد ہیں۔

فیض پور میں ہمیں کھیتوں کے درمیان ایک ڈیرے پر ٹھہرایا گیا۔ ڈیرا ایک کمرے پر مشتمل تھا جو گاؤں کے عام مکانوں کی طرح کچّا تھا۔ کمرے کے اندر چھ چارپائیاں بچھا دی گئیں جن پر بالکل نئی پھولدار چھینٹ کے غلافوں والی رضائیاں رکھی تھیں۔ کافی دنوں کے بعد نرم گرم

بستر دیکھ کر میرے اندر کا شہری جاگ اٹھا لیکن جب اندھیرا آہستہ آہستہ نیچے اُترنے لگا اور کسی نے پُرانی طرز کا گیس اور ایک لالٹین جلا کر درمیان میں رکھ دی تو میں نے دیکھا کہ کچھ گانے والے ڈیبے میں داخل ہوئے اور گیس کے گرد دائرے کی شکل میں بیٹھ کر گیس سے ہاتھ تاپنے لگے۔ ان میں سے ایک بولا،

"چھیتی کر دیو ریکارڈنگ، بڑی سردی اے، اسیں مراثی آں، تہانوں پتہ نہیں مراثیاں نوں، اُنج وی سردی بہوں لگدی اے۔"

کافی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر ریکارڈنگ کا دور شروع ہوا۔

محمد فواز (جس کی عمر ۱۳/۱۴ سال سے زیادہ نہیں ہوگی) نے ہمیں مختلف کہانیوں کے "مُڈھ" (ابتدا) اور کچھ گیت سنائے۔

کہانیوں کے "مُڈھ"

واہ وا اے
اللہ بادشاہ اے
کاغذاں دی بیڑی اے
کبوتر ملاح اے
حلوے دی کشتی اے
سیویاں واگاہ اے

چور نجھے دیندے نیں
حافظ کھجے دیندے نیں

حکم اے خدا دا
حکم اے نبیؐ دا
کرنا پاک پروردگار دا
سُتیاں دی خیر
جاگدیاں دا بھلا
راہ بیلی مسافراں دا
توہاں دا بھلا
اگلے ویلے آپ سرجن
گیڑیاں دُدھ دیندیاں
ٹُرسے دانیاں رِڑک رڑکیندیان
دریا لسیاں دے وگدن
آندا ویندا تِسا مَردا اے
تُوہلا لنگڑا ایڑھ کے پی لیندا اے

کون اے جے کیڑی اے
توں من کجل الھیں پائے پیؐ اے

روٹی کھاویں کھنڈ تے کھیر نال
دشمن مرنیں پیٹ دی پیڑ نال
پیٹ دی پیڑ کوہیں وسنجے
ساوی ہریڑیے نال

ساوی ہر یڑ گھتے گھُمر گھیر
گالی دیون وڈے وڈے پھیر
ڈالی کوں لگسن پرجاں
پرجاں کوں لگسی میوا
کھاسی جگ تے جہان
دعا کریسی ہیں فقیر دے پرنوں

گل دا دستور اے
اللہ جانے سچ اے، کوڑ اے

گال سوہنی کریسوں
کوڑ ذری نہ مریسوں

گال تے لگدے نیں پیسے
پیسے ڈیوو اَج گال سُنو سائیں!

اُٹھی کر بندہ
ہتھ پھڑے توں دُنیا
کوئی کم کر چنگا
کوئی لاکھی دی دی کر
لاکھی نہیوں دیندی پائی

تینوں ڈانگ تے پٹائی
مُساں کِلّے توڑی آئی

کہانی

کون اے جی! اِک مائی دائی اے۔ اوہ شوہدی گریب اے۔ کلّی راہندی اے۔ اوہندا کوئی گھر بار آلا، کوئی بچّہ نہیں، کوئی بھئی! گھر بار نہیں بس اوہ چرکھا کیندی اے تے روزی کر کے کھاندی اے۔ ہِک دِہاڑے اوہ باہر گئی اے تے اوہندے گھر سائیں! چور آگئے۔ ہِک چھپّر ہُندا اے نا! ساہلاں بنیاں ہویاں تے وِچ کِلّے جیہے ٹھُکے ہندے نیں چھپّرا تاںہہ ہوندا اے۔ چھپّر کھُلا ہوندا اے۔ چور اوہندے گھر نوں پھرول کے، جیہڑا کوئی ہے، چا کے تے وگیا ویندا اے۔ مائی اگوں آگئی اے تے چور چھپّر تے چڑھ وگیا اے کہ کدھے ایدھر اودھر ہوسی تے بھگ ویساں۔ اُتے چڑھ بہہ گیا اے، چھپّر تے۔ بڈھڑی نے ویکھ لیا اے۔ اوہ پئی آہدی آے: رنّاں وِچ ہِک سو سٹھ مکر ہوندا اے، کوئی مکر کھیڈاں تاں ہِک واری تے یاد کریسی۔ اوہ پئی آہندی اے، ہِک پاسے اس گھر دے جٹ رہندا ہائی، دوجے پاسے مُلّاں راہندا آئی۔ اُس نے آکھیا پئی کوئی داء لگا۔ چرکھا چا لیا تے بوہے وِچ بہہ گئی تے کتیندی پئی آ چرکھا۔ تے پئی آہندی اے: اللہ میاں اُلاد دِتّی آئی اوہ وی اللہ مار لئی۔ گھر آلا ہئی، اوہ وی مار لیا ای۔ اللہ سائیاں! ایہنوں ڈیویں آں ترائے پُتّر۔ ہِک داناں رکھاں آ جٹ تے بیئے داناں مُلّاں تے تیئے داناں رکھاں آ چور تے ول تُوں ویکھ میرا اُداس تھیوے آ تے کیویں سَڈ ماراں آ:

اوے جٹ دے!

اوے مُلّاں دے!

اوے چور دے!

تے جے توڑی جٹ کندھ توں ٹپّے، مُلّاں وی ٹپّے۔ تے اوہنے آکھیا کِتّھے وسے مائی؟

تے اوہنے آکھیا:

اوہ بیٹھا اے جیہڑا ــــــــــ

ماہیا

کوئی بنیاں تے کہی واہندی
لاش غریباں دی
بے وارث پئی راہندی

کوئی بکرا دے جھوٹ دا
رُٹھے رُٹھے مُردیسوں
کیہ ویسی لوکاں دا

کوئی والاں نال مُونہہ کجیا
ظلم کرینداں ایں
اجے ظلماں توں نہیں رجیا

کوئی تھان بزار آیا
قدرت کیہ کیتا
جانی قاتل یاد آیا

کوئی ٹانگے وے جھنگ واہندے
رُٹھے یار مینج پوندے
تہیں اگلے رنگ راہندے

کوئی ساوے پٹ چھولے
سب دُکھ ٹُل ویندن
جڈاں نظر بھوائی ڈھولے

کوئی سگرٹ وے لائی ہاسے
جائیں نہ جائیں ڈھولا!
اسیں توڑ نبھائی ہاسے

مجھیں مُڑیاں وے چر چر کے
کجھ نہیں کھٹیا وے
بگلے سجناں دے کر کر کے

سپ لنگھ گیا سرُو کوں
کنڈ تے ولا جانا ئیں
بیٹھا ہکسیں وے مونہہ کوں

باگے وچ مور آیا
تاہیں ڈھولا سٹ گھتیائی
جڈاں ڈُکھاں دا زور آیا

کوئی مصری وے اٹ رکھدا
کملا ڈِل بھیڑا
جیہڑا سجناں دی سک رکھدا

کوئی نڑھدا وے بیر آیا
سجناں سنے ونڈ کیتی
ڈکھ ساڈڑے ڈھیر آیا

کوئی لال بدھانی آ
ڈدھ کر سمجھیں وے
ساڈے ہتھاں دا وے پانی آ

حُقّہ

سنو حُقّے دی گفتار
میکوں پیندے ہن تھانیدار
میڈی یاری رقمے دار

سنو حقے دی گفتار
ایہہ کوں پیندے نیں تھانیدار
میڈی یاری اور قمے دار

ہٹ وے حقہ ہٹ
تیکوں پیون شوقر نٹ
تیکوں پیون گندے جٹ
مارن در در دی پھنکار

تھیوو سارے خبردار
سنو حقے دی گفتار
ایہہ کوں پیون تھانیدار

ایہہ ڈھڈ بیٹھے نسواری
بیٹھے وِ ھتوں دا ڈھگ ماری
مارن اندر گند کچاہری
مارن در ور دی پھنکار
سنو حقے دی گفتار
ایہہ کوں پیون تھانیدار

ماہیا

اُسمانی اِل ماہیا
رَیدو دے وِچھڑیاں نُوں کدی آ کے مل ماہیا

دو مرچاں دم کر دے
نہیں تے ربّا یار ملا نہیں تے رونا بند کر دے

باغے وچ مُول آ
اُتے خدا دسدا تلے جھنڈا رسُول آ

اُسمانی جہاز چڑھے
مُلّاں تُوں ایں کیہہ جاناں دل تیری ای نماز پڑھے

گڈّی آئی ٹیشن تے
پراں ہٹ وے بابو ساتوں ماہیا ویکھن دے

ٹانڈے نال ٹانڈا ای
اگے اگے شفیع محمد دا پچھے بابو دا ٹانگہ ای

ڈوہڑے

کھوہ وے تیڈے تے ہک نینگر ڈِٹھم ودانیوں نیوں پانی بھریندا
بول جنہاں دے مٹھواں وانگوں، اللہ جانے پکھو کیہڑی سری دا
نیناں نال چھک تیر مریسی، میکوں ہوش بھلایوس گری دا
ساریاں کھیڈاں میں کھیڈ کھڑیاں، ہک شوق تیں دلبری دا

نظرا میر کیہی کر تجویز کر معاف غریب دی بھُل اے
قسم خدا دی اجے وی توڑی نہیں ماریا ماں پیو جھپل اے
بے قصور میں عاجت دا وو تھی جگ بدنام تے رُل اے
جیہڑیاں چھکاں وجیاں کنڈ میری تے آپے یار کریسی گُل اے

بابا سئیں سے تصدیق کیتو نہیں غریب دا قصور اے
اِک ہے پردیسی، دوجا اللہ راسی تیجا وطن کنوں بہوں دُور اے
کیچ ٹُریا شہر بھمبھور چ آیا کہیں گال کو ہوں مجبور اے
ایہو وے قصور میں عاجت دا میکوں ماریا توں تاں ضرور اے

محنت خرید نہ کریں توں ہی، نہ محنت خرید وفا توں
لوڑ ہووے جڈوں خون میڈے دی تے رج رج مہندیاں لاتوں
اُجڑ ونجاں افسوس نہ کریں توں خوشی تھی کے عید مناتوں
اقبال میاں اج قربان ونجاں تیری اِک اِک یار ادا توں

عبداللہ بلوچ

فیض پور میں ہی عبداللہ بلوچ (ساربان) نے ہمیں کچھ گیت سُنائے جن میں سے "چھلّے" کو خاص اہمیّت حاصل ہے۔

چھلّے

عبداللہ نے بتایا کہ چھلّے ہم اس وقت گاتے ہیں جب اُونٹوں پر سوار ہو کر دُور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ جونہی نیند حملہ کرتی ہے یا سردی چھیڑتی ہے تو سب ساربان باری باری چھلّے گاتے ہیں۔

چھلّے :

چھلّا اُٹھ دی لاٹی
ہوئے اللہ!
کسے نہ دل دی جاتی
ٹھہر گئی ہانی دی اوہ ئے چھاتی
اُٹھ د سنج مولا
ٹھگّ تے کر گیا وے ڈھولا!

چھلّا اُٹھ دی گانی
تے لگے ویندے او جانی
نہیں کوئی پتا نشانی

سُن اوتے اُٹھ دا بھاڑی
کیتی کیوں دل چ کراڑی

چھَلّا زرہ دی چوٹی
تے لگی دینا ئیں جانی
ملساں جدّوں قسمت ہوسی
اُٹھ ونج وَتی آ
تے ساڈے سجناں توں لئی آ

چھلّا کالا ناگ اے
تے لگا یار دا داگ اے

چھَلّا پیا منی تے
ڈھولا عاشق اوجنی تے
جنی تے وجدی کنی تے
تُوں سُن او اُٹھ دا بھاڑی
کیتی کیوں دل چا کراڑی

چھَلّا آیا تَر کے
بیڑیاں تے پانی بھر کے
بسم اللہ تاں پڑھ کے

چھلّا کالا لیلا
تے لگا پیر دا میلا
اُتوں ڈیگر ویلا

چھلّا میں نہ دیندی
ہینوں ماں مریندی
سس طعنے دیندی

چھلّا آوے جاوے
تے اللہ یار ملاوے
اُڈ و نج وی آ
ساڈے سجناں نوں لئی آ

چھلّا ماراں تھم نوں
آیوں کیہڑے کم نوں
جھورا چالایا ای دم نوں

چھلّا اُتلے ٹانگو
تے نہیں ملیورانجھو
روواں بدلاں وانگو

ماہیا

کوئی ایتھے جہاز آیا
سُتے دیاں اُگھڑ گئیاں
جدوں ڈھولا یاد آیا

کوئی گاہ پئے گاہندے نیں
موت دے ماریاں دے
چیتے جا کے نہ لاہندے نیں

کوئی ہتھاں اُتے لاہندی
چُپ تاں غریباں دی
کرگھراں نوں فنا دیندی

کوئی ساوے او ساگ ہوندے
لُٹیاں غریباں نوں
کدے جھگے نہ آباد ہوندے

کوئی گھڑے وِچوں ساہ نکلے
تے آکھیں میرے ماہیئے نوں
کدے وطناں تے آ نکلے

کوئی کیسلا بزار آیا
نہ رووا کھیتو نی
ماہی سفر گنار آیا

کوئی ٹاہلی دے وٹنے نیں
ٹرگیا ماہیا دے
دینہہ موت دے کٹنے نیں

جوڑا دے مُنگراں دا
ٹرگیا ماہیا وے!
جھورا لا کے عمراں دا

کوئی منجیاں دی دون ہووے
سارا جگ سوہنیاں دا
ساڈے ماہیے سوا کون ہووے

کوئی پانی وے زمزم دا
ڈھولا!
ہک واری مل ماہیا!
تینوں واسطہ پنجتن دا

تورا

او تورا لمّے دا
مَیں تاں توہیں نال لائیاں
او ہانی دمّے دا

بزار وکاندے پٹکے
تورا وچ گلیاں دے لٹکے
او مُنوں ملک نہ ہٹکے

او تورا لمّے دا
میں تاں توہیں نال لائیاں
او ہانی دمّے دا

بزار سوکاندا ہایا
اساں منگ کے ٹکڑا کھایا
او تورا لمّے دا
میں تاں توہیں نال لائیاں
او ہانی دمّے دا

بزار وکاندی ماہندی
تورا میں تیرا بُوہا لُہاندی
او تورا لمّے دا

میں تو ہیں نال لالئیاں

او ماہی ڈمے دا

ڈھول مسافر نت دا

میں تاں پانی بھرینی آں چھک دا
میرا ڈھول مسافر نت دا
رب جانے تے یار نہ جانے
میرا ڈھول جوانیاں مانے

میں تاں پانی بھرینی آں ٹبے دا
میرا ڈھول مسافر اُبھے دا
میں تاں پانی بھرینی آں کھوہ دا
جھگڑا لگ گیا بت تے رُوح دا
رب جانے تے یار نہ جانے
میرا ڈھول جوانیاں مانے

بٹھلی بٹھلی بیڑی

بٹھلی بٹھلی بیڑی وچ وان وٹینا ایں
ادھری تاں منگیندی جیندا مان کرینا ایں
آ مل جبیا! درداں ستائی نوں
بیٹھی لوڑ رونی آں اوتیری بیلائی نوں

ٹھلمی ٹھلمی بیڑی وچ مُنج گھیندی
دیگر بھرن ویندی پچھوں ڈنڈ پیندی
آ مل جیبا! دراں ستائی نوں
بیھی ٹور روفی آں ادتیری ڈیدلاٸی نوں

ٹھلمی ٹھلمی بیڑی وچ سٹو گنڈیریاں
آپ تے وگیا ویناں ایں سجناں! سانوں دینا ایں دلیریاں
آ مل جیبا! درداں ستائی نوں
بیھیٹی روڑ روفی آں ادتیری ڈیدلاٸی نوں

چنگڑ اور مصلّی

صبح فیض پور سے ملتان آتے ہوئے شہر سے باہر ہمیں بہت سی جھونپڑیاں نظر آئیں ہم اُن جھونپڑیوں کے قریب گئے تو پتہ چلا کہ وہاں کچھ ہڈیاں جمع کرنے والے چنگڑ اور کچھ مصلّی آباد ہیں جب انہوں نے ہماری جیپ پر بنا ہوا گھوڑا دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور بہت سے گھوڑے اُٹھا لائے اور کہنے لگے۔ ہم اسی قسم کے گھوڑے بناتے ہیں۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ہمیں اس گھوڑے سے اتنی دلچسپی اور محبّت ہے جو وہ بناتے ہیں اور جس گھوڑے کو طاقت اور جدوجہد کا سمبل جانا ہے اور یہ طاقت لوگوں کی ہے ۔ ہم نے اُن سے ایک بڑا سا گھوڑا بھی خریدا وہ ہماری جیپ کے گرد جمع ہو گئے ہم نے اُن کی تصویریں بھی اُتاریں۔

کاغذ کے کھلونے بنانے والے

چنگڑوں کی بستی اور جیپ کے ساتھ چنگڑ

گڈوی والیاں

کچھ آگے بڑھے تو "گڈوی والیاں" ٹولیوں کی صورت میں شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ "گڈوی والیاں" پنجاب کے علاقوں میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں گھومتی ہیں اور کسی جگہ بھی ٹک کر گڈوی بجا کر گیت گاتی ہیں۔ یہ خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتی ہیں اور عام طور پہ شہروں سے باہر جھونپڑیوں میں رہتی ہیں وہ صبح صبح گھروں سے نکل جاتی ہیں اور بازاروں، ڈیروں، دکانوں اور دوسری گلیوں پہ جہاں عام طور پہ نوجوانوں کا ہجوم ہوتا ہے گڈوی بجا کر گیت سناتی ہیں نوجوان ویلوں کے انداز میں تھوڑی دیر بعد انہیں پیسے دیتے ہیں اور کبھی کبھی محبت بھرے جذبات اور خالص عورت اور مرد کے تعلقات کی روشنی میں مکالمے بھی ہوتے ہیں — لیکن گڈوی والیوں کی ہر ٹولی میں ایک یا دو بوڑھی عورتیں ضرور ہوتی ہیں — نام پوچھیں تو عام طور پر غلط بتاتی ہیں۔ ان کے مرد کوئی کام نہیں کرتے۔ بلکہ گھروں میں بچوں کے پاس رہتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جیسلمیر اور بیکانیر سے ہجرت کر کے آئے ہیں اس لئے ان کی زبان مارواڑی ہے اور اسی وجہ سے سنگیت انہیں ورثہ میں ملا ہے۔ ان ریاستوں سے موسیقی کی روایت کا گہرا تعلق ہے — گڈوی بجانے کے لئے وہ ایک ہاتھ کی انگلیوں میں سکہ پھنسا لیتی ہیں۔

"گڈوی والیوں" کے گیت

ماہیا

تھالی وچ پان ہوسی
ماہی دیاں لکھ قسماں
ساڈی اِکّا دے زبان ہوسی

بیری نوں بُور ہوسی
رُس کے نی ٹرُیا ڈھولا
ما ہے ٹُریا ضرور ہوسی

ویہڑے وچ لا بیری
جیھتے ماہیا آپ وُسنا ئیں
اوتھے جگہ وسے بنا میری

بیری نا نوں بیر لیا
چنگی بھلی کھیڈدی نوں
تقدیراں نے گھیر لیا

کوئی بنگلہ وسے گول ہوسی
اللہ دیاں اللہ جانے
کیہڑے رنگاں وچ ڈھول ہوسی

گیت

توں آجا!
توں آجا!
مار دِتّا سانوں جیندیاں ای
وے تینوں خبر سے ہویا کی
توں آجا!

توں آجا!

دل وچ سے کے پیار پنل دا
سسّی وانگوں میں رُل گئی
تینوں اڑیا سونہہ رب دی
توں آجا!
توں آجا!

سہرا

لے وے کرماں والے دا بنایا سہرا
نی لالاں والے دا سونے دا سہرا
لے نی کرماں والے دا بنایا سونے دا سہرا

سہرا بنھ کے بنڑا چڑھ گھوڑی
نال تیرے دوستاں دی جوڑی
لے وے بنے دا بنایا سونے دا سہرا
لے وے کرماں والے دا بنایا سونے دا سہرا

سہرے دیاں نیں پنج لڑیاں
ہیرے موتی وے ہزاراں لڑیاں
لے وے بنے دا بنایا سہرا
لے وے کرماں والے دا بنایا سونے دا سہرا

سہرا بنھ کے بنڑا چڑھ ہاتھی
او نال تیرے وے اللہ بیلی ساتھی
لے وے کرماں والے دا بنایا اے سونے دا سہرا
لے وے لالاں والے دا بنایا سونے دا سہرا

سہرا بنھ کے بنڑا لا مہندی
نال تیرے نئیں ہر جایا مہندی
لے وے بنڑے دا بنایا اے سونے دا سہرا
لے وے پیارے دا بنایا اے سہرا
لے وے بابو دا سونے دا سہرا

سہرا بنھ کے بنڑا چڑھ کھارے
دوست تیرے نوٹاں دے ہار دارے
لے وے کرماں والے دا بنایا اے سہرا
سونے دا سہرا
لے وے بنڑے دا بنایا اے سونے دا سہرا

گیت

پیاکے پاس کیسے جاؤں، سکھی ری!
بلما بنا
مُنے اِک گھڑی پل چھن کل نہ پڑت
مورا جیا گھبراتے
بلما کے پاس کیسے جاؤں سکھی ری!
مورا جیا گھبراتے
مَیں تو پیا کے پاس کیسے جاؤں

رین اندھیاری کاری بجلی چمک رہی
گھٹا گھنگھور دیکھو بَدریا برس رہی
چھنن چھنن موہے بجلی ڈراتے
مَیں پیا کے پاس کیسے جاؤں
پیا بِنا مُنے اک گھڑی پل چھن کل نہ پڑت

گیت

کدے تے بیرن آیا کرتی
دُکھ سُکھ کی بتلایا کرتی
اک پلنگ پر بیٹھ کر تنوں بھر بھر پیالے دُوں

ہولے ہولے بول مام چنر
کے جاگے تیری ماتا
آنگن میں تیرا باپو سوتو
باگڑ میں تیری ماتا
رما کرم جھم چالن لاگی
بڈ بیری ہالن لاگی
بناں پلا رے چالن لاگی
ہسل کنواری توں
کھڑا کھڑا جے چھورا
مار گیا شامی کا جوڑا

میری نار کا ایسا چہرہ
بڑے ور گا مُنہ
میری گوری کا چہرہ
پتلی رے پتلی خوڑ پری سی
موٹی رے موٹی آنکھ ڈلی سی

ڈوہڑا

رب رات دا جاگنا بہت اوکھا
اک جاگدا یار دا یار راتیں

اک جاگ دا عشق دی مرض والا
دوجا جاگدا بہت بیمار راتیں
اک جاگدا چور سنھ اُتّے
دوجا جاگدا پہریدار راتیں
محمد بوٹیا جدوں سب سوں جاندے
اک جاگدا پروردگار راتیں

ملتان سے واپسی پر ہم نے طے کیا کہ لائل پور کے راستے چنیوٹ اور پنڈی بھٹیاں سے ہوتے ہوئے چلیں گے۔

لائل پور (فیصل آباد)

لائل پور بڑا دلچسپ شہر ہے۔ یہاں قدیم روایات بھی لوگوں کی زندگی کا حصہ ہیں۔ ارد گرد سے تمام دیہاتوں سے لوگ خرید و فروخت کے لئے لائلپور ہی آتے ہیں ہم زیادہ دیر تو لائلپور میں نہ ٹھہر سکے۔ البتہ تھوڑے ہی وقت میں کچھ معلومات اکھٹی کیں۔ یہاں "مائی کی جھگی" بہت سے لوک فنکاروں کا مسکن ہے۔ مشہور لوک فنکار محمد صادق، محمد اقبال اور بیر دین (راس دھاریا) یہیں رہتے ہیں۔ ہم نے شیر محمد لیسین کو تلاش کیا لیکن وہ ہمیں نہ مل سکے

شیر محمد لیسین

شیر محمد لیسین دو شخصیتوں کا ایک نام ہے۔ شیر محمد کی عمر اس وقت ساٹھ پینسٹھ برس کے قریب ہوگی لیکن اس کا بیٹا لیسین ابھی بچپنے کی حدود میں ہے۔

شیر محمد اپنے بیٹے لیسین کے ساتھ گلیوں اور بازاروں میں کنگ اور چمٹا لئے گھومتا رہتا ہے کوئی آواز دے کر کہے "کچھ سناؤ" تو دونوں باپ بیٹا کنگ اور چمٹے کے ساتھ گانا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ ملے تو لے لیتے ہیں، نہ ملے تو یونہی آگے چل پڑتے ہیں۔ اگر یہ دونوں باپ بیٹا کسی میلے میں جا نکلیں تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور "وار" سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ شیر محمد لیسین کو واریں گانے میں کمال حاصل ہے۔ لیکن واروں کے علاوہ وہ "سوہنی مہینوال" اور تصوّف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی لوریاں اور مزاحیہ قصے بھی گاتے ہیں۔ بہت پرانا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ شیر محمد کو لائلپور کے نزدیک چک ڈوگراں کے لوگوں نے کسی تقریب کے سلسلہ میں بلا بھیجا۔ وہ لوگ خورشید شاہ نامی پیر کے مرید تھے۔ شیر محمد وہاں پہنچا تو اسے خورشید شاہ کی پگڑی کا رنگ بہت پسند آیا۔ اس نے خورشید شاہ سے کہا میں

بھی اپنی پگڑی اسی رنگ میں رنگواؤں گا۔ خورشید شاہ نے شیر محمد کا کندھا تھپتھپایا اور بولا "پگڑی تو کیا ہم تمہیں اندر سے رنگ دیں گے"۔ شیر محمد کا خیال ہے کہ اُسی دن سے وہ اندر سے رنگا جا چکا ہے اور اس کے گیتوں میں تصوّف کا رنگ روز بروز گہرا ہو تا جا رہا ہے۔ شیر محمد کہتا ہے کہ میں اصلی بندہ ہوں اور اصلی بندہ وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ شیر محمد کی ملکیت ایک چمٹا اور ایک کنگ ہے جسے وہ سوتے ہوئے بھی ساتھ کو اپنے پاس رکھتا ہے۔ اسے اپنے چھوٹے بیٹے لیٰسین سے بڑا پیار ہے جو کہ اس کے ساتھ مل کر گاتا ہے۔ شیر محمد اسے بیٹا نہیں بلکہ اپنا روپ سمجھتا ہے۔ لیٰسین نے گانے کا فن اپنے باپ سے سیکھا ہے اور اس کے ساتھ مل کر کنگ بجاتا اور گاتا ہے۔

شیر محمد ۴۰ سال سے گا رہا ہے اور ۴۰ سال سے عشق بھی کر رہا ہے۔ اس کی محبوبہ کسی اور کے پاس ہے لیکن شیر محمد کا خیال ہے کہ وہ قید میں ہے۔ اب بھی شیر محمد محبوبہ کے کوچے کے چکر لگاتا ہے اور چوک میں کھڑے ہو کر لوگوں کو منظوم کہانیاں سُناتا ہے۔

شیر محمد نے ایک مرتبہ محمد حیات خاں کے کہنے پر اس کے تھیٹر میں ملازمت کر لی لیکن محمد حیات خاں شیر محمد کے مزاج کو نہ سمجھ سکا۔ شیر محمد نے ملازمت چھوڑ دی اور دوبارہ گلی کوچوں میں گھوم پھر کر گیت گانے لگا۔ آج کل وہ اپنے بیٹے لیٰسین کے بغیر نہیں گاتا۔ اسے کنگ، چمٹے اور لیٰسین سے پیار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر یہ تین چیزیں اس سے جُدا کر دی جائیں تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

رُوحانی بزرگ اور مزار

۱۔ بابا توڑی شاہ

۲۔ نور شاہ ولی

۳۔ لسوڑھی شاہ

۴۔ بابا ہانڈی سائیں

بابا توڑی شاہ

بابا توڑی شاہ کا مزار نڈوالا بنگلہ کے قریب ہے۔ آپ ارائیں قوم سے تعلق رکھتے تھے اور توڑی کا کام کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بابا گڑاں دِتہ ان کے پاس تشریف لائے۔ بابا گڑاں دتہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ بابا گڑاں دتہ نے کچھ مانگا۔ آپ توڑی تولنے میں مصروف تھے اور کہہ رہے تھے۔ "ایک دھڑا، دو دھڑنے، چار دھڑے" بابا گڑاں دِتہ بولے "تیرا ایک ہی نہیں ختم ہوتا، تو ایک ہی کا ورد کر" کہتے ہیں توڑی شاہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فقیر ہو گئے اور ایک دھڑا، ایک دھڑا۔ ایک دھڑا" کہتے پھرتے۔ یہیں سے آپ "توڑی شاہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ سادھو جیسا لباس پہنتے تھے، بازوؤں میں کڑے اور ہاتھ میں گڈوی رکھتے تھے۔ آپ کا میلہ ہاڑ میں لگتا ہے۔

ہرسہ شیخ

ہرسہ شیخ چنیوٹ سے پنڈی بھٹیاں جاتے ہوئے راستہ میں آتا ہے اور پنڈی بھٹیاں سے کوئی چھ سات میل پہلے ہے۔

یہاں شیخ، بھٹی، اعوان اور سید آباد ہیں۔

روحانی بزرگ

سخی سیدن جوان

آپ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا مزار ہرسہ شیخ کے بیرونی حصہ میں واقع ہے۔

کرامات

روایت ہے کہ بچپن میں آپ ایک دیوار پر بیٹھے تھے کسی نے آکر بتایا کہ اُن کے کٹے (بھینس کے بچے) دریا میں ڈوب رہے ہیں۔ آپ نے دیوار کو ایڑی ماری تو وہ گھوڑے کی طرح بھاگنے لگی اور آپ نے دریا کے قریب پہنچ کر بھینسوں کو باہر نکالا

روایت ہے کہ آپ نے اپنے مریدوں سے کہا تھا کہ اُن میں سے جو کوئی بھی بابا فرید کے بہشتی دروازے میں سے گزرے گا کوڑھی ہو جائے گا۔ اس کی وجہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا تھا۔

عرس/میلہ

سخی سیدن جوان کا عرس/میلہ چیتر کی ۹،۱۰،۱۱ کو ہوتا ہے۔ تھیٹر، سرکس کے علاوہ کشتیاں اور کبڈی بھی ہوتی ہے۔ دکانیں لگتی ہیں اور قوالی بھی ہوتی ہے۔

شاہ بلول

آپ کا سلسلہ پیرانِ پیر سے جوڑا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کشتی میں بیٹھے دریا عبور کر رہے تھے۔ اس کشتی میں کچھ براتی اور ایک بندر بھی تھا آپ جذب کی ایسی کیفیت میں آئے کہ آپ کی دُعا سے کشتی کے سب لوگ روحانی قوتوں سے مالا مال ہو گئے۔ جب میں نے راوی سے پوچھا کہ پھر وہ لوگ کہاں گئے تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

میلہ/عرس

آپ کا میلہ ہاڑھ میں لگتا ہے۔ اس میلہ میں تھیٹر، سرکس کے علاوہ دکانیں بھی لگتی ہیں۔ قوالی ہوتی ہے۔ یہ میلہ بڑے میلوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

شاہ فیروز

آپ ایک ملنگ تھے لوگوں کو یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کہاں سے تشریف لائے، لیکن اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے آ کر کہا تھا کہ انہیں یہاں قیام کرنے کا حکم ہے۔ آپ کیمیا گر تھے اور بوٹیوں سے مختلف بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔

آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ جس دری پہ آپ بیٹھتے تھے اس کا کنارا اُٹھا کر ہاتھ مارتے تھے تو پیسے نکلتے جاتے تھے اور آپ لنگر کے لئے دے دیتے تھے۔

آپ کا میلہ/عرس ۲۲ ہاڑھ کو شروع ہوتا ہے۔ اس میلہ میں کنجریاں بھی آتی ہیں۔

بھانڈ/مراثی

ہرسہ شیخ میں بھانڈوں کے دو خاندان آباد ہیں۔ اس کے علاوہ اس علاقے کا مشہور مراثی/ بھانڈ وساوے خان ہے جو موضع گجری میں رہتا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ وہ آج رات ہرسہ شیخ میں سخی سیدن حجان کی چوکی بھرنے آرہا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آکر عارفانہ کلام گائے گا اور رات بھر لوگ سنیں گے۔ ہم پنڈی بھٹیاں سے اس کی خاطر دوبارہ ہرسہ شیخ آئے لیکن وہ کسی وجہ سے پہنچ نہ سکا تھا۔ وساوے خاں کے بارے میں کہا جاتا کہ وہ چھٹے اور گھڑے کے ساتھ گاتا ہے اور سوہنی مہینوال گانے میں اسے کمال حاصل ہے۔

اس کا پتہ یہ ہے:

وساوے خاں بھانڈ

چک نمبر ۱

موضع گجری۔

ہرسہ شیخ۔ پنڈی بھٹیاں

یہاں مجھے خان محمد نے گامن کے شعر اور ماہیے بھی سنائے۔

پردیسی نال نہ لائیے یاری

بھاویں نال سونے دے تُلّے

عشق پردیسی دا اِنج بلے

جیوں اگ بلے وچ چُلھے

آکھ گامن سجن کدوں ملسی

ساڈے وال گلے وچ رُلے

پانی چھنّے وِچوں کاں پیتیا
تیرے وِچوں رب دِسیا تینوں سجدہ مَیں تاں کیتا

پنڈی بھٹیاں

پنڈی بھٹیاں کی وجہ شہرت دُلا بھٹی ہے جس کی نسل کے بھٹی اب بھی پنڈی بھٹیاں میں آباد ہیں لیکن دُلے بھٹی کا گھر یہاں سے دو میل پر "دُلے کی" میں تھا۔

دُلے کی

یہاں ہم نے وہ کنواں دیکھا جہاں لوگوں کے مطابق دُلے کا گھر تھا۔ یہاں دُلے کے پوتے کی اُولاد اب بھی موجود ہے۔ یہاں کے مراثی اور عام لوگ دُلے کی وار گاتے ہیں۔ خاص طور پر مراثیوں کو دُلے کا شجرہ بھی یاد ہے ـــــ ہم یہاں پہنچے تو سردی کچھ کوٹھوں پر جھکی ہوئی تھی اور سردی کے عالم میں یہاں کے مراثی اپنے بستروں میں دبکے ہوئے تھے۔ ہم نے بڑی مشکل سے ایک کو دُلے کے بارے میں کچھ بتانے پر آمادہ کیا۔ اُس کا نام جلاّ تھا۔

جلّے مراثی نے دُلاّ بھٹی کا جو شجرہ سُنایا وہ اس طرح تھا:

اصغر علی ہیتم دا
ہیتم مراد دا
مراد خیر دا
خیر مستی دا
مستی مہمند دا
مہمند کریم دا

کریم بخش پیر محمد دا
پیر محمد محبت خاں دا
محبت خاں جہان خاں دا
جہان خاں دُلے دا
دُلا فرید دا
فرید بدلی دا
بدلی نتھو دا

ننھو دھنگ دا
دھنگ چوڑ دا
چوڑ مکھرے دا
مکھرا اددو دا
اددو گھناج دا
گھناج دراج دا
دراج دھیر دا
دھیر گوندھر دا
گوندھر انگھر دا
انگھر سنگھر دا
سنگھر کوراپاڑ دا
کوراپاڑ بھوفی دا
بھوفی پرم رکھ دا

پرم رکھ چھن دا
چھن جگ پال دا
جگ پال اینچل دا
اینچل جویز دا
جویز من دا
من غیسر دا
غیسر دوسر دا
دوسر تتو دا
تتو بیاس دا
بیاس ریل دا
ریل جگ دا
جگ بھٹی دا

اس شجرے کی صحت پر یقین کرنا مشکل سا لگتا ہے۔ لیکن اس شجرے کی اصل اہمیت یہ ہے کہ ڈلا بھٹی کے خاندان کے مراثی یہی شجرہ اب بھی پڑھتے اور لوگوں کو سناتے آ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ جلے نے یہ اشعار بھی سنائے :-

دُلا سلادہ تے بھائی ہیں آپ بلول آں
تے جد کی چک دلائی پرڑ نشیں ہاریا
دُو چھاپل تے کھائی ملاں نے ساڈیاں
گھراساڈے بادشاہی مُدھ قدیم دی
کر دُسے نال صفائی جے بہنااِی تخت تے

دُلے کی کہانی

دُلے کی کہانی جو اُس کے گاؤں میں مشہور ہے جلے مراثی نے یوں سنائی :

دُلا اپنے بزرگ مستی خاں کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ اس کی ملاقات اکبر بادشاہ سے ہوئی۔ دُلے نے اُن سے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا۔ میں اکبر بادشاہ کا بھٹ ہوں ـــ دُلے نے کہا تو پھر بھٹ کو سلام کیا کرنا اور ساتھ ہی آگے بڑھ گیا ـــ دُلا اکبر بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو اکبر نے ایسا دروازہ لگوا رکھا تھا جس میں اندر جانے کے لئے سَر کو جھکا کر داخل ہونا پڑتا ہے۔ لیکن دُلے نے پہلے ٹانگیں اندر کیں اور پیٹھ کا رُخ اندر کی طرف کر کے سَر بعد میں اندر کیا اور اکبر بادشاہ کو سلام بھی نہ کیا۔ اکبر نے اس سے کہا ۴۲ سال کے ٹکے تمہیں معاف اگر سلام کر د۔ دُلے نے کہا اگر تم اس سے بھی زیادہ سالوں کے ٹکے معاف کر دو تو بھی میں تمہیں سلام نہیں کروں گا کیونکہ تم نے اپنے آپ کو بھٹ کہا ہے اور میں مراثیوں کو سلام نہیں کیا کرتا۔

یہاں پہنچ کر جلے مراثی نے کہانی مختصر کرتے ہوئے کہا جب دُلے کی اکبر سے مخالفت شروع ہو گئی تو اکبر بادشاہ کے سپاہیوں نے دُلے کی ماں "لدھی" کو پکڑ لیا۔ جب وہ اسے لے جا رہے تو وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی تھی۔ سپاہیوں نے اس سے پوچھا پیچھے مڑ کر کیا

دیکھتی ہو؟ وہ بولی میرے دو بیٹے ہیں میں نے انہیں اچھی طرح پالا ہے۔ انہیں دیکھتی ہوں وہ ضرور آئیں گے اور ان کی آنے کی نشانی یہ ہے کہ اوپر باز اُڑیں گے اور نیچے چیتے (گھوڑے) بھاگیں گے۔ اور واقعی یہی ہوا۔ وہ آئے اور انہوں نے اپنی ماں کو سپاہیوں سے چھڑا کر واپس بھیجا۔ لیکن ڈُلے کو کسی طرح قید ہو گئی ——— راوی یہاں آکر چپ ہو گیا اور کچھ دیر بعد بولا ساری دنیا جانتی ہے کہ پھر کیا ہوا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے پھر کبھی وقت نکال کر آؤ تو سُن لینا۔

ادارے کا ریسرچر "ڈُلے کی" جا کر جتے سے ملے گا اور مزید معلومات اور روایات اکٹھی کرے گا۔ جتے کا پتہ یہ ہے

جلا مراثی ولد سردار
سکنہ ڈُلے کی تحصیل حافظ آباد
ڈاک خانہ تھانہ پنڈی بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ

پنڈی بھٹیاں کی کاٹھیاں

یہاں کی گھوڑوں کی کاٹھیاں بڑی عمدہ مضبوط اور خوب صورت ہوتی ہیں۔ جو ملک کے مختلف حصوں میں بھیجی جاتی ہیں۔ یہاں سے ہم نے ایک کاٹھی خریدی جسے میوزیم کے لئے دیا گیا ہے۔

موسیقی کی روایت / لوک گیت

یہاں اکثر لوگ دُلا بھٹی کی واریں گاتے ہیں لیکن سوہنی مہینوال گانے کا رواج بھی ہے نوجوان لڑکے گھڑے اور چمٹے کے ساتھ ٹپے۔ ماہیے۔ گیت گاتے ہیں۔

رابطہ۔ انجم پاشا بٹ۔ مکان نمبر ۹/۱۹۴
محلہ غربی۔ پنڈی بھٹیاں۔ ضلع گوجرانوالہ

میاں خیر محمد نون

یہاں میاں خیر محمد نون کا مزار ہے۔ آپ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ روایت ہے کہ ہلال پور کے رہنے والے تھے۔ ایک مرتبہ سکھ لوٹ مار کرتے ہوئے ہلال پور پہنچے تو انہیں مقابلہ سخت محسوس ہوا۔ اور مُنہ کی کھانی پڑی۔ لوگوں سے پتہ چلا کہ یہاں میاں خیر محمد نون رہتے ہیں۔ سکھوں نے سازش کرکے آپ کو اغوا کر لیا اور پنڈی بھٹیاں میں قیام کے بعد لاہور کی طرف بڑھ گئے لیکن انگریزوں سے کسی نوعیت گولیوں کا تبادلہ ہوا اور بہت سے سکھ مارے گئے۔ انہوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ میاں خیر محمد نون کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس لئے انہوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کا ایک مرید پنڈی بھٹیاں میں رہتا تھا آپ کو لینے پہنچا تو دھڑ ملا سَر نہ ملا آپ نے خواب میں آکر اُسے سَر کی نشان دہی کی۔ آپ کی آخری آرام گاہ پنڈی بھٹیاں میں ہے۔ اس کے بارے میں روایت ہے کہ مرید قبر بنا کر جاتا تو رات کو یہاں کے ایک اور بزرگ میاں مرادنؒ گرا دیتے۔ میاں خیر محمد نون نے اپنے مرید کی پریشانی دیکھ کر خواب میں اس سے کہا۔ مردان کے پاس جاؤ اور وہی کرو جو وہ کہتا ہے۔ مرید نے ایسا ہی کیا اور ان کی تجویز کردہ جگہ پر آپ کو دفن کیا۔

کرامات

روایت ہے کہ جوانی کے دنوں میں ایک رات میاں خیر محمد نون وضو کرنے کے لئے گاؤں سے باہر ایک کنوئیں پر پہنچے مگر کنواں خاموش تھا اور اسے چلانے کے لئے بیل بھی اس وقت موجود نہ تھے۔ آپ نے کنوئیں سے مخاطب ہو کر کہا چل یار کنوئیں ہمیں وضو کرنا ہے۔ حکم سنتے ہی کنواں چل پڑا۔ آپ نے وضو کیا اور آبادی کی طرف چل پڑے مگر آپ کو کنواں بند کرنا یاد نہ رہا۔ صبح جب کسانوں نے کنوئیں کو خود بخود چلتے دیکھا تو میاں خیر محمد نون کے والد جو کہ ایک بزرگ تھے اُسے جا کر سارا ماجرا

بیان کیا۔آپ نے لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ میاں خیر محمد نون کو کنوئیں کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔آپ نے بیٹے کو بلا کر پوچھا تو اُس نے جواب میں کہا کہ کنواں بند کرنا یاد نہیں رہا۔ والد محترم نے میاں خیر محمد نون سے کہا۔بیٹا آہستہ، اتنی تیزی اچھی نہیں ہوتی میاں خیر محمد نون کنوئیں پر تشریف لے گئے اور اُسے تھمنے کا حکم دیا۔

میاں مردان

آپ کا مزار بھی پنڈی بھٹیاں میں ہے۔آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ زمینداروں کی زمینوں کو پانی دینے کے لئے کنوئیں پہ بیلوں کو ہانکتے تھے۔کنواں چلانا اور پانی نکالنا آپ کی ڈیوٹی تھی۔ایک مرتبہ کنواں چل رہا تھا شب قدر کی رات تھی اور آپ کو وہ خاص لمحہ دیکھنا نصیب ہوا جب کنوئیں کا پانی دُودھ بن گیا۔آپ نے وہ دُودھ پیا اور اپنے ساتھی کو بھی آواز دی لیکن وہ صرف چلّو بھر پی سکا۔آپ نے اس سے کہا جاؤ تم بھی گھنگھینوں جتنے ہو گئے ہو (گھنگھنیاں گندم کے ابلے ہوئے دانوں کو کہتے ہیں)

میاں مردان کی کرامات

آپ زمینداروں کے پاس ملازم تھے لیکن زمینداروں کا خیال تھا کہ آپ حقہ پینے میں بہت سا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔اس لئے ضد میں آکر ایک دن بہت سے زمینداروں نے مل کر ایک بڑی سی گانٹھ آپ کے سر پہ رکھ دی۔آپ تھوڑی دُور گئے ہونگے کہ زمینداروں نے دیکھا کہ گانٹھ میاں مردانؒ کے سر سے ایک ہاتھ اوپر چلی جا رہی ہے اور آپ بڑے آرام سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر زمینداروں کو محسوس ہوا کہ یہ آدمی تو کوئی ولی اللہ ہے۔آپ کا عرس (میلہ) ساون کے مہینے میں ہوتا ہے۔

بھٹیوں کی رسمیں

بھٹی آج کل بھی کسی دوسری قوم کو لڑکی کا رشتہ نہیں دیتے۔ ہم نے ایک بھٹی سے پوچھا کہ دُلا بڑا خوب صورت جوان تھا لیکن یہ بھٹی جو ہم دیکھتے ہیں اتنے خوب صورت جوان نہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ بولا اس کی وجہ یہ ہے کہ بھٹی مردوں نے دوسری قوموں میں شادیاں کر لیں۔ اپنی بیٹی کا رشتہ تو نہیں دیتے لیکن خود باہر سے شادی کر لیتے ہیں۔

دوسرا سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ بھٹیوں نے لودھی اور کول قوم کی عورتوں سے شادیاں کر رکھی ہیں لیکن اگر بیوی اپنی قوم میں رشتہ کرنا چاہے تو بھی مرد اجازت نہیں دیتے۔

حضرت سخی سرور کا سنگ

حضرت سخی سرور کا مزار ڈی جی خان میں ہے لیکن پنجاب کے اکثر بزرگوں اور علاقوں پر آپ کا بہت اثر ہے۔ یہاں آپ کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان علاقوں سے گزرے جہاں سے سخی سرور کا سنگ گزرتا ہے اور جن جگہوں پر آپ نے قیام فرمایا تھا وہاں خاص طور پر سنگ ایک دن قیام کرتا ہے اور میلہ لگوآتا ہے۔ آپ سے لوگوں کی عقیدت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا سنگ سیالکوٹ سے شروع ہوتا ہے اور سارا سال سفر کر کے سخی سرور کے مزار پر پہنچتا ہے۔

چھوٹا سنگ / بڑا سنگ

سنگ لوگوں کا وہ جلوس ہے جس میں ملنگ فقیر اور عام لوگ گانے بجاتے اور سخی سرور کا ذکر کرتے ہوئے سارا سال سفر کرتے ہیں۔ انہوں نے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اور سامان گھوڑوں اور خچروں پر لادا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بھی باری باری گھوڑوں خچروں اور گدھوں

پر سوار ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ظاہر ہے سنگ اُس ساتھ کو کہتے ہیں جس میں سخی سرور کے ماننے والے اکٹھے ہو کر پیدل اور گھوڑوں پر سفر کر کے سخی کے دربار تک جاتے ہیں۔

چھوٹا سنگ پہلے چلتا ہے اور قیام کی جگہ پہنچ کر میلہ لگواتا ہے اور پھر آگے نکل جاتا ہے۔ بڑا سنگ آکر میلے کو گرم کرتا ہے اور عروج پہ پہنچا دیتا ہے۔ اس سنگ کے قیام کی جگہیں مقرر ہیں جو کہ ترتیب وار اس طرح ہیں۔

سیالکوٹ ـــــ ڈسکہ ـــــ وزیر آباد ـــــ علی پور ـــــ حافظ آباد

رسول پور ـــــ جلال پور ـــــ بٹی ـــــ پنڈی بھٹیاں ـــــ دولو والا

پر سہ شیخ ـــــ چنیوٹ ـــــ بھوانہ ـــــ جھنگ ـــــ ڈیرا غازیخان

اس روٹ پر کچھ اور جگہوں پر بھی سنگ قیام کرتے ہیں جن پر تحقیق کی ضرورت ہے روایت ہے کہ یہ وہی تاریخی جگہیں ہیں جہاں جس تاریخ کو سخی سرور نے قیام فرمایا تھا۔ یہاں میں پنڈی بھٹیاں میں سنگ کی آمد اور قیام کا تذکرہ کروں گا جس سے سنگ کے مزاج اور رسوم کا اندازہ ہو سکے گا۔

سخی کا سنگ پنڈی بھٹیاں میں

چھوٹا سنگ، اپھگن کو یہاں پہنچتا ہے تو لوگ اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے شہر سے باہر نکل آتے ہیں۔ یہ سنگ قریبی سکول کی گراؤنڈ میں میلہ لگوا کر آگے نکل جاتا ہے۔ ۱۲ اپھگن کو بڑا سنگ آتا ہے تو میلہ اپنے عروج پر پہنچتا ہے۔ اور پھر ختم ہو جاتا ہے۔

ان سنگوں میں فقیر ملنگ اور بہت سے پیشہ ور گانے والے شامل ہوتے ہیں اس کے علاوہ بھرائی بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ تک ساتھ دیتے ہیں۔ جب یہ سنگ شہر میں قیام کرتا ہے تو کچھ بھرائی اور فقیر شہر میں آکر سرنگی کے ساتھ بچوں کو گود میں اٹھا کر لوریاں گاتے

ہیں اور مانگ کر روٹی کھاتے ہیں۔ بہت سے لوگ سکول کی گراؤنڈ میں سنگ کے لئے کھانا جن میں
خاص طور پر چاولوں کی دیگیں شامل ہوتی ہیں پکا کرلے جاتے ہیں۔

منتیں

سنگ کو کھانا کھلانا ایک منت ہے لیکن کچھ لوگ یہ منت بھی مانتے ہیں کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک سنگ کے ساتھ چلیں گے بعض مریض بھی منت کے طور پر گھوڑوں پر بیٹھ کر سنگ کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ چاولوں کی پنیاں بھی بانٹی جاتی ہیں۔

نہر کے کنارے کنارے

پنڈی بھٹیاں سے جہلم تک ہم نے نہر کے کنارے کنارے سفر کیا اور بہت سے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ یہاں ڈھول، گھڑا اور چمٹا مقبول ساز ہیں۔ عام طور پر سوہنی مہینوال دلے کی واریں اور ہیر گائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ماہیا خاص طور پر مقبول ہے۔

پنڈی بھٹیاں کے محمد انور نے ہمیں یہ گیت ریکارڈ کرایا:

میرے سچیا پیرا مہربانا ں
مینوں رنگ دے وے
مینوں رنگ دے مجیٹھی رنگ چولا
تیرے ہتھ کلمے دا گانا
مینوں رنگ دے مجیٹھی رنگ چولا
تیرا پاک محمدؐ نانا
مینوں رنگ دے مجیٹھی رنگ چولا
توں وچ مدینے دا راہنمائیں
مینوں رنگدے وے مجیٹھی رنگ چولا
توں پتھراں توں کلمہ پڑھانائیں
مینوں رنگ دے مجیٹھی رنگ چولا
توں وچ باٹھاں دے راہنمائیں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا
توں میلو آنے راہنمائیں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا
تیرا اوجے پیا شدیاتاں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا
توں وچ پنڈی دے راہنمائیں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا

میاں خیر محمد جواناں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا
میاں حیات محمد جواناں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا
تیرے بُوہے تے وِن بھی نشاناں
مینوں رنگدے مجیٹھی رنگ چولا
میرے سچیا پیرا مہرباناں
مینوں رنگ دے دے
رنگدے مجیٹھی رنگ چولا

پنڈی بھٹیاں میں محمد علیم نے ہمیں یہ گیت ریکارڈ کرایا :

مُیں ایتھے تے ڈھولا بھیرے
بہرے تے ہتھ نہ پھیریا میرے
بھلا، موڑ بزاراں دے
ہتی موڑ کیتی آں
ڈھول دلوں مُکھ موڑاں
گُنہگار میں بھتیی آں

میں ایتھے تے ڈھول مسر گودھے
ہتھ وِچ رنبا مکئی پیا گوڈے
بھلا ڈیگر ویلا
ہتھ پاؤنی آں تاراں نوں

بھلا جیوندا وتنا ایں
اُرا مُہنہ موڑ مُہاراں نوں

میں ایتھے تے ڈھولا گِنّے
پوست لڑ پگڑی دے پَنّے
جھگڑا دو جَنیاں دا سِنّے
بھلا موڑ بزاراں دا
وِچ کھکھڑی نوں دے چیرا
کتھے پیا دسنا ایں
میریا ڈھول نیاہ گیرا

نیں ایتھے تے ڈھولا پربت
ساڈی کھوہی دا پانی شربت
ڈیگر ویلا
نیں پئی ونجھاں مشیناں تے
ہتھ بنھ کھڑیاں
راضی رہو مسکیناں تے

گرُنے پٹھانہ

پنڈی بھٹیاں سے نکلتے ہی کشتیوں کے پُل کے بعد دائیں طرف گرُنے پٹھانہ میں فقہ جعفریہ کے لوگ آباد ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد ایران سے آئے تھے۔ یہاں کی عورتیں سیاہ لباس پہنتی ہیں۔

یہاں خادم حسین مراثی رہتا ہے جو کہ اس علاقے کا مشہور گویا ہے۔

جب ہم نے گرُنے پٹھانہ سے خادم کا پتا معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ کہیں سائی پر گیا ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی شادی پر اُسے گانے کے لئے بُلایا گیا ہے۔ سائی اس رقم کو کہتے ہیں جو معاہدہ کرتے وقت بطورِ ایڈوانس دی جاتی ہے تا کہ گانے والا اس تاریخ کو کسی اور جگہ پر نہ جا سکے۔ سائی کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر اُسے کوئی زیادہ پیسوں کی پیشکش کرے تو بھی وہ انکار کر دیتا ہے جہاں سے سائی ہوتی ہے وہیں جاتا ہے۔

سائی ایک اہم اور دلچسپ رسم ہے اور خرید و فروخت کے معاملہ میں بھی سائی ضروری ہوتی مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے گھوڑا خریدنا چاہے یا کوئی بھی چیز خریدنا ہو تو قیمت کا فیصلہ ہو جانے کے بعد خریدنے والا کچھ پیسے بطورِ ایڈوانس ادا کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ بیچنے والا اب کسی اور سے سودا نہیں کر سکتا۔

یہاں اللہ بخش نامی شخص نے یہ "مقولے" سُنائے:

ساون ماہ خریدنی کھنڈ مندی
دوجا دشمناں تے لدناں بھار مندا
تیجا نال کوسنگی دے سنگ کرنا
چوتھا گھوڑے تے لگھناں پار مندا
پنجواں بے دانا نوں مت دینی
چھیواں چھوہرے نوں دینا اُدھار مندا

بولیاں

بَلے بَلے بھئی جدوں مینوں لین آویں گا
بوتا لیاویں وے جھانجراں والا
بَلے بَلے نی جدوں تینوں لین آواں گا
بوتا لیاواں گا پھمنیاں والا
بَلے بَلے بھئی جدوں مینوں لین آویں گا
کھٹی بنھ کے دھوتی دا لڑ چھڈ کے
بَلے بلے نی جدوں تینوں لین آواں گا
رَتی بنھ کے تُنگی ملتانی
بَلے بُلے بھئی ماپیاں نے تورنی نہیئوں
رانجھا آگیا سرہوں دا پھل بن کے
بُلے بَلے نی آپے تینوں لے جاواں گا
جدوں پاپا نی دو لڑیا کینٹھا

اودتھے اُگدا سُروددا بوٹا
جتھے پچھی پب دھروی

تجویز

مفتی صاحب نے تجویز دی کہ تخت ہزارہ میں رانجھے کا میلہ لگنا چاہیئے۔
ادارہ اس سلسلہ میں جلد ہی اقدامات کرے گا۔ پروگرام سیکشن پروپوزل مرتب کر رہا ہے۔

پیر جھگی شاہ

ڈھرانجھا کے قریب ہی پیر جھگی شاہ کا مزار ہے پہلے آپ کا مزار نواں کوٹ گاہی والا میں تھا لیکن سیلاب کے پیشِ نظر یہاں منتقل کرنا پڑا۔

آپ کا عرس / میلہ ہاڑھ کے مہینہ میں ہوتا ہے۔

میرے پہلے دورے کا ذکر یہاں ختم ہوتا ہے جن علاقوں میں گھوما ان علاقوں کے مشہور راکھان، بولیاں اور گیت۔

بولیاں

بَلے بَلے بھبیؔ جدوں میںنوں لین آویں گا
بوتا لیاویں وے جھانجھراں والا
بَلے بَلے نی جدوں تینوں لین آواں گا
بوتا لیاواں گا پُھمنیاں والا
بَلے بَلے بھبیؔ جدوں میںنوں لین آویں گا
کُھٹی بنھ کے دھوتی دا لَڑ چھڈ کے
بَلے بلے نی جدوں تینوں لین آواں گا
رُتی بنھ کے لُنگی ملتانی
بَلے بُلے بھبیؔ ماپیاں نے تورنی نہیئوں
رانجھا آ گیا سر ہوں دا پھُل بن کے
بَلے بَلے نی آپے تینوں لے جاواں گا
جدوں پایا نی دو لڑیا کینٹھا

اوتھے اُگدا سُرو دا بوٹا
جتھے لبھیّ پیب وسردی

بیریاں نوں بیر لگ گئے
تینوں کجھ نہ لگا مٹیارے

مُنڈا موہ لیا موتیاں والا
نی دھڑی دا سک مل کے

تیری بک تے ملائیاں آئیاں
نی کجا دودھ پین والیئے

ماہیا

بگے دا لا ٹوٹا
ہل تے میں واہ لیناں
میرا جنگمی ناوں قد چھوٹا

میری تلی تے گلاسی آ
ویہڑے وِچ میں پھردی
تینوں کاہدی اُداسی آ

کوٹھے اُتے پھل سکدے
اندر بیماری پئی
باہروں جندڑی دے مُل مُکدے

بیری نالوں بیر لیا
چنگی بھلی کھیڈ دی نوں
تقدیراں نے گھیر لیا

مینہ وس گیا کنڈیاں تے
اللہ میاں فضل کرے
پردیسیاں بندیاں تے

کوئی بوٹا ای لانی دا
کتھے پیا وسدا اے
میرا ڈھول نمانی دا

پیریں بوٹ کھڑکنے نیں
اساں کل ٹر جانا
تساں راہ وی پے تکنے نیں

رتا چمن پراندے دا
گورا رنگ کالا ہو گیا
ویرے سیکل چلاندے دا

چرکی تے چرکی آ
قسمیں خدا دی چناں واری دینی اوکھی آ

ٹہپیاں دی دے واری
کڑی توں پنجاب دی ہیں ٹہپیاں توں کیوں ہاری

کوٹھے اُتے پئی آری
کڑی ہیں لہور دی آں، ٹپیاں توں نہ ہاری

گڑیاں دیاں وچ لڑیاں
تیرا پچھا نہیں چھڈنا بھاویں لگ جان ہتھ کڑیاں

چوکی اتے رکھ آری
میرا پچھا چھڈ دیں گا جدوں ٹُپّس نے پھنڈ چاڑھی

سڑکاں تے روڑی آ
ماہی میرا چھلا لاہ لیا نالے انگلی مروڑی آ

سڑکاں تے روڑی آ
کہنے تیرا چھلا لاہ لیا کہنے انگلی مروڑی آ

گڈی چلدی اے رمے وے رمے
اگے ماہی نت ملدا' ہن ملدا جمے وے جمے

گڈی دیاں دو لیناں
جتھے ماہیا یاد آوے' اوتھے بہہ کے رو لینا

گڈی دیاں دو لیناں
ماہیا ساتھوں وچھڑ گیا' اساں دُنیا تے کی لینا

کوٹھے اُتے تار پئی
تیرے پچھے سجناں وے' سانوں ماں کوں مار پئی

سونے دا اِک ماہیا
لوکاں دیاں رون اکھیاں' ساڈا روندا ای دل ماہیا

سڑکاں تے ٹوٹے پئے نی
باری وچوں تک بابو' کئے عاشق موئے پئے نی

کوٹھے اُتے کاں بولے
چٹھی تیرے ماہیے دی' وچ میرا وی ناں بولے

لوک گیت

کنکاں دی لنگھ آئی
بیریاں دی لنگھ آئی
لنگھنے رہ گئے اک وے!
مروڑے کھا دے لک وے

کنکاں دی لنگھ آئی
بیریاں دی لنگھ آئی
لنگھنے رہ گئے کریر وے!
گُڈّی ململ دی
ڈگ ڈگ کرے سریر وے!

کنکاں دی لنگھ آئی
بیریاں دی لنگھ آئی
لنگھنے رہ گئے جھل وے!
تڑ دی ہتھ جوڑ دی
کھڑا ہو کے سُن جائیں گل وے!

کھوہ تے گئی آں سادا کریلا
نی میرا ماہیا رُسیانی ہیں کیتا میلا
بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!
پردیسیاں نوں گل چا لاوی دا
گل لا کے وے ڈھولا سٹ نہیں ونجی دا
بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!
آ ڈٹھ ویہڑے تیری خاکی وردی
کیوں پانا ایں پھیرے
وے ساڈی نہیوں مرضی
بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!
آ وڑ ویہڑے گھٹ دیاں پڑھی
دو چار باتاں وے میں کم دی بیڑی
بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!
آ وڑ ویہڑے ہتھ ڈبی نیل دی
اساں آپ نہ لائیاں وے لگ گئی دلیل دی
بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!
پردیسیاں نوں گل چا لاوی دا
گل لا کے ڈھولا سٹ نہیں ونجی دا
بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!

لیہلن دی مُہیلی وے ماہی ڈبیاں توں کُھل گئی آ
ٹُر گیا ماہیا تے اندھیری گُھل گئی آ
لیہلن دی مُہیلی . . . .
کدی آوندا وے کدی نہیئوں آوندا
وے ماہیا کیہڑی گلوں شرماوندا
لیہلن دی مُہیلی . . . .
قربان گلے دیئے ہیئے
جُگّی پا سجناں کول دیئے
لیہلن دی مُہیلی . . . .
کن سونے دی تار
ماہی ٹُریا ئیں وی دُلیاں نال
لیہلن دی مُہیلی . . . .
میرے چولے نال جنجیری
تے اُیں لگے رات اخیری
لیہلن دی مُہیلی . . . .
قربان گلے دیا ہارا
وے مُیں ڈھونڈ رہی آں جگ سارا
لیہلن دی مُہیلی . . . .
مُیں پانی بھرینی آں چوٹی توں
بسم اللہ کرینی آں روٹی توں
لیہلن دی مُہیلی . . . .

اسیں ایتھے تے ڈھول کرنگی
وت لاہ لے جھلاں نہ بھن انگی
لیہن دی مہیلی ....
اسیں ایتھے تے ڈھول قبیلے
گوریاں رناں تے بھوچھن پیلے
لیہن دی مہیلی ....
اسیں ایتھے تے ڈھولا ڈوبھے
ہتھ وچ زنا ملگئی پیا گوڈے
لیہن دی مہیلی ....
قربان ہتھاں دیا چھلیا
کیوں روناایں عشقا جھلیا
لیہن دی مہیلی وے ماہیا ڈبیاں توں کھل گئی آ
ٹر گیا ماہیا تے اندر اندھیرے ہی گھل گئی

ہکا دم سچی آں ڈھولا
اللہ وے ملیسی ڈھولا
تیری لنگی تے پوندی ڈھوڈ وے
سارا لوک مریندا کوڑ وے
ہکا دم سچی آں ڈھولا
اللہ وے ملیسی ڈھولا

آ ڈھولا ایہناں راہیں
ڈیوے بال دھراں تھانتھائیں
تُدھے دیاں مَنتاں ڈھولا
اللہ وے میلسی ڈھولا
تدھے دیاں منتاں ڈھولا
اللہ وے میلسی ڈھولا
آ ڈھولا نیں کُوکدی
چھڈ دے نوکری بندوق دی
تے لائی گھر کھاویئے ڈھولا
اللہ وے میلسی ڈھولا
ہکو دم سجی آں ڈھولا
آ ڈھولا کجھُ کھلئے
جیہڑے کنگن پوائے نیں لاہ ئے
ہکا دم سجی آں ڈھولا
اللہ وے میلسی ڈھولا
قربان بہتاں دے پوئے
رُت پی گئے سجن چپ وکے
ہکا دم سجی آں ڈھولا
اللہ وے میلسی ڈھولا

سہرے

چڑھ آیا نی میرا لاڈا
شالا راج مانے بناں
چڑھ دیکھو سہرے والڑے دیاں
خیریں ڈھکن جنجاں
بناں جے تدھ بدھڑا گاناں
تیرے نال وجے شدیاناں
شدیاناں وے

ماہیا !
چڑھ آیا نی میرا لاڈا
شالا راج مانے بناں
بناں جے توں چڑھیوں کھارے
تیری اماں روپئیے وارے
وارے وے

ماہیا !
خوشیاں مانے میرا لاڈا
شالا راج مانے بناں
چڑھ دیکھو سہرباں والڑے دی
سوہنی سیج مانے بناں
بناں جے توں چڑھیوں گھوڑی
تیرے نال بھراں دی جوڑی

جوڑی وے

ماہیا!

خوشیاں مانے میرا بناں

شالا راج مانے بناں

بناں جے وڑیوں دروازے

تیرے نال وجن واجے

واجے وے

ماہیا!

خوشیاں مانے میرا لاڑا

شالا راج مانے بناں

بناں جے تدھ ماں مناتی

تیری قادر بوٹی لائی

لائی وے

ماہیا!

خوشیاں مانے میرا لاڑا

شالا راج مانے بناں

بناں جے تدھ کھیتی جنڈی

تیری اماں شکر ونڈی

ونڈی وے

ماہیا

خوشیاں مانے میرا لاڈا
شالا راج مانے بُناں
چڑھ ویکھو سہریاں والڑے دیاں
خیریں ڈھکسن جنجاں

نی کسے مالن پرویا
نی کسے شوقن پرویا
جوڑے دا سہرا
سہرا بنیئے دس لڑیاں
ہیرے موتی لالاں جڑیاں
نی کسے مالن پرویا
جوڑے دا سہرا
آوے بنیاں بنھ گاناں
لاگے ہوسی تیرا اپنا ماماں
نی کسے مالن پرویا
نی کسے شوقن پرویا
جوڑے دا سہرا
آوے بناں چڑھ کھارے
ابے تیرے روپیے وارے
آوے بناں چڑھ کھارے
ماں تیری روپیے وارے

ے نی کسے مالن پرویا

جوڑے دا سہرا

آدے بناں چڑھ گھوڑی

نال تہاڈے چاچیاں دی جوڑی

ے نی کسے مالن پرویا

جوڑے دا سہرا

آدے بنیاں تساں آندی ڈولی

ماں صدقے بھین ویسی گھولی

ے نی کسے مالن پرویا

ے نی کسے شوقین پرویا

جوڑے دا سہرا

اکھان

تھا ہووے جے ٹھنڈا
روٹی کدے نہیئوں سڑدی

بالن ہووے جے گلا
اگ کدے نہیں بلدی

پتر ہووے جے چنگا
نونہہ کدے نہیوں لڑدی

راہ ہووے جے سُکا
گڈ کدے نہیں اڑدی

پاپا باہجھ نصیبوں
گڈی کدے نہیوں چڑھدی

چابک ہووے جے چنگا
گھوڑی عذر نہیں کردی

ڈِگا کھوتی توں
گُسّا کمھیار تے

کمھیاری آکھیاں کھوتے تے نہیں چڑھدی

کمھیاری اپنا بھانڈا اسلاہندی اے

ملاّح دی ٹھکی اُنتاڑی رہندی اے

بَڑے نوں نہ مارو، بڑُے دی ماں نوں مارو

بھانڈے نال بھانڈا ٹھُہک ای پیندا اے

جیہڑا جانے آپ نوں
اوہدے جانیئے باپ نوں

جیہڑے پنڈ نہیں جانا
اوہدا راہ کیہہ پچھنا

کدی ڈِچ دی گرڑ کدے بجھیا اے؟

چھج تے بوہے
چھاننی کیہہ بولے

اپنی گاں مہیں دا دُدھ
سو کوہ تے وی جا پیوی دا اے

بُھکے جٹ کٹورا لبھا
پانی پی پی آپھریا

اُٹھاں مارے اُٹھی نُوں
گھُسن وجے ٹُھمی نُوں

اُٹھے دے پیر ہیٹھاں بٹیرا آگیا سی
اوہنے سمجھیا میں شکاری ہوگیا آں

چوہے نُوں لبھی سُنڈھ دی گنڈھی
اوہنے آکھیا میں پساری ہوگیا ں

جِتھے جاء
اوناں تاء

ہتھ پُہانے لُکوفسرٹے
بسنتے ہوری آئے

موئی ریچھ نال
تے دبو بھورے وچ

لُولا لنگڑا کانا کُکّا کیرا
تے مچھّاں والی رن
جیہڑا ایہناں تے اعتبار کرے..........

دانے مُڑی جو گے نہ
تے گھگھو نوں ہتھ

جھورا چھڈ داں
تے عاشق نوں برنوں

جنّی نکّی
اونی تکھی

جنّی چھوٹی
اونی کھوٹی

بٹیریاں کیہہ لڑنا ایں
استاداں دے ہتھ لڑدے نیں

گودھا کیہہ اُڈّا دے
بسرآ دوے پادے

جتّھے لال تے ونڈو کوے
جتّھے ونڈو اونے تھوڑے

سنڈھیاں دیاں پوشلاں مروڑیاں دیر نہیں لگدے

ٹوبھی ٹھونگیاں بھکھ نہیں لہندی

پوہ پالا نہ ماگھ پالا
پالا وا دوا ئیں

پڑھیتی سنیا نہہ، دا ہنڈھی کھیتی
کدی نہ ہوون بتیوں تیتی

پرائی گاں جہیں دا ہوا نا وڈا نظری آؤندا اے

کرپ٘ائیاں
آدُجائیاں

پرائے ہتھ کھی ہوئی جاپدی اے۔

آئندہ صفحات دوسرے دورے کی ریلیز ترچ
پر مبنی ہیں جس کی ابتدا رفتح جنگ سے ہوتی ہے۔

فتح جنگ

فتح جنگ ایک پرانا گاؤں ہے جو کہ آہستہ آہستہ شہر کی خصوصیات اپنا رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ فتح جنگ ان کے کسی بڑے بزرگ کا نام تھا اور اپنے نام کی مناسبت سے انہوں نے بہت سی جنگیں بھی جیتی تھیں۔ فتح جنگ راولپنڈی سے تقریباً ۶۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور اسی ضلع میں آتا ہے۔ پنڈی سے یہاں تک سڑک پکی اور اچھی حالت میں ہے۔ فتح جنگ کی خصوصیات بیان کرنے کے لئے یہاں کے اردگرد کے لوگ یہ کہاوت استعمال کرتے ہیں۔ جھکڑ، کھرڑ، پتھر یعنی اس علاقے میں آندھی بہت آتی ہے اور جھکڑ چلتے ہیں۔ کھرڑ قوم زیادہ تعداد میں ہے اور پتھر بھی بہتات سے ہیں۔ یہ تین چیزیں یہاں کی پہچان ہیں اور آبادی ۲۰ اور ۳۰ ہزار کے درمیان ہے

قومیں

یہاں زیادہ تر کھرڑ، ترکھان، تیلی اور جولاہے آباد ہیں اور ابھی تک اپنے آبائی پیشوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ لیکن اب آہستہ آہستہ اُن کے بچے ملازمتوں کی طرف توجہ دینے لگے ہیں۔

یہاں دس محلّے ہیں جن میں اہم محلّوں کے نام یہ ہیں:۔

محلّہ لوہاراں، محلّہ تیلیاں، محلّہ زمینداراں

اردگرد کے گاؤں

مدنقال - بھال سیداں - اجوالا - تاجایارا - ماجیا - ڈھوکڑی۔

کربال - ٹھترنال کریاں - باطر - الکھوڑی

رسمیں

یہاں بچے کے پیدا ہونے پر دروازے پر دھریک یا شریہہ کے پتوں کا گچھا باندھ دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بچے کو بلا نہ پڑے جسے یہاں کے لوگ "الا" کہتے ہیں اور پتوں کے گچھے کو "رکھ" کہا جاتا ہے۔

میرے خیال میں پتوں کے اس گچھے کا مقصد "بلا" یعنی "الا" سے حفاظت ہی نہیں بلکہ اس کے اندر ایک گہرا سماجی اور معاشرتی مفہوم پنہاں ہے۔ کیونکہ پتوں کا گچھا دیکھ کر سب کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے اور اس سے اس گھر کے ساتھ سب کا رویہ منفرد ہو جاتا ہے۔ اس رویے میں کچھ احترام کچھ خوشی اور کچھ نیکی کا احساس جھلکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی پتوں کا یہ گچھا ایک اعلان نامہ بھی ہے کہ اس گھر میں بچہ پیدا ہوا ہے۔ احترام کے رویے میں ایک طرح کا یہ احساس بھی شامل ہے کہ اندر آرام کی ضرورت ہے! اسی لیے جب میں چند نوجوانوں کے ساتھ دھریک کے پتوں کے گچھے والے دروازے کے سامنے کھڑا باتیں کر رہا تھا تو نوجوان ذو معنی نظروں سے گچھے کو دیکھتے ہوئے مجھے اس دروازے سے دور لے آئے۔ اس گچھے کے پتے ابھی سبز تھے اور میرے خیال میں لوگ گچھے کے پتوں کا رنگ دیکھ کر یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ بچے کو پیدا ہوئے کتنے دن ہوتے ہیں۔ یہ گچھا وقت کے ساتھ ساتھ خشک ہو کر جھڑ جاتا ہے۔

بچے کی پیدائش کے علاوہ یہاں شادی بیاہ کی رسمیں بھی روایتی اور دلچسپ ہیں۔ لڑکی کو یہاں شادی سے آٹھ دن پہلے مائیاں بٹھایا جاتا ہے۔

لوک ناچ، لوک گیت

یہاں مرد خوشی کے موقعوں پر "سمی" اور "خٹک" ناچتے ہیں۔ ایک گروپ ایسا بھی ہے جو سر پر گھڑے رکھ کر ناچتا ہے۔ مراثی عام طور پہ شادی بیاہوں پر گیت گاتے ہیں۔ نوجوان لڑکے ماہیے گاتے ہیں۔ اشرف نے مجھے ایک ماہیا سنایا۔

پھلی رواں نال اے

ڈر پیا لگدا اے یاری بے پرواں نال اے

یہ ماہیا پنجاب کے دوسرے حصوں میں بھی مقبول ہے مگر پہلا حصہ علاقے کے مزاج کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ "رواں" کا ذکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں کی فصلوں میں "رواں" اہم ہے۔

روحانی بزرگ / مزار

یہاں بابا سائیں حاضر کا مزار ہے۔ جہاں آٹھ بھادوں (اگست، ستمبر) کو میلہ لگتا ہے میلے میں دکانوں کے علاوہ کھیلوں کے مقابلے بھی ہوتے ہیں جن میں کبڈی اہم ہے۔ لوگ سمی اور خٹک بھی ناچتے ہیں لیکن یہ روایت آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔

میری تحقیق کے مطابق فتح جنگ اور ارد گرد کے دیہاتوں کی ۳۵، ۴۰ ہزار تک کی آبادی میں سے ۸۰ فیصد آبادی بابا سائیں حاضر میں بھرپور اعتقاد رکھتی ہے اسی لئے میرا خیال ہے کہ بابا سائیں حاضر یہاں کے اہم روحانی بزرگ ہیں۔ عقیدت کا عالم یہ ہے کہ لوگوں نے کئی اور روحانی بزرگوں کی کرامات بھی آپ کے نام سے مشہور کر رکھی ہیں۔ مثلاً یہاں کے لوگوں نے مجھے خواجہ نور محمد

چشتیاں کی ایک کرامت معمولی ردوبدل کے ساتھ بابا سائیں حاضر سے منسوب کرکے سنائی جو کہ یوں ہے۔

ایک ہندو کا بیٹا گم ہو گیا۔ کئی مہینوں کے بعد بھی اس کا بیٹا نہ ملا تو وہ مجبور ہو کر بابا سائیں حاضر کی خدمت میں پیش ہوا اور مدد کی التجا کی۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں تمہارا بیٹا مل جائے گا۔ ہندو بدستور بیٹھا رہا۔ آپ نے غصہ سے کہا جاؤ وہ آ رہا ہے۔ کہتے ہیں ہندو باہر نکلا تو ایک بِلّی اُس کے قریب سے گزر گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ہندو کا بیٹا بھاگا چلا آ رہا تھا اور اس کے ہاتھ گیلے آٹے سے لتھڑے ہوئے تھے باپ نے اسے گلے سے لگا لیا بیٹے نے بتایا کہ وہ دِلّی کے ایک ہوٹل پہ ملازم تھا ابھی آٹا گوندھ رہا تھا کہ یہ بِلّی آ گئی۔ وہ بِلّی کو شِشکارنے کے لئے اس کے پیچھے بھاگا اور اپنے آپ کو یہاں پایا۔

یہی کرامت خواجہ نور محمد چشتیاں سے یوں منسوب ہے۔

ایک عورت ثوما کا بیٹا گم ہو گیا اُس نے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی۔ آپ نے کہا بِلّی کو دُودھ پلاؤ۔ بِلّی دُودھ پی رہی تھی کہ آپ نے فرمایا۔ "بِلئے جیدا کھائیے اوہدا کم دی کریئے"۔ بِلّی یہ سُن کر دیوار پھلانگ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں دیوار پھلانگ کر اندر آئی تو لڑکا بھی اندر کُودا۔ اُس کے ہاتھ میں روٹیاں لگانے والی سیخ تھی۔ ماں نے گلے لگا لیا۔ پوچھنے پر معلوم کہ وہ دِلّی کے ہوٹل میں روٹیاں لگا رہا تھا کہ بِلّی روٹی اُٹھا کر بھاگی اس نے اس کا تعاقب کیا اور یہاں آ نکلا۔

کہتے ہیں اسی ہندو نے بیٹے کے مل جانے کے بعد بابا سائیں حاضر کی زندگی میں ہی میلہ لگوایا جو آج تک لگتا ہے اور آٹھ دن تک جاری رہتا ہے۔ قوالی ہوتی ہے۔ دکانیں لگتی ہیں۔ سرکس کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ بیلوں کی دوڑ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں کے بیل یعنی دھنی کے بیل پورے پنجاب میں اپنی خوبصورتی اور محنت کے لئے مشہور ہیں۔ مَیں نے یہ اس لئے کہا کہ "دھنی" کا اثر یہاں بہت زیادہ ہے جس میں زبان پیش پیش ہے۔ بابا صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ جہاں یاد کرو

آجاتے ہیں۔ بکروں کے چڑھاوے دیئے جاتے ہیں۔ منت مان کر تین سوموار تک حاضری ضروری ہے۔

بابا ولی احمد

یہاں ایک اور بزرگ بابا ولی احمد کا مزار بھی ہے جن کا عرس ہر سال اپریل میں ہوتا ہے آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ننگے رہتے تھے۔

بابا پیر احمد شاہ

بابا پیر احمد شاہ کا عرس ہر سال نومبر میں ہوتا ہے۔

سائیں نور خان

فتح جنگ سے سات میل کچے راستے پر موضع بڑا ہے جہاں سائیں نور خان کا مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے چاقو سے اپنی کھال اتار کر درندوں کو ڈال دی تھی۔ یہاں عام طور پہ قیدیوں کی رہائی کے لئے منتیں مانی جاتی ہیں۔

تاریخی مقامات

تاریخی مقامات میں ایک ماڑی ہے جسے اب نیلامی میں یہاں کے کسی امیر آدمی نے خرید لیا ہے

لوک فنون

یہاں پہ بلاکس بنتے ہیں۔ بلاکس بنانے والوں کو چھاپہ گر کہتے ہیں۔ اب صرف ایک خاندان ایسا رہ گیا ہے جو چھاپے گھڑتا یا بناتا ہے جنہیں کپڑوں پہ چھاپا جاتا ہے جسے عام زبان میں

ٹھیکنا کہتے ہیں۔ اس خاندان کا ایک بزرگ ماسٹر گرافٹس مین ہے جس کی عمر اس وقت ۸۰،۷۰ کے قریب ہوگی۔ اس کے پاس بہت سے پرانے بلاک بھی موجود ہیں۔

کُتّے اور بٹیرے

یہاں کے لوگ کُتّے اور بٹیرے پالتے ہیں اور انہیں لڑاتے ہیں۔

ڈھوک پٹھانا

تلہ گنگ روڈ پر یعنی پنڈی گھیب سے تلہ گنگ جاتے ہوئے راستے میں سواں کا پُل ہے۔ اس پل کے ایک طرف ڈھوک پٹھانا ہے۔ یہ ایک خوب صورت مقام ہے۔ ڈھوک پٹھانا کے لوگ محنت مزدوری کرتے ہیں اور کچھ پنڈی تک بھی جاتے ہیں۔ یہاں ایک ہائی وے لاج بھی ہے جو کہ رہنے کے لئے بہت اچھی جگہ ہے۔

کلر کہار

چکوال سے خوشاب کی طرف جانے پر سڑک پر سترہ میل کے فاصلہ پر کلر کہار ہے۔ یہ ایک پرانی جگہ ہے۔ شہنشاہ بابر نے تزک بابری میں کلر کہار کے بارے میں لکھا ہے۔

"یہاں سے چلے اور ظہر کے وقت کلاہ کنار میں اترے۔ یہاں چاروں طرف خوید کے کھیت کے کھیت تھے۔ یہ مقام قابلِ دید ہے۔ بھیرے سے دس کوس کے فاصلہ پر پہاڑ میں ایک ہموار قطعہ ہے اسی میدان میں ایک صاف بڑا تالاب ہے۔ ارد گرد کے پہاڑوں اور بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے۔ اس تالاب کا گھیر تقریباً تین کوس ہوگا۔ مرغزار کے شمال میں ایک ندی ہے۔ اس کے مغرب میں دامنہ کوہ ہے اس میں ایک چشمہ ہے اس چشمہ کا پانی ان بلندیوں پر جو تالاب کے اوپر ہیں پڑا رہتا ہے چونکہ جگہ عمدہ تھی اس لئے میں نے یہاں باغ تیار کرایا اس کا نام باغ صفا رکھا۔ یہ باغ صاف اور ہوادار مقام پر بنا جس کا مفصل حال آگے بیان ہوگا۔ کلاہ کنار سے ہم صبح ہی روانہ ہوئے۔ اتوار کا دن تھا۔ ربیع الاوّل کی گیارھویں تاریخ بھیرے سے کابل کی طرف مراجعت کی۔ کلاہ کنار میں آکر ٹھہرے اس دن بھی شدت سے مینہ برسا۔ سب (دوسرے دن) چاشت کے وقت روانہ ہوئے۔"

دریائے سوہاں

کلر کہار

شہنشاہ بابر

۲۱ ر فروری ۱۵۱۹ء

بھیرے کی طرف

۱۱ ربیع الاوّل ۹۲۵ھ بمطابق ۱۹ مارچ ۱۵۱۹ء

شہنشاہ بابر نے جو باغ ڈیزائن کیا تھا آج بھی باغ صفا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ جھیل بھی موجود ہے جس کا ذکر بابر نے کیا ہے۔ البتہ اس باغ میں اور اس کے قریب اونچی جگہ پر ضلع کونسل لاج اور ایک پولیس ریسٹ ہاؤس ہے۔

رُوحانی بزرگ/مزار

یہاں باغ صفا کے ایک طرف چھوٹی سی پہاڑی پر حضرت ہو بہو کا مزار ہے۔ جس پہاڑی پر آپ کا مزار ہے کبھی اسے جنّوں والی پہاڑی کہا جاتا تھا۔ حضرت ہو بہو کو اس لئے سلطان ہو بہو کہا جاتا ہے کہ ان کی شکل حضرت سلطان باہو سے بہت ملتی تھی۔ آپ کا عرس بھی منعقد ہوتا ہے۔

روایت

روایت مشہور ہے کہ آپ کے مزار کا کوئی نشان نہ تھا یہاں سے اونٹ گذرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ساربان کو خواب میں آپ نے کہا اٹھو اور چلو صبح وہ اٹھا تو اس کا اونٹ بھی چل پڑا۔

مور

آپ کے مزار پر بہت سے مور ہیں جو کہ باغ صفا میں بھی گھومتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان موروں کو کوئی نہیں لے جا سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے والا اندھا ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے مور لے جانے کی کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ یہاں کے لوگوں کو کچھ معلوم نہیں کہ یہ مور

یہاں کیسے آئے۔

میرا خیال ہے کہ جب بابر نے یہ باغ (باغ صفا) تیار کمایا یا اس کی تجویز ظاہر کی ہوگی تو مور بھی اسی کے کہنے پہ یہاں چھوڑے گئے ہوں گے جن کی نسل آج تک چلی آ رہی ہے۔

کلرکہار کی عام روایات

ا۔ یہاں ایک چھوٹا تالاب ہے جسے مقامی زبان میں "ڈن" کہتے ہیں۔ ہر سال یہ ڈن ایک بندہ لیتی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ ہر سال اس میں ایک آدمی ضرور ڈوبتا ہے۔

۲۔ یہاں کے قبرستانوں میں اُلّو بہت ہیں۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں جب بھی اُلّو بولتا ہے کوئی نہ کوئی آدمی ضرور مرتا ہے۔

پیشے

کوئی خاص لوک آرٹ نہیں۔ مرد زیادہ تر فوج میں ملازم ہیں۔ عورتیں جفاکش اور محنتی ہیں۔ پانی کی کمی ہے بہت دُور دُور سے لانا پڑتا ہے کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اہم فصلیں گندم، باجرہ، مکئی اور مونگ پھلی ہیں۔

عورتیں

چونکہ مرد فوج میں ہیں اس لئے عورتیں زندگی کے کاروبار میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ عورتوں پر جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔ عام طور پر جھگڑے زمین اور عورت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

چیف آف بھاٹ

یہاں کے لوک ورثہ میں گوتیں سنانے والے سوئیٹر بہت مشہور ہیں۔ کیونکہ اس علاقے کا تعلق بابر کے ساتھ رہا۔ اس کے ساتھ آنے والوں نے معمولی قیام کے دوران میں اس علاقے کو بہت متاثر کیا۔ یہاں قریب ہی موضع جال میں ایک چیف آف بھاٹ فیملی آباد ہے چیف آف بھاٹ دراصل بھاٹ فیملی ہے۔ مراثی اور بھٹ دو الگ الگ لوگ ہیں۔ مراثیوں کا تعلق زیادہ تر گانے بجانے سے رہا ہے جبکہ بھاٹ، تاریخ کو زبانی یاد رکھنے کے لیئے شہرت رکھتے تھے اور ہیں۔ دراصل پرانے وقتوں میں تاریخ لکھنے کا رواج نہ تھا۔ اس لیئے بھاٹ درباروں سے منسلک ہوتے تھے جن کا کام خاندانی اور بادشاہی تاریخ کو یاد رکھنا اور سُنانا ہوتا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ گاؤں کے بڑے زمینداروں اور اونچی قوم کے سینیئر لوگوں نے بھی بھاٹوں کی سرپرستی کی کہ وہ ان کے خاندان کا شجرۂ نسب یاد رکھیں لہٰذا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ جب کبھی کسی بڑے آدمی کے گھر کسی دوسری قوم کا بڑا شخص مہمان ہوتا تو ایک خاص محفل جمتی اور بھاٹ اس میں میزبان کے خاندان کی تاریخ ایک مخصوص انداز میں بیان کرتا۔ پتہ چلا ہے کہ یہ رسم شادی بیاہوں کے موقعوں پر بھی دہرائی جاتی تھی۔ اسی لیئے کسی زمانے میں بھاٹ ایک اہم قوم تھی۔ ایک قوم کے لوگ دوسری قوم میں اوّل تو لڑکی کا بیاہ نہیں کرتے تھے لیکن اگر کبھی اختلاف پایا جاتا تو بھاٹوں کی مدد لی جاتی تھی۔ لیکن جوں جوں تاریخ کو لکھنے کا رواج عام ہوا یہ INSTITUTION آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا۔ اور پھر بھاٹ بھی یادداشت کے لیئے خاندانی تاریخ کو لکھ کر محفوظ کرنے لگے۔

مزاحیہ کردار

گوکھار کے لوک ورثے میں مزاح کو بہت دخل ہے۔ یہاں کے ماہیوں میں محبت اور

جاہت کے ساتھ ساتھ طنز اور مزاح بھی ہے۔ بھاٹ چونکہ مزاح اور طنز کے بھی ماہر ہوتے ہیں، اس لئے میرے خیال میں یہاں کے فوک لور میں مزاح اور طنز کا اثر بہت زیادہ ہے۔ پیروڈی کے فن سے یہ لوگ آگاہ تو نہیں مگر عام طور پہ واقعات اور گیتوں کی پیروڈی کر کے سناتے ہیں۔ خاص طور پر سیاسی واقعات یہاں اکثر پیروڈی میں ڈھل جاتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ لوک ورثے کی مدد سے لوگوں کے سماجی اور سیاسی خیالات کا اندازہ ہوتا ہے تو کلر کہار اور اس کے ارد گرد کے دیہاتوں کے لوک ورثے کے مطالعہ سے میری یہ بات واضح ہو جائے گی۔ حاکم وقت، زمینداروں اور بڑے لوگوں کے بارے میں یہاں کے ماہیئے اور گیت یہاں کے لوگوں کے نقطۂ نظر کو بیان کرتے ہیں۔

ارد گرد کے گاؤں

۱۔ جھامرا شریف ، ۲۔ دھرکنا ، ۳۔ بھال منارا

عکسی مفتی، نصراللہ ملک، خالد جاوید اور چیف آف بھاٹ فیملی

چیف آف بھاٹ

جھامرا شریف

لوک آرٹ

یہاں کے جوتے بہت مشہور ہیں تقریباً ۱۲، ۱۳ گھر اب بھی جوتوں کا کام کرتے ہیں. یہاں کے جوتے سرگودھا پہنچا دیئے جاتے ہیں اور پھر دور دور کے دکاندار خرید کرلے جاتے ہیں. تلے کا کام خاص طور پر مشہور ہے کہا جاتا ہے بلکہ میں نے خود بھی محسوس کیا ہے کہ تلے کا کام جس نفاست، باریکی اور خوبصورتی سے یہاں ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا۔ یہاں کے کھُسّے الگ پہچانے جاتے ہیں. ان کی بناوٹ منفرد ہے. دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ۱۔ کھُسّا اور کھیڑی. لیکن جیسا کہ اس دورے کے دوران میں احساس ہوا، لوک آرٹ کی سب AUTHENTIC چیزیں آرڈر پر بنتی ہیں۔ یہاں بھی خاص کھُسّے اور کھیڑیاں آرڈر پر تیار ہوتی ہیں. یہاں کے زمیندار اور بڑے لوگ سیپ رکھتے ہیں اور گندم یا کسی اور فصل کے ساتھ کچھ نقد پیسے دے کر جوتے بنواتے ہیں بلکہ ہر بڑے گھر کا اپنا ایک مخصوص موچی ہے جو سال کے سال گندم لیتا ہے اور جوتے بنا کر دیتا ہے لیکن اب یہ سلسلہ ختم ہوتا جا رہا ہے اور یہ فن بہت زیادہ COMMERCIALIZE ہو چکا ہے جس کی وجہ سے معیار اور نفاست پر بہت فرق پڑا ہے چمڑا اور تلہ مہنگا ہوتا جا رہا ہے اس لئے بھی جوتے بنانے والے خاندان اپنی نئی نسل کو ملازمتوں کی طرف راغب کر رہے ہیں عالم دین موچی (جھامرہ ضلع جہلم وایا چکوال) کے گھر جانے کا اتفاق ہوا تو وہ فارغ بیٹھا ٹیرا نچا رہا تھا. پتہ چلا کہ اس نے اپنے ایک بیٹے کو شہر میں ملازم کروا دیا ہے اور اب جوتوں کا کام بہت کم کرتا ہے وہ اس لئے کہ اب بچت نہیں ہوتی.

جوتے بنانے کے لئے مندرجہ ذیل اوزار استعمال ہوتے ہیں:۔

۱۔ آر ۔جوتے کو سینے کے لئے دو قسم کی آریں استعمال ہوتی ہیں
چھوٹی اور بڑی

آر

مزار دیدن سرکار کے دروازے پر عکسِ مفتی

۲۔ رمبی ۔ اس سے چمڑا کاٹا جاتا ہے

اور جوتے کی FINSHIHG

کی جاتی ہے۔ لوہے کی بنی ہوتی ہے۔ اسے ذبانگ بھی

کہا جاتا ہے۔

رمبی

۳۔ دریچنا ۔ یہ لکڑی کی ایک سپوٹ ہے جسے گھٹنوں کے درمیان

پکڑ کر اوپر جوتا رکھ کر سیا جاتا ہے۔

دریچنا

۴۔ پھرڑی ۔ یہ بھی لکڑی کا ٹکڑا ہوتا ہے

جس پر جوتے کے فالتو چمڑے

یا چمڑے کے بڑے ٹکڑے

کو کاٹا جاتا ہے۔

پھرڑی

۵۔ سل ۔ یہ پتھر کی عام سل ہوتی ہے جس پر چمڑے کو کوٹا جاتا ہے۔

۶۔ منگی ۔ یہ چمڑا کوٹنے

کے لئے استعمال

ہوتی ہے اور لکڑی

کی بنی ہوتی ہے

منگی

۷۔ قلبوت ۔ یہ لکڑی کا ٹھوس پیر کی شکل

کا بنا ہوتا ہے اور ہر سائز

میں ہوتا ہے۔

قلبوت

۸۔ سبتقا ۔ یہ ایک بڑی سوئی ہوتی

ہے جس سے جوتے کا شکل

حصہ سیا جاتا ہے

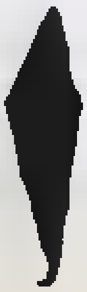

سوئی

ان کے علاوہ چراں، شکنجہ اور ہتھوڑی بھی استعمال ہوتی ہے۔

تجاویز

جھامرا میں مجوتوں کے فن پر تحقیق (RESEARCH) کرنے کیلئے ایک RESEARCHER کو بھیجنے کی سخت ضرورت ہے۔

روحانی بزرگ / مزار

جھامرا میں زمان شاہ موتیوں والی سرکار کا مزار ہے جن کا عرس نویں مہینے میں ہوتا ہے۔ آپ کی قبر کے دونوں طرف دو دو قبریں ہیں اور درمیان میں پانچویں آپ کی ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ اب بھی آپ کے خاندان کے لوگ جھامرا میں موجود ہیں اور جب بھی ان کے خاندان کا فرد وفات پاتا ہے جب اُسے قبرستان میں دفن کیا جاتا ہے دوسرے دن قبر غائب ہوتی ہے اور وہ انہی پانچ قبروں میں سے کسی ایک میں آجاتے ہیں۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ قبریں پانچ ہی رہیں گی لیکن ان کے خاندان کا ہر فرد ان میں سما جائے گا۔ مزار کے عقب میں ملنگوں کے ڈیرے اور لنگر خانہ بھی ہے۔

عورتیں

یہاں کی عورتیں محنتی اور جفاکش ہیں۔ پانی کی کمی ہے۔ دُور دُور سے پانی لاتی ہیں۔ پہلے وقتوں میں یہاں کی عورتیں "کرچ" (ایک مہلک ہتھیار) بھی اپنے پاس رکھتی تھیں جس کا مقصد اپنی حفاظت تھا ۔ لوک گیت گاتی ہیں لیکن صرف عورتوں کی محفل میں ۔ مراثنیں شادی بیاہوں پر لوک کھیل کھیلتی ہیں۔ اور شادی بیاہ کے گیت گاتی ہیں ۔ یہاں کی عورتیں دھوتی (تہبند) اور کُرتا پہنتی ہیں۔ زیورات بہت کم یا شادی بیاہ کے موقعوں پر پہنے جاتے ہیں۔ عورتیں بھی مردوں کی طرح عام طور پر گھسا پہنتی ہیں

کھر کہار سے سولہ میل کے فاصلہ پہ ہے۔ یہ بھی ضلع جہلم میں آتا ہے۔ یہاں پہ کوئلہ کی کانیں دریافت ہوئی ہیں جس سے گاؤں کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی ہے۔

قومیں

یہاں زیادہ تر اعوان اور بھٹی آباد ہیں۔

لوک فنون

منارہ چٹائی اور چنگیر کے کام کے لئے بہت مشہور ہے لیکن اصل شہرت چٹائیوں کو حاصل ہے یہاں جائے نماز اور عام چٹائیاں (بیٹھنے کی) بہت عمدہ بُنی جاتی ہیں۔ یہاں تقریباً ۸۰۰ گھر ہیں جن میں سے ساڑھے چار سو گھر چٹائیوں کی بُنائی کا کام کرتے ہیں۔ سندھ کو چھوڑ کر یہاں کی چٹائیاں سارے پاکستان میں بھیجی جاتی ہیں۔ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ اعوان کہلاتے ہیں جب اُن سے پوچھا گیا کہ جب یہاں اردگرد کھجور کا درخت میں پٹھا بھی نہیں ہوتا تو اس کام کے یہاں شروع ہونے کی وجہ کیا تھی ـــــ لوگوں نے بتایا کہ اعوان خاندان کا ایک فرد پرانے وقتوں میں کسی سلسلہ میں بنوں گیا تھا وہاں سے اس نے شادی کی اس کی بیوی بُنائی کا یہ کام کرنے میں ماہر تھی جب وہ اپنی بیوی کو لے کر یہاں آیا تو اس نے یہ کام شروع کیا اور بہت سے لوگوں کو سکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک صرف عورتیں ہی بُنائی کا یہ کام کرتی ہیں۔

اس کام کے لئے پٹھا بنوں کے علاقے سے خرید کر لایا جاتا ہے۔ چٹائیوں میں بہت اچھے اور رنگدار بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ یہاں "پھوہڑ" "مصلّے" بھی بہت اچھے بنتے ہیں۔ لیکن اب یہ کام اتنا زیادہ (COMMERCIALIZE) ہو چکا ہے کہ کچھ بڑے لوگوں نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ وہ مال موقع پہ ہی خرید کر دوسرے شہروں میں لے جا

کر بیچ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بُنائی میں نفاست اور خوب صورتی کم ہوتی جا رہی ہے۔

بزرگانِ دین

یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر بابا شاہ ساڑھی والے کا مزار ہے۔ وہ ہواکے درد کا دم کیا کرتے تھے۔ ہر کی ۲۰ تاریخ، چیتر (مارچ) کو میلہ لگتا ہے۔ گدی بھی ہے۔ میلہ میں کھیلوں کے مقابلے ہوتے ہیں۔ قوالی کی جاتی ہے۔

اردگرد کے گاؤں

پیل - یہاں سے چند میل موضع پیل ہے جہاں پتھر کی دوریاں (دنگریاں) بنتی ہیں جن کے لیے سفید پتھر استعمال ہوتا ہے جو کہ قریبی پہاڑوں میں دستیاب ہے۔

پدھراڑ۔ پدھراڑ میں بھی پتھر کا کام ہوتا ہے۔ بلکہ تحقیق کے مطابق زیادہ اور تیز کام پیل کی بجائے پدھراڑ میں ہی ہوتا ہے۔

خوشاب (ضلع سرگودھا)

کلر کہار سے خوشاب ۵۹ میل ہے۔ دو تین میل کا ٹکڑا اُچا اور JUMPY ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیر شاہ سوری جب یہاں سے گزرا تو پانی کے ذائقے اور مٹھاس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس ٹاؤن کا نام خوش آب رکھا۔

یہاں لوگ شادی بیاہ کے موقعوں پر دھریس ناچتے ہیں۔ کوئی بھی خوشی کا موقعہ ہو گوجرانوالہ، سیالکوٹ، گجرات اور گرد و نواح کے علاقوں میں لوگ بے خود ہو کر بھنگڑا ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر خوشاب، جھنگ اور ارد گرد کے علاقوں میں دھریس ناچا جاتا ہے۔ لیکن بھنگڑا ناچنے والے بھی موجود ہیں بھنگڑے اور دھریس میں بنیادی فرق یہ ہے کہ بھنگڑے میں ہاتھوں کی (MOVEMENT) اوپر ہی رہتی ہے جب کہ دھریس میں ہاتھوں کی MOVEMENT اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کی طرف ہوتی ہے۔

خوشاب اور سرگودھا کے علاقے میں دھریس کو جھومر بھی کہا جاتا ہے لیکن میرے خیال میں دھریس اور جھومر میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ دھریس میں جھومر کی طرح دائرے کی پابندی سختی سے نہیں کی جاتی اور جھومر کی نسبت دھریس میں ڈھول کی BEATS کے پورے CIRCLE کے دوران میں ہاتھوں کے اوپر اٹھنے اور نیچے آنے کے عرصے زیادہ ہوتے ہیں یہ تو وہ فرق ہے جو میں نے یہ ناچ دیکھ کر محسوس کیا لیکن چونکہ جھومر اور دھریس کا ردم تقریباً ایک جیسا ہے اس لئے یہ دونوں ناچ ایک ہی سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں ناچنے والے بھی ایک ہی کہتے ہیں لیکن انہیں ناچتے ہوئے دیکھ کر ان باتوں کا بھرپور احساس ہوتا ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہیں۔

پاکستان کے تقریباً سبھی رقص ایسے ہیں جن میں گیت، ماہیے یا ڈھولے ضرور گائے جاتے ہیں۔ بھنگڑے میں بھی ڈھولے اور ماہیے ضرور گائے جاتے تھے لیکن اب یہ روایت ختم

خوشاب کے لوگ ہیمڑیاں گاتے ہوئے

ایک عورت اُپلے بناتے ہوئے

ہوتی جا رہی ہے۔ اب بھنگڑے کے ساتھ گیت یا ماہیے کی آواز شاذ ہی سنائی دیتی ہے اس کی وجہ یہ کہ وہ علاقے جن کا تعلق خاص طور پہ بھنگڑے سے ہے شہری رویوں کی زد میں ہیں اس لئے بھنگڑے کے ساتھ گانے کی روایت کم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ جاننے کے لئے کہ کن علاقوں کا تعلق بھنگڑے سے ہے ذرا اس بولی کی طرف توجہ دینی ہوگی۔

پار جھناں دیں پیا دسدا ای بیلا
دب کے ڈغا مار اوشیخا

دنیا جھٹ دا میلہ

چناب اور بیلا یہ دو چیزیں بھنگڑے کے مزاج کو مرتب کرتی ہیں — اسی لئے میں نے گجرات، وزیر آباد، سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور لاہور تک کے علاقے کو خاص طور پہ بھنگڑے کا علاقہ کہا ہے۔

لیکن وہ علاقے جن کا تعلق جھُمر یا دھریس سے ہے ان میں شہری تبدیلیوں نے اتنی تیزی سے اثر نہیں کیا اسی لئے وہاں دھریس اور جھُمر ناچتے ہوئے اب بھی گیت ضرور گائے جاتے ہیں ——— ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اپنی کتاب پاکستان کے لوک ناچ" میں لکھا ہے :-

"بھنگڑے کی ایک شکل اور بھی ہے اُسے سرگودھے میں 'ہیمڑی' کہا جاتا ہے۔ اس ناچ کو مصلی لڑکے رچاتے ہیں۔"

میری تحقیق کے مطابق ہیمڑی بھنگڑے کے ناچ کی کوئی بھی شکل نہیں بلکہ یہ ماہیے اور ڈھولے سے اخذ کیا ہوا ایسا گیت ہے جسے شادی بیاہوں پر گایا جاتا ہے اور مصلی لڑکے (جنہیں ان علاقوں میں ناچے کہا جاتا) بھنگڑے اور دھریس کے کچھ انگ ملا کر ایک ناچ ناچتے ہیں۔ اس میں ہیمڑیاں گاتے ہیں ——— بلکہ میں نے دو تین ناچوں کو آرام سے بیٹھ کر ہیمڑیاں گاتے بھی سنا ہے

چنیوٹ اور جھنگ کے علاقوں میں بھی دھریس کو جھمر بولتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں چنیوٹ کا دھریس واقعی جھمر ہے یعنی اس میں مکمل دائرہ بنتا ہے اور جھمر کی طرح ڈھولے اور گیت بھی گائے جاتے ہیں۔

خوشاب میں حیاتو ماچھی دھریس کا ماہر تصور کیا جاتا ہے جس کا پتہ یہ ہے:

حیاتو ماچھی
معرفت پنجاب بینڈ۔ اڈہ لاریاں
تحصیل خوشاب۔ ضلع سرگودھا۔

ماسٹر محمد حسین پنجاب بینڈ کا مالک ہے اور اسی کی معرفت ہیمڑیاں گانے والوں کو بھی بلایا جاسکتا ہے۔

گھوڑے کا ناچ

خوشاب میں گتے کا گھوڑا بنا کر اس میں ایک آدمی کھڑا ہو کر ناچتا ہے۔ گتے کے گھوڑے بنانا اور نچانا بھی یہاں کی اہم اور پرانی روایت ہے۔ ان پر ریسرچ کی ضرورت ہے۔ یہاں گتے کے گھوڑے بنانے والوں کے بھی ایک دو گھر ہیں جو کہ اس میں کمال رکھتے ہیں ماسٹر محمد حسین اس سلسلہ میں بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

ٹوٹا

یہاں ٹوٹا یعنی شہنائی بجانے والے بھی موجود تھے۔

بزرگانِ دین

خوشاب میں حضرت سخی سید احمد شاہ (المعروف دربار بادشاہاں) کا مزار ہے۔ ہر سال عید کے چاند کی گیارھویں تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ شکیں

بلکہ جھر کر لوگوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ آپ کو پانی سے بہت محبت تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جو بھی پانی بھرے گا۔ اس کی دُعا جلد منظور ہو گی اسی لئے لوگ آپ کے مزار پر نلکے سے پانی بھر بھر کر ٹنکی میں ڈالتے ہیں جس سے لوگ وضو کرتے اور نہاتے ہیں۔ آپ کے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت باہو آپ کے بزرگوں کے مُرید تھے اور انہوں نے مزار کے قریب ہی ایک جگہ چلّہ بھی کاٹا۔ یہاں کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت باہو کا حکم ہے کہ حضرت سیّد احمد شاہ کے پاس حاضری دے کر آئیں ساتھ ہی ایک احاطے میں حضرت سیّد احمد شاہ کے مالی کا مزار ہے جہاں لوگ جانوروں کے گلے میں ڈالنے والی گھنٹیاں چڑھاتے ہیں۔ سُننے میں آیا ہے کہ یہ مالی آپ کے مزار کی حفاظت کیا کرتے تھے اور پھول چڑھاتے تھے۔ حضرت سید احمد شاہ کے دربار پر لوگ بکروں کے چڑھاوے بھی دیتے ہیں۔ نمک بھی چڑھاتے ہیں۔ اب بھی صحن میں نمک کا پیالہ پڑا رہتا ہے اور لوگ نمک کی ایک چٹکی ضرور کھاتے ہیں چونکہ جوانی ہی میں وصال کر گئے اس لئے آپ کے مزار پر سر کی طرف خوب صورت اور چمکدار پگڑی ضرور رکھی جاتی ہے۔

حافظ صالح محمد یہاں کے نگران ہیں۔

حضرت سخی سیّد معروف شاہ

یہاں حضرت سخی سیّد معروف شاہ کی آخری آرام گاہ بھی ہے جن کا عرس بھی ہوتا ہے۔

شاہ شمس شیرازی

خوشاب سے چھ میل کے فاصلہ پر شاہ پور میں شاہ شمس شیرازی کا مزار ہے چیتر کی ۲۰، (مارچ۔ اپریل) میں یہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے جو کہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶ تک جاری رہتا ہے۔

مزار حضرت سیّد سخی معروف شاہ

حافظ دیوان

آپ کے مزار پر بھی ۳۱ مارچ کو میلہ لگتا ہے۔

میاں سلطان علی ننگیانہ

ماہِ رمضان کے ختم ہوتے ہی یعنی عید کو میلہ لگتا ہے۔

نبی شاہ

ہاڑ کی پانچ تاریخ کو میلہ لگتا ہے۔ آپ کا مزار بھیرہ سے اس طرف چھ میل اور جھوریاں سے گیارہ میل کے فاصلہ پہ ہے۔ میلہ میں دوڑیں اور نیزہ بازی ہوتی ہے، ناچنے والیاں بھی آتی ہیں۔

جمالی سلطان

خوشاب سے اٹھائیس میل مظفر گڑھ روڈ پہ آپ کا مزار ہے۔

تاریخی مسجد

یہاں ایک تاریخی مسجد بھی ہے جس پر تحقیق کی جانی باقی ہے۔

لوک فنون

خوشاب کی منگیاں اور صراحیاں بہت مشہور ہیں۔

ڈھوڈا

ڈھوڈا یہاں کی روایتی اور مقبول مٹھائی ہے جسے سوجی، بادام، مکھن وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔

غلام فاطمہ

خوشاب میں بھیرے کی غلام فاطمہ مجھے بہت یاد آئی۔ شاید اس لئے کہ ہم نے بھیرے جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا اور میں نے غلام فاطمہ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ بھیرا ضرور آؤں گا۔ غلام فاطمہ بھیرا کے ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور امیر لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ بھیرا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں شادی بیاہ یا خوشی کی کوئی تقریب غلام فاطمہ کے بغیر مکمل خیال نہیں کی جاتی۔ غلام فاطمہ کو ہم نے دو تین مرتبہ اسلام آباد بھی بلایا اور اس کی ریکارڈنگ کر کے ایک کیسٹ بھی شائع کیا ہے۔ غلام فاطمہ کو بے شمار ڈھولے اور لوک گیت یاد ہیں وہ ڈھولک بجانے میں بھی کمال رکھتی ہے۔ غلام فاطمہ نے مجھے کچھ گیت اور ڈھولے سنائے

گیت / ڈھولے

چِٹّی میری مَہیلی وے کالی نال سودا کر ماہیا!
مَیں مر ویساں وے تے قرار نہ کر ماہیا!
کدے آؤنا ایں وے کدی نیئوں آؤندا
ماہیا کیہڑی گلوں شرماؤندا
چِٹّی میری مَہیلی وے کالی نال سودا کر ماہیا!
مَیں مر ویساں وے تے قرار نہ کر ماہیا!
مَیں پانی بھرینی آں سجرا
بھیج پیا گلابی گجرا
چِٹّی میری مَہیلی وے کالی نال سودا کر ماہیا!
مَیں مر ویساں وے تے قرار نہ کر ماہیا!

قربان گلے دی گانی

سجناں لاہ کھڑی نشانی

چھٹی میری مہیلی دے کالی نال سودا کر ماہیا!

نیں مردیساں دے ملے قرار نہ کر ماہیا!

قربان گلے دی گانی

شالا وس دلاں دے جانی

چھٹی میری مہیلی دے کالی نال سودا کر ماہیا!

نیں مردیساں دے ملے قرار نہ کر ماہیا!

قربان ہتھاں دیا چھلیا

کیوں ردرج سجناں توں چلیا

چھٹی میری مہیلی دے کالی نال سودا کر ماہیا!

نیں مردیساں دے ملے قرار نہ کر ماہیا!

قربان گلے دیئے بیئے

جھگی پا سجناں کوں دیئے

چھٹی میری مہیلی دے کالی نال سودا کر ماہیا!

نیں مردیساں دے ملے قرار نہ کر ماہیا!

بازار وکیندے چھوڑے

ساڈے دلاں دے ہو گئے سودے

چھٹی میری مہیلی دے کالی نال سودا کر ماہیا!

نیں مردیساں دے ملے قرار نہ کر ماہیا!

میں پانی بھرینی آں چتنوں
بانکے نین نہ رہندے تکنوں
چھتی میری مہیلی کالی نال سودا کر ماہیا!
ئیں مروبیساں سے تے قرار نہ کر ماہیا!

چھتی گرگابی کالی شاہ شلوار ہووے
پاکے نکلاں دسے دا جانی نال ہووے
ئیں پانی بھرینی آں چتنوں
بانکے نین نہ رہندے تکنوں
چھتی گرگابی کالی شاہ شلوار ہووے

چن چڑھیا لیکاں لیکاں
چٹیاں دھان دیاں پاریتاں
چھتی گرگابی کالی شاہ شلوار ہووے

قربان نکے دی کوکی
سجناں لا کھڑی پیڑی
چھتی گرگابی کالی شاہ شلوار ہووے

اسیں ایتھے تے ڈھولا زوری
ساتھوں گلاں کر ریندا اے چوری

چٹی گرگابی کالی شاہ شلوار ہووے
پاکے نکلاں دے دا جانی نال ہووے

نونہہ تے سس لڑ پئیاں
پیالی اک چاہ دی توں
سس آکھے میں اکو پیساں
نونہہ آکھے میں دونویں پیساں
نونہہ نے سس کو مارا
سنے جگ سارا
پیالی اک چاہ دی توں
نونہہ تے سس لڑ پئیاں
پیالی اک چاہ دی توں
نونہہ آکھے کوئی سدنی امادن
گھر دے وچ توں نی وڈی فسادن
نونہہ آکھے میں پیکے جاندی
اس خاوند دی چاہ نہ پکاندی
خاوند آکھے پیسے لے لے
پیسے واپس چاہ وی پکا لے
گڑ دے بدلے کھنڈ وچ پا لے
ماں دا واسطہ کیہڑا
نہ پٹ گھر میرا

پیالی اک چاء دی توں

نوںہہ تے سسّ لڑ پئیاں

پیالی اک چاء دی توں

سسّ آکھے توں پکے جاسی

پچھے میرا پُتر ستّا سی

پھلوں سالی دی پَیریں پیسی

وڈّھ دی گئے نک میرا

پیالی اک چاء دی توں

نوںہہ تے سسّ لڑ پئیاں

پیالی اِک چاء دی توں

سوںہہ رب دی قسم ربدی

رات اندھیری چھپی نہیوں لبھدی

باری وچ بہہ کے میں کھیڈاں گیٹیاں

مچھی والا منڈا بھیڑا مارے سیٹیاں

سوںہہ رب دی..........

باری وچ بہہ کے میں چھلاں لکھیاں

مچھی والا منڈا بھیڑا مارے اکھیاں

سوںہہ رب دی..........

باری وچ بہہ کے میں کھیڈاں ڈولیاں

مچھی والا منڈا بھیڑا مارے بولیاں

سوںہہ رب دی..........

مچھیّ والا کہندا مچھیّ میرے کول اے
گرم مصالا ہٹّی والے کول اے
سُوہنہ رب دی..........
مچھیّ والا کہندا مچھی آئی پُل تے
تیرے جہیاں ناریاں تے گئیاں رل کے
سُوہنہ رب دی..........
مچھیّ والا کہندا مچھیّ لے کے جائیں نی
اٹک تے پٹک جیہڑا ویکھ کے جائیں نی
سُوہنہ رب دی، قسم رب دی
رات اندھیری مچھیّ نہیوں لبھدی

ماہی دے وال گھُمبرے
لائیاں چھوٹی عمبرے
چھلّا ماریا تھمب نوں
جھوٹا لایا ای دم دم نوں
چلیوں کیہڑے کم نوں
چھیتی آجا چن وے
کیہڑا لمّاں ای کم وے
ماہی دے وال گھُمبرے
لائیاں چھوٹی عمبرے

چھلّا پیا پھٹی وے
چھوڑی دینا ایں سُتّی وے
بھُوسیں کیہڑی رُتیں وے
ماہی وے وال گھُمبرے
لائیاں چھوٹی عُمبرے
چھلّا دھریا دھو کے
ماہی ٹُریا رو کے
ویہڑے وچ کھلو کے
چھیتی آ جا چن وے
کیہڑا لمّاں ای کم وے
ماہی وے وال گھُمبرے
لائیاں چھوٹی عُمبرے
چھلّا نُوں نُوں تھیوے
پُتر مِٹھّے میوے
مَولا ہر نُوں دیوے
چھیتی آ جا چن وے
کیہڑا لمّاں ای کم وے
ماہی وے وال گھُمبرے
لائیاں چھوٹی عُمبرے
چھلّا سہرا سِراں
مویّاں ملیاں قبراں

جُھنڈے لیندے جھراں
چھیتی آجا چن وے
کیہڑا اُلمّاں ای کم وے
ماہی دے وال گھُمبرے
لائیاں چھوٹی عمرے

ماہیا وے بیت گئیاں نیں راتاں
ڈھولا وے گھر آجا
اس عشقے دی سُن وے کہانی
سوہنی تاں ہڑ موئی ڈونگھے پانی
نہ ہوئیاں ملاقاتاں
ڈھولا وے گھر آجا
ماہی وے بیت گئیاں نیں راتاں
اس عشقے دے وڈے وے اڈمیر
عشق نوائے پیر پیغمبر
عشق نہ پچھدا ذاتاں
ڈھولا وے گھر آجا
ماہیا وے بیت گئیاں نیں راتاں
اس عشقے دی گل نہ کیتی
وے ماہیا جے کیتی
تاں سُولی دیتی

کیہڑی تتی گل لایا
نہیں آیا میرا پھُل موتیے دا
نہیں آیا
ماہیا نی ساڈا جھُکھاں دا کاہلا
سارا نی سوہنا جھُکھاں دا کاہلا

لڈواں تھال بھرایا
نہیں آیا میرا پھُل موتیے دا
نہیں آیا
ماہیا نی میرا نیندر دا کاہلا
سارا نی سوہنا نیندر دا کاہلا
بوُہے اُگے پلنگ وچھایا
نہیں آیا میرا پھُل موتیے دا
نہیں آیا
ماہیا نی میرا تریہاں دا کاہلا
سارا نی سوہنا تریہاں دا کاہلا
ویہڑے اِچ کھُوہا دی کڈھایا
نہیں آیا میرا پھُل موتیے دا

نہیں آیا

ماہیا نی میرا ٹھوڑا جاندا

سارا نی سوہنا ٹھوڑا جاندا

گھت وکیل منایا

نہیں آیا میرا پھل موتیئے دا

نہیں آیا

ماہیا نی میرا ٹمن دا کاہلا

سارا نی سوہنا ٹمن دا کاہلا

بوہے اگے ٹانگہ منگوایا

نہیں آیا میرا پھل موتیئے دا

کیہڑی تتی گل لایا

نہیں آیا میرا پھل موتیئے دا

بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!

پردیسیاں توں گل چالاکی دا

گل لاکے ڈھولا وے سٹ نہیں ونجی دا

بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!

کھوہ تے گئی آں ساوا تماکو

وے اسیں جاگ لیٹیرے تسیں لٹیا اساکوں

بیدردی ڈھولا! بیدردی ڈھولا!

پنڈ لگی وینی آں نی میرا کم سنیاسے نال
ماہیا گلاں کرنے نی میں سناں سہارے نال
مَیں پانی بھرنی آں چھوٹی توں
بسم اللہ کرینی آں روٹی توں
پنڈ لگی وینی آں ....

اسیں اتھے تے ڈھولا لہور
جے دل آیا تے مل ونج چھوڑ
پنڈ لگی وینی آں ....

میں پانی بھرنی آں لنگروں
بسم اللہ کرینی آں اندروں
پنڈ لگی وینی آں.....

مَیں پانی بھرنی آں تینوں
بانکے نیں نہیں رہندے تکنوں
پنڈ لگی وینی آں.......

قربان ہتھاں دیا چھلیا
کیوں رُوح سجناں توں چلیا
پنڈ لگی وینی آں نی میرا کم سنیارے نال
ماہیا گلاں کرے نی میں سناں سہارے نال

چنیوٹ

چنیوٹ۔ ایک ہندو شہزادی چندروٹ کا غلط العام ہے جسے کچھ لوگ چنن وٹ شہزادی بھی کہتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ ایک پرانے کنوئیں میں لگے ہوئے پتھر سے ہوتا ہے جس پر شہزادی چنن وٹ کا نام کھدا ہوا ہے یہاں ایک قلعہ بھی ہے اور ایک غار قلعہ کو کنوئیں سے ملاتی ہے۔ خیال ہے کہ شہزادی اس غار میں سیر کیا کرتی تھی چنیوٹ ایک پرانا شہر ہے اسی لئے اس کی اپنی ایک مخصوص ثقافت اور روایات ہیں۔

لوک گیت

یہاں ڈھولا بہت مقبول ہے اور ماہیے کو بھی توڑ کر اور اس میں مصرعے شامل کر کے ڈھولا بنا لیا جاتا ہے۔ شادی کی رات لڑکے کے دوست مل کر جھمر ناچتے ہیں اور ڈھولے گاتے ہیں شہر سے باہر ہم نے ایک جگہ رات کے وقت لوگوں کو ڈھول کی تھاپ پر جھمر ناچتے دیکھا لیکن اس میں وہ دائرہ نہیں تھا جو جھمر کے لئے ضروری ہے لیکن وہ آواز ضرور تھی جو ناچ کے دوران میں وقفے وقفے سے نکالی جاتی ہے۔

لوک فنون

چنیوٹ میں لکڑی کا کام بہت عمدہ اور خوبصورت ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں کے تین چوتھائی لوگوں کا ذریعہ معاش یہی ہے۔ یہاں لکڑی کے کام کے اہم شعبے یہ ہیں:

۱۔ جندری یا خراد (لیکر آرٹ)

۲۔ لکڑی کی کھدائی (وڈ کارونگ)

۳۔ براس۔ ہڈی کی جڑائی کا کام (براس اینڈ بون ان لے)

کہا جاتا ہے کہ یہاں پر لکڑی کے کام کی ابتدا تعزیہ بنانے سے ہوئی کسی نے ایک تعزیہ

تعزیه

بنایا۔ دوسرے نے اس کا مقابلہ کیا اور اس طرح لکڑی کے تعزیئے بنانے کا مقابلہ ایک ایسی روایت بن گیا جس نے یہاں لکڑی کے کام کی داغ بیل ڈالی۔ لکڑی کا یہ کام کرنے والے دراصل لوہار ہیں لیکن سہارن کہلواتے ہیں۔ اس کام کی ابتدا تو تعزیہ بنانے کے مقابلہ سے ہوئی لیکن فروغ اس وقت ملا جب چنیوٹ کے شیخ کاروبار کے لئے کلکتہ اور دوسرے شہروں کو جانے لگے۔ میرے خیال میں کسی بھی فن کو فروغ اسی وقت ملتا ہے جب اس کی قدر و قیمت کا دائرہ وسیع ہو اور اس میں ذہن کی کشادگی کو دخل حاصل ہو۔ یہ بات بڑی آسان اور قابلِ فہم ہے کہ شیخ جب کاروبار کے لئے باہر جاتے ہوں گے تو اس لکڑی کے سامان کی فروخت کا ذریعہ بھی بنا ہوگا ساتھ ہی ان کے ذہن کی کشادگی اور نئے تجربات بھی اثر انداز ہوئے ہوں گے۔ اس کام کی عمدگی، خوبصورتی اور نفاست کی ایک وجہ وہ قدیم روایت بھی ہے جو انگریزوں کے وقت سے پہلے کی چلی آرہی ہے۔ اور پھر چونکہ یہ لوگ شیشم کی لکڑی استعمال کرتے ہیں اور یہ لکڑی ارد گرد کے علاقوں میں عام پائی جاتی ہے۔ اس لئے بھی اس فن کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم ہوا۔ یہاں بھی اچھی، قدیم اور AUTHENTIC چیزوں کے لئے پہلے آرڈر دینا پڑتا ہے کیونکہ ایسی چیزوں کی مانگ کم ہوتی جا رہی ہے اور شہر والے زیادہ ماڈرن چیزوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فن اب خاصا MODERNISE ہو چکا ہے۔

جندری یا خراد کا کام (LACQUER ART)

لکڑی پر رنگدار پھول بوٹے بنانے کو یہاں خراد کا کام کہا جاتا ہے۔ اس کام کا اڈا چونکہ تالے (جندرے) کی شکل کا ہوتا ہے اس لئے اسے جندری کا کام بھی کہا جاتا ہے۔ مگر چنیوٹ کے لوگ اسے خراد کا کام بولتے ہیں لیکن اب یہ کام بہت کم ہو گیا ہے اور زیادہ توجہ WOOD CARVING کی طرف دی جا رہی ہے۔ ایک ماسٹر کاریگر سے ملاقات ہوئی جنہوں نے حال ہی میں خراد کے کام کا خوب صورت چرخہ بنایا تھا۔ وہ حاجی احسان کے والد

چنیوٹ کے دو نوجوان کاریگر کام کرتے ہوئے

ہیں۔ حاجی احسان یہاں لکڑی کے کام کے ماہر تصور کیے جاتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ لکڑی کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی خرید و فروخت اور شہروں میں مارکیٹ کے بھاؤ اچھی طرح جانتے ہیں جب کہ یہاں کا عام کاریگر ان باتوں سے بے خبر ہے۔

کھدائی کا کام

لکڑی کو کھود کر اس میں بیل بوٹے بنانے کا کام بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس میں بہت زیادہ تبدیلیاں بھی آچکی ہیں۔ خاص طور پر اس میں کشمیر میں لکڑی کی کھدائی کے کام کا عکس بھی دیکھا جا سکتا ہے جو کہ پچھلے چند برسوں میں ہی شروع ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشمیر کا ایک کاریگر چنیوٹ آکر کسی کے پاس یہ کام کرتا رہا اور اس نے یہاں کے کچھ لوگوں کو یہ کام سکھایا اور پھر اسی طرح یہ کام پھیلتا چلا گیا۔ اور اب تو کچھ چیزیں ایسی بھی دکھائی دیتی ہیں جن پر کشمیری کھدائی کا اثر بہت گہرا اور نمایاں ہے۔ اب روایتی اور قدیم طرز کی چیزیں بہت کم اور شاذ ہی بنتی ہیں۔ شہر کے لوگوں اور غیر ملکیوں نے یہاں کے کاریگروں کو صوفہ سیٹ، فرنٹ سیٹ کینڈل سٹینڈ اور ایسی ہی دوسری چیزوں کی طرف لگا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے کاریگروں کو نوجوان کاریگر زیادہ اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ پرانی طرز کی چیزوں میں جو چند چیزیں اب بھی بنتی ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ چوکی ۲۔ ہشت پہلو میز ۳۔ چرخہ ۴۔ سنگار شیشہ ۵۔ رحل
۶۔ چارپائی کے پائے۔

براس اور ہڈی کی جڑائی کا کام

قدیم اور روایتی طرز کا کام اب بہت کم ہوتا ہے اس کی وجہ تو یہ ہے کہ ہاتھی دانت دستیاب نہیں ہوتا اور مہنگا بھی ہے۔ براس کی جڑائی کا کام فروغ حاصل کر رہا ہے۔ اور اس کام میں

میز اور چرخے بنتے ہیں لیکن شہروں کی طلب کے تحت صوفہ سیٹ، فروٹ سیٹ، اور اسی طرح کی ماڈرن چیزوں پر جڑائی کا کام ہوتا ہے۔ پرانی اور روایتی چیزوں کے لئے آرڈر دینا پڑتا ہے۔

گھروں میں لکڑی کا کام

پرانے گھروں میں الماریوں، چھتوں اور دروازوں پر لکڑی کا کام بہت عمدہ کیا گیا ہے اس سلسلہ میں یہاں کی ایک ماڑی قابلِ مثال ہے جسے شیخ عمر حیات کا محل کہا جاتا ہے اس کے دروازوں، کھڑکیوں اور چھتوں پر لکڑی کھود کر بہت نفاست اور کمال سے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں۔ اس محل سے ایک دلچسپ داستان منسوب ہے۔

شیخ عمر حیات

کہتے ہیں شیخ عمر حیات والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ باپ وفات پا گیا تو وہ ماں کا زیور بیچ کر کاروبار کے لئے کلکتہ چلا گیا اور سٹہ کھیلنا شروع کر دیا۔ چمڑے کے جہاز آتے وہ ان کی بولی دیتا۔ مگر گھاٹا پڑتا گیا۔ آہستہ آہستہ اس نے شراب کا نشہ بھی شروع کر دیا۔ کلکتہ کی ہیرا منڈی میں اسے ایک گانے والی پسند آ گئی۔ وہ ہر روز بیس روپے کے عوض اس کے پاس جاتا اور صبح اٹھ کر چلا آتا۔ ان روپوں کے عوض وہ صرف اس کے گھر سوتا اور کچھ نہ کرتا۔ گانے والی اکساتی تو سر درد کا بہانہ کر کے سو جاتا۔ آہستہ آہستہ دونوں کو ایک دوسرے سے پیار ہو گیا۔ گانے والی نے اسے کاروبار کے لئے پیسہ دیا جس سے اس کا چمڑے کا کاروبار چمک اٹھا۔ وہ امیر آدمی بن گیا اور گانے والی سے شادی کر کے واپس چنیوٹ آیا مگر خاندان کے لوگوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ضد میں آ کر اس نے یہ محل تعمیر کرایا۔ بڑی مشکل سے تھوڑی سی زمین ملی لیکن اس نے اونچا محل بنا کر اپنی خواہش پوری کر لی

اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کی شادی بڑی مشکل سے خاندان کے ہاں کی۔ لیکن پہلی رات کی صبح وہ نہانے کے لئے گیا تو غسل خانہ میں مردہ پایا گیا۔ اس صدمے نے عمر حیات کی جان لے لی۔ بیٹے کی قبر اس نے محل کے اندر بنوائی تھی لیکن خود اسے خاندان کے لوگوں نے قبرستان میں دفن کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کی بیوی بھی چل بسی اور بیٹے کے پہلو میں دفن کی گئی جہاں اس نے پہلے سے ہی اپنے لئے قبر تیار کروا رکھی تھی۔ آج کل اس محل میں عمر حیات کے نوکروں کی اولاد رہائش پذیر ہے۔ یہ محل فن تعمیر اور لکڑی کی کھدائی کے کام کا بے مثال نمونہ ہے۔ میرے خیال میں عمر حیات کی کہانی اسی محل کی وجہ سے زندہ ہے ورنہ لوگ اسے اب تک بھول چکے ہوتے۔

اس کے بیٹے کی موت کے بارے میں دو روایات ہیں :۔

۱۔ اسے اس کی بیوی نے زہر والا پان دے دیا تھا۔

۲۔ وہ پتھر کے کوئلے کی گیس کی وجہ سے چل بسا۔

اس محل کا نقشہ اُستاد الٰہی بخش مرحوم نے تیار کیا جو کہ لکڑی کے کام کے ماہر اُستاد تصور کئے جاتے تھے۔

لکڑی کے کام کے ماہر اور تربیت

استاد الٰہی بخش سب سے بڑے استاد تھے۔ ان کے شاگرد اب دو تین باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے کچھ لوگوں کو کام سکھایا ہے جن میں زیادہ تر اُن کی اولاد شامل ہے۔ دراصل دوسروں کو کام سکھانے کی روایت بہت کم تھی پہلے اور اب بھی کام اسی کو سکھایا جاتا ہے جس سے کوئی رشتہ قائم کرنا ہو۔ عام طور پر جہاں بیٹی کی شادی کرنی ہو۔

مستری عطا محمد ولد میاں الٰہی بخش بھی اس کام کے اچھے استاد ہیں

ماڑی شیخ عمر حیات

روحانی بزرگ

کہتے ہیں اوچ شریف سے تین خاندان چنیوٹ میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کے رہنے والوں کو مسلمان کیا۔ ان خاندانوں کے بزرگ حضرت شیخ محمد اسمٰعیل حضرت شاہ برہان اور عبدالوہاب تھے۔

حضرت شاہ برہان

حضرت شاہ برہان کا مزار یہاں کے ایم پی اے میاں الطاف کے گھر کے ساتھ ہی واقع ہے۔

اوپر جن تین بزرگوں کا ذکر آیا انہوں نے اس علاقے کے لوگوں پر دیرپا اثرات چھوڑے یہاں کے ایم پی اے میاں الطاف اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کئی سالوں سے اس سیٹ سے منتخب ہو رہے ہیں کہ لوگ ان کے بزرگوں کے ماننے والے ہیں۔

لباس

یہاں کی عورتیں عام طور پر کالی دھوتی اور قمیص پہنتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوچ شریف سے آنے والے مذہبی بزرگوں نے ایک خاص طرح کے صوفیانہ مسلک کو فروغ دیا جس کے تحت سیاہ لباس نے مقبولیت حاصل کی۔ مرد سر پہ پگڑی باندھتے ہیں اور جانگلی جوتا پہنتے ہیں۔

چنیوٹ میں ایک مزار۔

چنیوٹ اور جھنگ کے درمیانی گاؤں

موضع ماتے / پیرنیاں

چنیوٹ سے جھنگ کی طرف جاتے ہوئے تین چار میل کے فاصلہ پر موضع ماتے ہے۔ یہاں پیرنیاں خاص طرز کی جھونپڑیوں میں رہتی ہیں۔ ان کی جھونپڑیاں "کانے" کی بنی ہوتی ہیں پیرنیاں پنجاب کے دوسرے حصوں میں بھی ہیں۔ پیرنی دراصل کنجری کی ہی ایک قسم ہے لیکن کنجر بھی انہیں اپنے سے کم تر سمجھتے ہیں۔

پیرنیاں صبح صبح چنیوٹ کی طرف نکل جاتی ہیں اور گھروں میں جا کر پیسے اور کھانے کی چیزیں مانگتی ہیں۔ پیرنیوں کی بڑی بوڑھیوں کو شادی بیاہ کے گیت اور عام لوک گیت یاد تھیں موجودہ نسل کی کچھ پیرنیوں کو ایسے گیت آتے ہیں خیال ہے کہ پہلے اور اب بھی وہ مراثیوں کی طرح گھروں میں جا کر گیت وغیرہ سناتی ہیں لیکن ان کا انداز مراثیوں سے بہت مختلف ہے۔

پیرنیوں کے خاوند عام طور پر بے کار رہتے ہیں۔ اُن کی عورتیں اُن کے لئے مانگ کر لاتی تھیں۔ مرد اونٹ پالنے کے شوقین ہیں لیکن ان کے ذریعے بار برداری کا کام نہیں کرتے چند ایک ایسے تھیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ موضع ماتے میں کوئی بارہ پندرہ گھر آباد تھیں لیکن ارد گرد کچھ دُور پیرنیوں کے اور خاندان بھی آباد ہیں کچھ مرد اونٹ پال کر بیچتے ہیں۔

بھوانہ / گستانہ

بھوانہ میں ساون کی دس، گیارہ اور بارہ کو میاں شیر بٹ کا میلہ لگتا ہے۔
گستانہ میں پھگن کی ۲۲ کو پیر ملنے شاہ کا میلہ لگتا ہے۔

موضع ماتے، پیرینیوں کی بستی

ایک پیرنی گیت گاتے ہوئے

ایک نوجوان، اس کی بھابی اور بچے

جھنگ

جھنگ کی اپنی ایک مخصوص فضا اور اپنے رسم و رواج ہیں جھنگ کا علاقہ مشہور رومانی داستان ہیر رانجھا کے لئے مشہور ہے۔ اس داستان کا لوگوں پر بہت گہرا اثر ہے یہاں آج کل بھی ایک شخص را ، رانجھے کا روپ دھار کر پھرتا ہے۔ کچھ لوگ اُسے پاگل کہتے ہیں مگر بعض کا خیال ہے کہ اسے کسی عورت سے عشق ہے چونکہ وہ اسے مل نہیں سکی اس لئے وہ اس کے فراق میں رانجھا بنا ہوا ہے۔

ناچ

یہاں لوگ خوشی کے موقعوں پر جھمر ناچتے ہیں جسے دھریس کہا جاتا ہے۔ دھریس پارٹی منگیانہ میں رہتی ہے۔ عام لوگ بھی دھریس ناچ سکتے ہیں اور برات کے آگے آگے دولہا کے دوست اور علاقے کے کمی ناچتے چلے جاتے ہیں۔

لوک گیت

ڈھولے اور ماہیے مقبول ہیں کچھ لوگ ہیر بھی گاتے ہیں مگر کچھ حلقوں میں ہیر گانا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ان حلقوں میں سیال قوم کے افراد پیش پیش ہیں اس حوالے سے تحقیق کی جانی چاہیئے۔

رُوحانی بزرگ/مزار

روضہ شاہ کبیر، محلہ شاہ کبیر میں واقع ہے۔ یہاں ہر جمعرات کو رات بارہ بجے کے بعد چاروں طرف لاتعداد سانپ اکٹھے ہو جاتے ہیں لیکن کسی کو نہیں ڈستے اسی لیے

شاہ کبیر کو ساپنوں والا پیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں عام طور پہ باٹ چڑھایا جاتا ہے جو کہ بھنڈارے ہی کی ایک قسم ہے۔

پیر ہاتھی وان سلطان

آپ کا مزار بھی روضہ شاہ کبیر کے قریب ہی ہے۔ آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے ایک بادشاہ کے مست ہاتھی کو قابو کر کے اس پر سواری کی تھی اور سانپ کا چابک (چھانٹا) بنایا۔ آپ کے مزار پہ لوگ توتلے اور ہکلے بچوں اور بڑوں کو لے کر آتے ہیں اور مزار پر رکھے ہوئے پیالوں کا پانی پلاتے ہیں جن میں چڑیاں پانی پیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان پیالوں کا پانی پینے سے ہکلے اور توتلے لوگ ٹھیک ہو جاتے ہیں یہاں عرس ہوتا ہے میلہ تین دن لگتا۔ تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

دربار نور شاہ

بند روڈ پر آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ دربار کے ساتھ ہی شہیدوں کے مزار ہیں جن کے بارے میں سنا ہے کہ یہ سادات خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ آپ کے بارے میں اور شہیدوں کے بارے میں تفصیلی ریسرچ کی ضرورت ہے۔

تاریخی مندر

جھنگ میں ایک تاریخی مندر ہے جسے لال ناتھ کا مندر کہا جاتا ہے سننے میں آیا ہے کہ یہاں جنوں کا پہرہ ہوتا ہے۔

لوک فنون

یہاں چھاپے کا کام ہوتا ہے۔ چھاپے بنانے والے اور چھاپہ لگانے والے دونوں موجود ہیں۔

لکڑی کے چھاپے بنانے والے ترکھان ہیں۔ چھاپہ لگاتے والے اب بہت کم تعداد میں ہیں اور آہستہ آہستہ یہ کام چھوڑتے جا رہے ہیں۔ دراصل اس کام کے لئے ایک ڈیزائن بنانے کیلئے دو سے چار تک اور کبھی اس سے بھی زیادہ بلاک ہوتے ہیں۔ پہلا بلاک سیاہی والا بلاک کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ہر رنگ کا ایک الگ بلاک ہوتا ہے۔ پتہ چلا ہے کہ کچھ عرصے سے NWFP سے پٹھان یہاں آکر چھاپے کا کام کرنے والوں سے پہلا یعنی سیاہی والا بلاک خرید کر لے جاتے ہیں۔ خیال ہے کہ وہ یہ کام سیکھنا چاہتے ہیں لیکن یہ کوئی AUTHENTIC بات نہیں اور اس کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔

جھنگ میں بلاکس کے کام پر ریسرچ کے لئے کسی ریسرچر کو بھیجنے کی ضرورت ہے۔

کانسی کے برتنوں کا کام

جھنگ میں کانسی کے برتن بھی بنتے ہیں۔ کانسی، قلعی اور تانبے کو ملانے سے بنتی ہے۔ اس کام کو ٹھٹھیارا کام کہا جاتا ہے۔ تقریباً سو گھر یہ کام کرتے ہوں گے۔ جو کہ اپنے آپ کو راجپوت جنجوعہ کہتے ہیں۔ آج کل کانسی کا نیا کام کرنے کی بجائے پرانے برتنوں کو ڈھال کر نئے برتن بنائے جاتے ہیں۔ زیادہ تر دو چیزیں بنتی ہیں منگر اور کول۔ منگر سالن وغیرہ ڈالنے اور کول پانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

طریقہ

بھٹی عام طور پر رات کو گرم کی جاتی ہے۔ پانچ آدمی مل کر کانسی کو کوٹتے ہیں پھر اس کی چھلائی ہوتی ہے۔ بیل بوٹے ڈالنے کے کام کو چھترائی کا کام کہا جاتا ہے۔ چھلائی کے بعد برتن کی شکل دی جاتی ہے اور پھر بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ یہ بہت سخت کام ہے۔ بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ معاوضہ کم ملتا ہے۔ اس لئے لوگ اسے چھوڑتے جا رہے ہیں۔

کوجرانوالہ میں یہ کام بہت عمدہ اور خوبصورت ہوتا ہے۔ جھنگ کے اکثر دکاندار گلاس پنکھے، کول اور دیگر چیزیں گوجرانوالہ سے ہی منگواتے ہیں۔

پتہ چلا ہے کہ یہاں ٹھٹھیارا کام وسیع پیمانے پر ہوتا ہے اور چھترائی کے استاد بھی موجود ہیں اس پر تحقیق کرنے کے لئے کسی ریسرچر کو بھیجنا مفید ثابت ہوگا۔

دریاں کھیس / بنائی کا کام

پاکستان کے وجود میں آنے کے کوئی پانچ سال بعد روہتک سے چار پانچسو کے قریب لوک جھنگ میں آکر آباد ہوئے۔ وہ بنائی کا کام کرتے ہیں آجکل زیادہ کام دریاں بننے کا ہے اور وہ اس کیلئے زمین کیساتھ لیٹا ہوا اڈا استعمال کرتے ہیں کھیسوں کیلئے عام کھڈی استعمال کی جاتی ہے۔

بلیو پاٹری

جھنگ میں دو تین گھرانے نیلے برتن بنانے کا کام کرتے ہیں یہاں کے کام میں وہ نفاست نہیں جو ملتان کے کام میں ہے۔ یہاں زیادہ تر قبریں، تعویذ اور مسجدوں کے مینار تیار کئے جاتے ہیں۔

اٹھارہ ہزاری

اٹھارہ ہزاری کا ؤں کا نام حضرت اٹھارہ ہزاری کے نام سے ہی منسوب ہے۔ کہتے ہیں آپ کے یہاں آنے سے پہلے آبادی کا کوئی وجود نہ تھا۔ آپ قریشی خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے مزار کے قریب ہی سے دریائے چناب گزرتا ہے۔ روایت ہے کہ آپ نے چناب میں کھڑے ہو کر اٹھارہ ہزار مرتبہ ختم قرآن کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آپکو اٹھارہ ہزاری

مزار اٹھارہ ہزاروی

حضرت سلطان باہو کا مزار

کے نام سے پکارنا شروع کیا۔

رنگ پور والی سڑک (جھنگ سے ملتان)

رنگ پور والی سڑک لوک داستان ہیر رانجھا میں بڑی اہم حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہی سڑک ہے جس پر سے کھیڑے ہیر کو لے کر چلے گئے ـــ ایک جگہ گڑھ مہاراجہ ہے جہاں رانجھے نے جوگ لیا ـــ اس سڑک کے دونوں طرف رہنے والوں کا لباس دھوتی اور کرتا ہے لیکن کہیں کہیں شلوار بھی نظر آتی ہے۔ جگہ جگہ NOMADS بسیرا کئے ہوتے ہیں ان میں زیادہ تر اوڈ اور پٹھان ہیں جو کہ اس علاقے میں سفر کرنے کے باوجود بھی اپنے مخصوص ثقافتی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو

رنگ پور والی سڑک پر گڑھ مہاراجہ ہے۔ یہاں سے دو تین میل پکی سڑک حضرت سخی سلطان باہو کے مزار تک جاتی ہے۔

لوک فنکار، پٹھانا خاں

ملتان سے ہوتے ہوئے ہم ڈیرہ غازی خان پہنچے۔ ملتان کا ذکر پہلے دورے کی تفصیل میں آچکا ہے۔ البتہ یہاں ہماری ملاقات پٹھانا خان سے ہوئی جو کہ کوٹ ادو کا رہنے والا ہے۔ پٹھانا خان ریکارڈنگ کے سلسلے میں کئی بار ہمارے دفتر میں آچکا ہے۔ مجھے پٹھانا خان کی گائیکی اچھی لگتی ہے۔

پٹھانا خاں تمبو والا تحصیل کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوا۔ اُس کے والدین نے اس کا نام غلام محمد رکھا۔ اُسے کچھ یاد نہیں کہ وہ کس سن میں پیدا ہوا۔ وہ کہتا ہے میں عمر کا حساب رکھنے کا قائل نہیں۔ مگر اس کے سکول کے زمانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوا جب وہ چھوٹا سا تھا تو اُسے شدید قسم کی بیماری نے دبوچ لیا۔ماں باپ کا خیال تھا کہ غلام محمد نام بھاری ہے۔ اس دوران میں سادات خاندان کی ایک بچی نے اُسے پٹھانا خاں کہہ کر پکارا تو غلام محمد کے والدین نے بھی اُسے پٹھانا خاں کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ سب لوگ اُس کا اصل نام بھول کر اُسے پٹھانا خاں کے نام سے جاننے لگے۔

پٹھانا خاں کا باپ خمیسہ خاں اپنے علاقے کا مشہور کمہار تھا لیکن بیٹے کو اپنے آبائی پیشے سے کوئی دلچسپی نہ تھی سکول کا شوق بھی صرف اپنے ساتھی بچوں کو دُعا کرانے تک محدود تھا۔ وہ ساتویں جماعت میں تھا تو اُس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اُس کی زندگی کو چاروں طرف سے مشکلات نے گھیر لیا۔ گزر اوقات کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔ وہ سارا سارا دن گلیوں اور بازاروں کے چکر کاٹتا اور لکڑیوں کے "چھوڈے" جمع کر کے گھر لے آتا۔ اُس کی ماں اُن سے تنور تپاتی اور محلے والوں کے لئے روٹیاں پکا کر بچوں کا پیٹ پالتی۔ ان مشکلات نے اُسے دُکھ اور درد کی لذت سے آشنا کیا وہ درد میں رہتے ہوئے بھی ہر دم نئے درد کی

تلاش میں رہنے لگا اور پھر ایک دن اُس نے خواجہ فرید کے کلام میں ایسا درد تلاش کرلیا جس نے اُس کی زندگی میں موسیقی اور معرفت کے رنگ بھر دیئے۔ موسیقی اور معرفت کے رنگوں میں ڈوبا ہوا یہ آدمی آج کا مشہور فنکار پٹھانا خاں ہے۔

پٹھانا خاں کی زندگی پر اپنی والدہ کا گہرا اثر ہے۔ وہ کہتا ہے باپ کی وفات کے بعد ماں کی شفقت قدم قدم پر میرے ساتھ رہی اور اُس نے میری ہمت کو کبھی ڈولنے نہیں دیا۔ اُن کی تربیت نے ہی میرے اندر طریقت کی شمع روشن کی۔

پٹھانا خاں جوان ہوا تو قدرت نے اپنے قانون کی کتاب کا اگلا ورق اُلٹا اور ماں کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ اس واقعے کا پٹھانا خاں کی زندگی پر گہرا اثر ہوا۔ درد کی شدت سے اُس کی آواز اور نکھر آئی۔ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کا نام ملک کے اہم فنکاروں میں شمار ہونے لگا۔

پٹھانا خاں شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود فقیرانہ رنگ میں رہتا ہے۔ اُس کا خیال ہے خواجہ فرید کے کلام نے اُس کے اندر ایسی روشنی بھر دی ہے جس نے اُسے زندگی کے انداز سکھائے ہیں۔ وہ صاف ستھرا لباس پہنتا ہے اور ہر وقت وضو میں رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے وضو سے رہنے کی عادت میں نے اپنے مرشد سے سیکھی ہے۔ پٹھانا خاں دراصل محفل کا فنکار ہے۔ جب بہت سے لوگ اُسے سننے کے لئے اس کے سامنے جمع ہوں تو اُس کی آواز کا سوز و گداز اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے۔

پٹھانا خاں فراق کی لذت کو زندگی کا اہم جزو خیال کرتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ فراق کی لذت قائم رہے تو انسان کے اندر تخلیقی عمل جاری رہتا ہے اور اس کی انسانیت بیدار رہتی ہے۔

ماں کی وفات کو پٹھانا خاں فراق کی ابتدا سمجھتا ہے اُس کا خیال ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا ہے والدہ کے فراق کی لذت بڑھتی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے میری والدہ کو مجھ سے

اس لئے پیارا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے غریب تھا۔ پٹھانا خاں کو وہ لوگ زیادہ پسند ہیں جو مزاج کے غریب ہوں اُن کے دل میں درد ہو، ایسا درد جو انسان کو دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھتا ہے۔

پٹھانا خاں کی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے، مگر جب وہ طریقت اور معرفت کی گفتگو کرتا ہے تو یُوں لگتا ہے جیسے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ اُس کی گفتگو میں سے اُس کے تجربات جھلکتے ہیں۔

طریقت اور معرفت میں دلچسپی لینے کے باوجود اسے اپنے بیوی بچّوں اور گھر سے بھی پیار ہے۔ لوگ اُسے موسیقی کی محفلوں میں دُور دُور سے بُلاتے ہیں۔ ٹی وی، ریڈیو اور موسیقی کی محفلوں سے اُسے جو کچھ ملتا ہے اُس میں اُس کے بیوی بچّوں کا بڑی مشکل سے گزارہ ہوتا ہے۔ ایک دن ایک نوجوان پٹھانا خاں کے پاس آیا اور کہا "سائیں! میری ماں مرگئی ہے اب میرا کوئی آسرا نہیں، میں آپ کے گانے کا عاشق ہوں"۔ پٹھانا خاں نے نوجوان کی باتیں سُن کر اُسے اپنا بیٹا بنا لیا جو کہ ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ پٹھانا خاں بھنگ پینے کا عادی ہے جسے وہ "جیون بوٹی" کا نام دیتا ہے۔

دبلے اور چھریرے جسم کا پٹھانا خاں شلوار قمیض پہنتا ہے اور صوفی شعراء کے شعروں کی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ وہ اب بھی اپنے آبائی گاؤں کوٹ اَدو میں رہائش پذیر ہے۔ مگر عام طور پر فقیروں اور درویشوں کی درگاہوں پر گھومتا رہتا ہے۔

پٹھانا خاں کا کوئی شاگرد نہیں۔ اُس کا کہنا ہے کہ اُستاد بن جانے سے علم اور فن کا سلسلہ رُک جاتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ خواجہ غلام فرید کا کلام گانے میں پٹھانا خاں اپنی مثال آپ ہے۔

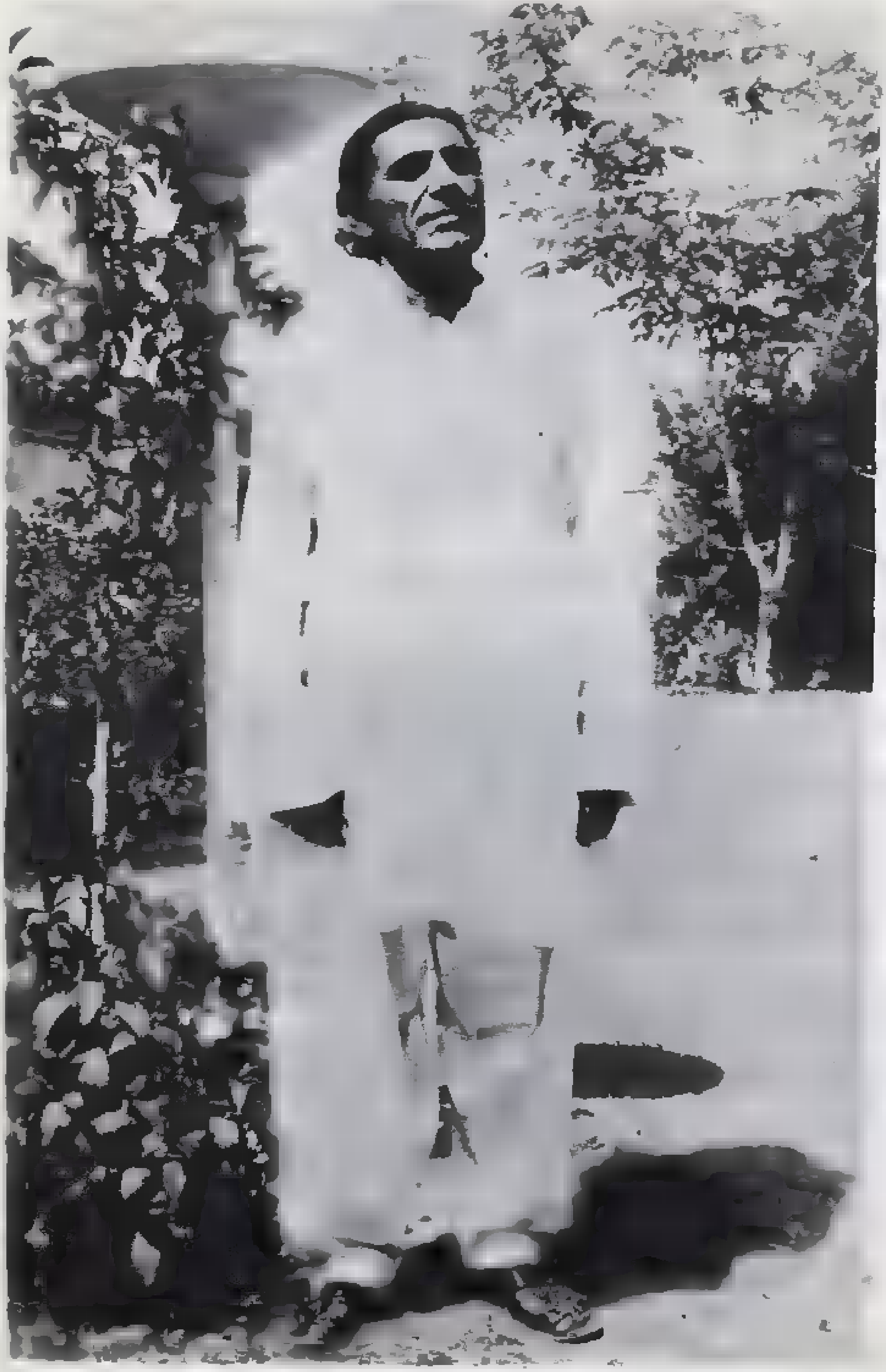

پٹھانا خان

ڈیرہ غازی خان

مظفرگڑھ سے دو راستے ڈیرے کی طرف جاتے ہیں۔ ایک راستہ ۱۲۵ میل اور دوسرا ۷۰ میل ہے جو کہ غازی گھاٹ کی طرف سے جاتا ہے۔ دس میل کا راستہ دریائے سندھ میں سے گزرتا ہے۔ کہیں کہیں پانی کھڑا ہے جس پر کشتیوں کے پل بنائے گئے ہیں۔ دریائے سندھ ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک دو تین میل کے علاقے کو کھا گیا ہے۔ ڈیرہ دو تین میل پیچھے رہ گیا ہے۔

یہاں جھمر، بھنگڑا اور بلوچ لیوی مقبول رقص ہیں۔ چھوٹی چھوٹی پارٹیاں بھی ہیں۔ چونکہ ڈی جی کے بذاتِ خود پنجاب میں ہے۔ اس کی ایک سرحد بلوچستان سے دوسری سندھ سے اور تیسری NWFP سے ملتی ہے اس لئے یہاں زیادہ تر پنجابی، بلوچی اور پٹھان آباد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پشتو، بلوچی اور سرائیکی تینوں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن ایک ایسی زبان بھی بولی جاتی ہے جس میں ان سب زبانوں کے لفظ موجود ہیں اور اسی طرح ثقافتی رنگ میں بھی سب علاقوں کے رنگ ملے ہوئے ہیں۔ یہاں ایک ایسے مکمل COLOUR کا احساس ہوتا ہے جس کے تحت پاکستان کی ثقافت اور لوک ورثے کا امتزاج اور ہم آہنگی کو سمجھا اور پرکھا جا سکتا ہے میرے خیال میں ثقافت پر مضامین لکھنے اور رائے دینے والوں کو DGK میں کچھ عرصہ قیام کر کے یہاں کے اجتماعی رویے کا مطالعہ کرنا چاہیئے ایسا کرنے سے وہ عملی صورتِ حال سامنے آئے گی جو کہ بہت سے سوالوں کا جواب ہے۔ بلکہ میرے خیال میں DGK ایک ایسا مرکز ہے جو کہ سچے اور صحیح پاکستانی کا اصل تصور پیش کرتا ہے یہ ایک ایسی تجربہ گاہ ہے جہاں سب علاقوں کے لوگ مل کر پاکستان کے SUPERMAN کا حلیہ بناتے ہیں

یہی نہیں بلکہ MYSTIC TRADITION کے دو اہم دھارے بھی یہاں آ کر مرکزیت اختیار کر لیتے ہیں

ڈیرہ غازی خان کا ایک بلوچ

ڈیرہ غازی خان میں بلوچ قبیلے کے لوگ

خواجہ غلام فرید/ سخی سرور/ شاہ سلیمان/ اور دوسرے صوفی بزرگ

اس پورے روٹ پہ ہم جہاں بھی گئے اور جتنے بھی صوفی اور روحانی بزرگوں کے مزاروں پر سلام کیا۔ اُن کا یا تو براہِ راست تعلق حضرت سخی سرور سے تھا یا سخی سرور اُن کے علاقے سے گزرے۔ لہٰذا لوگوں کا تعلق کسی ایسے MYSTIC سے ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح سخی سرور سے بنتا ہے۔ چنانچہ یہ ظاہر ہوا کہ ہم سب یا پاکستان کے رہنے والے ہار کے دانوں کی طرح MYSTIC کے دھاگے میں پروتے ہوتے ہیں۔ شاہ سلیمان کا مزار تونسہ شریف میں ہے لیکن بنوں اور کوہاٹ کے علاقوں سے بھی پٹھان آپ کے ہاں حاضری دینے آتے ہیں۔ اسی طرح خواجہ فرید کے ہاں بھی پاکستان کے ہر علاقے سے لوگ آتے ہیں۔ تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ہم سب اپنے MYSTIC کی بدولت ایک قومی وحدت میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں ہجرت کرتے رہے تاکہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ یہ تعلیم بھی ہمارے لوک ورثے کا اہم حصہ ہے۔ یہ تعلیم مذہب کے علاوہ انسانی قدروں پر بھی بحث کرتی ہے جب یہ MYSTIC ایک علاقے سے ہجرت کر کے دوسرے علاقے میں آتے تھے تو ان کے ہمراہ روایات، لوگ اور رشتے بھی سفر کرتے تھے جس سے مختلف علاقوں کے لوگوں نے ایک دوسرے کے رسم و رواج کو اپنایا اور اُن کے ملاپ سے نئی اور مثبت روایات نے جنم لیا۔ نئی اخلاقیات نے سر ابھارا اور زندگی کی ایک ڈگر دریافت ہوئی جس کا احساس ہماری رسموں، لوک گیتوں اور لوک کہانیوں کے انگ انگ سے جھلکتا ہے۔

لوک فنون

یہاں کڑھائی کا کام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ کام صرف عورتیں ہی کرتی ہیں لیکن اس کڑھائی پہ بلوچی ٹانکے کا بہت اثر ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں کی کڑھائی پنجابی

اور بلوچی کڑھائی کا خوب صورت امتزاج ہے تو بے جا نہ ہوگا ـــــ رنگوں کا مزاج بھی ملا جلا ہے۔

لکڑی کا کام

جنڈری یا خراد کا کام زیادہ تر تقریباً کام جام پور میں ہوتا ہے لیکن خاص ڈیرہ غازی خاں میں بھی کچھ گھرانے یہ کام کرتے ہیں۔ یہاں بچوں کے کھلونوں کی طرف بھی خاص توجہ دی جاتی ہے اور بچوں کا ریڑھا جس سے وہ چلنا سیکھتے ہیں۔ بہت خوب اور عمدہ بنایا جاتا ہے۔ پہلے یہ ریڑھا پاکستان کے دور دُور کے علاقوں میں بھی بھیجا جاتا تھا مگر جب سے واکر تے رواج پایا ہے یہ ریڑھا بہت کم جگہوں پر جاتا ہے۔

چھوٹا سنگار میز بھی بہت خوب صورت بنتا ہے۔ یہاں کے لیکر آرٹ میں جو رنگ اور ڈیزائن استعمال ہوتے ہیں وہ چنیوٹ کے لیکر آرٹ کی نسبت دھیمے اور ڈیزائن کھلا کھلا ہے۔

بلوچ قبائل

ڈیرہ غازی خاں سے چند میل پہاڑوں میں بلوچ قبائل آباد ہیں جہاں تمن سسٹم ہے یہاں کے اہم قبائل میں لغاری، قیصرانی، مزاری۔ کھوسے، بُزدار، گورچانی اور مری بلوچ قابلِ ذکر ہیں۔ ان بلوچ قبائل کے اپنے رسم ورواج ہیں۔

شادی بیاہ

جب کسی کی شادی ہوتی ہے تو عورتیں خوب صورت رنگ برنگے لباس پہن کر اونٹوں پر بیٹھ جاتی ہیں اور قافلہ روانہ ہوتا ہے۔ اُونٹوں کی لمبی قطار اور ان پر رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس بلوچ عورتیں ــــ یوں لگتا ہے جیسے رنگوں کا فوارہ چھوٹ رہا ہے

شادی بیاہ پر گیت گائے جاتے ہیں اور بلوچ لیوی رقص ہوتا ہے۔

رسم و رواج

یہاں عورت اب بھی بکتی ہے اور اس کی قیمت دو ہزار سے چار ہزار تک ہوتی ہے۔ رواج کے مطابق عورت کو بازو کہا جاتا ہے۔ کوئی جھگڑا ہو جائے یا کسی کا کوئی فرد قتل کر دیا جائے تو صلح کے وقت ایک بازو اور کچھ نقد رقم کی پیش کش کی جاتی ہے ــــ عورتیں بیچ کر کبھی کبھی انہیں پھر اغوا کر لیا جاتا ہے۔

کالا کالی

اگر کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ پکڑی جائے تو مرد کو کالا اور عورت کو کالی کہا جاتا ہے۔ کالا کالی کا واقعہ ہو جائے تو عام طور پر دونوں کو ہی قتل کر دیا جاتا ہے۔

شادیاں

بوڑھے لوگ عام طور پر جوان لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ چونکہ لڑکیاں خریدی جا سکتی ہیں اس لئے یہ کام بہت آسانی سے ممکن ہے۔

بیماری کا روایتی علاج

اگر کسی کو تیز بخار ہو جائے تو دُنبہ ذبح کر کے اس کی کھال بیمار کو اوڑھا دی جاتی ہے اور کچھ دیر تک اسے کھال میں ہی رہنے دیا جاتا ہے۔

رُوت کوتیاں

جب بلوچستان کے پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو پانی اکٹھا ہو کر پہاڑوں سے ہوتا ہوا

تیز رفتاری سے ڈیرہ غازی خاں کی طرف بہنے لگتا ہے. اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ بس کو بھی بہا کر لے جاتا ہے۔ ایک آدھ واقعہ ایسا ہوا بھی ہے۔ مقامی زبان میں HILL TORRENTS) کو رُوت یا رھوت کوئی کہا جاتا ہے۔ ان رھوت کوئیوں کے مخصوص نام اور راستے بھی ہیں۔ نَو نَو فٹ تک پانی آتا ہے اور دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے۔

لوک گیتوں کی اقسام

ماہیا

ماہیا لوک گیتوں کی مشہور قسم ہے اور پنجاب کے تمام علاقوں میں یکساں مقبول ہے۔ ماہیے کے دو مصرعے ہوتے ہیں جن میں پہلا مصرعہ بے معنی ہوتا ہے اور دوسرے مصرعے کی آواز میں باقاعدگی اور رچاؤ پیدا کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ ماہیے کے بارے میں سطحی تجزیہ ہے جبکہ بہت سے تحقیق کرنے والوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ماہیے کا پہلا مصرعہ بھی بامعنی ہوتا ہے اور یہ دو مصرعوں کا نہیں بلکہ تنویر بخاری کی ریسرچ کے مطابق ماہیا کبھی بھی تین مصرعوں سے کم کا نہیں ہوتا اس سلسلے میں انہوں نے ماہیے کی تقطیع کر کے ثابت کیا ہے کہ ماہیا تین مصرعوں کا ہوتا ہے ان کی تقطیع کے مطابق ماہیے کا وزن یوں ہوتا ہے،

فعلات مفاعیلن

فعلات مفاعیلن

فعلات مفاعیلن

ماہیا دراصل محبوب کو کہا جاتا ہے اور یہ خیال ہے کہ یہ لفظ ماہی سے نکلا ہے جس کا مطلب "بھینس چرانے والا" ہے۔ ہو سکتا ہے ماہیا "مہیں وال" سے بگڑ کر یہ صورت اختیار کر گیا ہو۔

عام طور پر ماہیے کا موضوع عشق و محبت ہے لیکن جدائی یا محبوب سے شکایت کا موضوع نمایاں ہے۔ دیہاتوں میں ماہیا گانے کا مقابلہ بھی ہوتا ہے۔ اکثر بغیر ساز کے لیکن کبھی کبھی گھڑے یا چمٹے کے ساتھ بھی گایا جاتا ہے۔

ابتدا میں ماہیے کو "بگڑو" کہا جاتا تھا لیکن جوں جوں پنجاب کی سرزمین پر رومانی کہانیوں کا اضافہ ہوتا گیا تو ان میں سے بعض کہانیوں نے اسے "بگڑو" سے "ماہیا" بنا دیا۔

کوٹھے تے وان پیا
بگیاں بگیاں کنیاں
ڈھولا چادر تان پیا

پانی وگدا ڈے ڈے
ماہی میرے مونہہ دھوتا
بودی ہو گئی چھلے چھلے

پیپے تے پیپا ای
تیرے گھر نہیں وسنا
تیرا ماں شریکا ای

چھپی بھر والی
ماہی نوں لے گئی
گڈی کیمبل پور والی

ساوا سنجی نیاں
سو بسم اللہ کراں
مڑ ماں پنڈی نیاں

پھولاں نی بچھ ماہیا
میرا ماہی شہری بابو
تیرا جنگلی ریچھ ماہیا

چھٹے روپے ماہیا!
دنیا مطلب نی
انصاف نہ رہے ماہیا!

بجلی دا پلگ ہووے
دکھیاں بندیاں نا
کوئی شہر الگ ہووے

کھو نہ ڈبے ڈبے
دیسی نت ملدے
پردیسی کدے کدے

اسما نیں تارے نیں
اوہ بندے نہیں ملدے
جیہڑے موت نے مارے نیں

ٹھاں مرینے نا
بچھڑا علی نا
سردار مدینے نا

اگ لگی ہوئی گوہیاں نوں
کس مجبور کیتا
دلداسی ہویاں نوں

بارسی نال امب پے نیں
اگے بے وس جِندڑی
اتوں لکھاں دے غم پے نیں

کلبوتر لا بانڑی
آپ نہیں آندے او
اسی خطاں تے نہ راضی

سلواسے لیٹھے دیئے
کتھے جا سٹیا ای
تقدیر دے نکھے دیئے

سیکل چکر کرے
اس گڈی آ ماہیا
جیہڑی دو دن سفر کرے

تلی تے دو سیری آ
اکھیاں فوں کی کرسیں
جند ساری تیری آ

سڑکاں توں پڑھ دتیا
جدوں دا ماہی ٹریا
رونا اکھیاں چوں نہیں مکیا

کوٹھے تے پاپاسے
پچھاں ہوا کولوں
سجناں دا کی حال اے

سپ مارو گنگلے نال
اک تیرا بت سوہنا
دوجا ٹردا ایں لنگلے نال

جُگنی

جُگنی پنجاب کا ایک مقبول لوک گیت ہے۔ اس گیت میں جُگنی کا کردار مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ دراصل جُگنی کے کئی رُوپ ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر جُگنی گانے والا جُگنی کے رنگ دار دھاگوں کی تعداد دو تین سے زیادہ بتاتا ہے۔ مثلاً کوئی کہتا ہے:

میری جُگنی دے دھاگے پنج

اور کوئی کہتا ہے:

میری جُگنی دے دھاگے ست

اسی طرح بعض گانے والے جگنی کے دھاگوں کی تعداد چودہ اور چودہ سے زیادہ بھی بتاتے ہیں یہ دھاگے جُگنی کے اوصاف کے سمبل ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا رنگ مختلف ہے۔ کبھی کبھی یہ سب رنگ مل کر ایک رنگ بھی بناتے ہیں لیکن پھر بھی ہر رنگ اپنی پہچان برقرار رکھتا ہے کبھی جگنی ایک مزاحیہ کردار ہے جس پہ لوگ ہنستے ہیں کہیں کہیں جُگنی مظلوم بھی ہے لیکن اکثر وہ خود بھی لوگوں پہ ہنستی اور طنز کے تیر برساتی ہے۔ بعض گیت ایسے بھی ہیں جن میں جگنی ایک ناسمجھ اور معصوم بچے کے کردار میں ظاہر ہوتی ہے لیکن اکثر گیتوں میں جُگنی ایک صوفی کی روح کا درجہ رکھتی ہے جس میں ایک باعمل صوفی کی تمام صفات موجود ہیں۔ بعض گانے والے جُگنی کا لفظ کبھی اپنے مرشد اور کبھی اپنے مرشد کی تعریف کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام روپ جگنی کے دھاگے ہیں جن کا ذکر ہر جگنی گانے والا بار بار کرتا ہے۔

سب سے پہلے جُگنی کا مزاحیہ رُوپ :

جُگنی جا وڑی مدرسے
منڈے سے کتابان نسے
منشی کھڑکی اوہلے نسے
او پیر میریا جُگنی رہندی آ
جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جُگنی کا مظلوم یا مسکین رُوپ :

جُگنی جا وڑی وچ روہی
جٹاں پکڑ سہلگے جوئی
اوہدی وات نہ لیندا کوئی
اوہ تے رو رو کملی ہوئی
او پیر میریا جُگنی کہندی آ
جیہڑی نام علیؓ دا لیندی آ

جُگنی کا رُوحانی رُوپ :

ہُن تیری گاواں جُگنی جی !
حق دم مُرشد جُگنی جی !
علی لجپال دی جُگنی جی !
تے برّی اِمام دی جُگنی جی !
شاہ بخاری دی جُگنی جی !
ولی شاہ تاریا جُگنی جی !
دم گٹکوں، دم گٹکوں

گُٹکوں گُٹکوں کرے پیٔ
نالے کلمہ نبیؐ دا پڑھے پیٔ
ہُن تیری گا واں جُگنی جی !

مَیں نے جُگنی کے یہ تین رُوپ اس لئے بیان کئے ہیں کہ جُگنی کے کردار کا تجزیہ کرنے کے لئے جو بحث آگے چلے گی اُسے آسان بنایا جا سکے جُگنی کا کردار اس قدر گہرا اور ہمہ گیر ہے کہ اس کی پرتیں کھولنا بڑا کٹھن کام ہے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جسے احساس کی سطح پر پہچاننے میں دیر نہیں لگتی لیکن تحقیق اور علمی تجزیہ شروع کیا جائے تو بات ختم ہونے پر بھی نہیں آتی۔

میرے خیال میں جُگنی کو سمجھے بغیر پنجاب کے کردار کے مطالعہ میں آسانی پیدا نہیں ہو سکتی۔ جُگنی دراصل اچھائی، بُرائی، نیکی، بدی، سوگ، مزاح، مذہبی، غیر مذہبی، روحانی اور دنیاوی رنگوں سے ترتیب پاتی ہے جس میں حرکت ہے۔ اگر جُگنی کے لفظی معنوں کا کھوج لگایا جائے تو

۱- جُگنی ایک زیور کا نام ہے جو گلے میں پہنا جاتا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے موتی بھی جڑے ہوتے ہیں۔

۲- بعض لوک گیتوں میں جُگنی "جوگن" یا "جوگنی" کے روپ میں بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جُگنی "جوگن" کا غلط العام ہو جس کا تعلق ایک ایسی شخصیت سے ہو جو جگہ جگہ گھومتی ہے اور خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتی ہے۔

۳- کچھ لوک گیتوں میں جُگنی جگنو کی مادہ کے کردار میں بھی نظر آتی ہے۔ بلکہ بچپن میں ایک بوڑھی اماں سے مَیں نے ایک ایسی کہانی بھی سُنی تھی جو اب مجھے بھول چکی ہے۔ صرف اتنا یاد ہے کہ اس میں جُگنی اور جگنو ایک گھر میں رہتے ہیں۔ جُگنی گھر کا کام کاج کرتی ہے اور پھر رات دونوں اپنے اپنے کندھوں پہ دیئے رکھ کر سیر کو نکلتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوک گیت کا وہ حصہ جس میں جوگن اور جگنو کا ذکر ہے۔ اس طرح ہے:

جُگنی جگنو اگے روئی
میری سار نہ لیندا کوئی
دے میں پھیر پھر جوگن ہوئی
پیر میریا او جُگنی کہندی آ

ایک اور ٹکڑا

جُگنو آڈریا جد وی ہڑے
جُگنی ہو وے نیڑے نیڑے
ہو گئے دُور غم دے ہنیرے

پیر میرا او جُگنی کہندی آ

"جُگنی، جگنو اگے روئی" اس سے جُگنی کے جُگنو سے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر میں نے یہ تجزیہ کیا تھا کہ جُگنی جُگنو کی مادہ کا سمبل ہے جس نے پھیل کر جوگن اور کئی دوسرے سمبل بھی اپنے اندر سمیٹ لئے ہیں۔ لہٰذا جُگنی روشنی کا سمبل ہے۔

۴۔ گیتوں میں جُگنی کی لوگوں سے INVOLVEMENT سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ ممکن ہے جُگنی۔ لفظ جُگی (یعنی جگ نی) کا غلط العام ہو۔

جُگنی کے بارے میں لوک گیتوں میں جو اشارے ملتے ہیں اُن کے تجزیے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جُگنی ایک ایسی روشنی ہے جس کی چمک جُگنو، موتیوں اور سونے جیسی ہے۔ ہمارے ہاں ویسے بھی اچھی چیزوں بلکہ اچھے آدمی کے لئے بھی یہ جملہ استعمال ہوتا ہے۔

"وہ تو سونا ہے"

رہی جُگنو کی بات تو جُگنو کا کردار اور رات کی تاریکی میں جُگنو کی روشنی ہماری اکثر کہانیوں کا موضوع رہا ہے جُگنو راہ دکھانے والا اور اندھیرے میں روشنی پیدا کرنے والا

کردار ہے جس کا تعلق امید سے بھی ہے۔ جہاں تک موتیوں کا تعلق ہے۔ ہماری لوک ریت میں موتی اور ہیرے اعلیٰ شخصیت کے استعارے بھی ہیں۔ اس لئے جگنی ایک بھرپور استعارہ ہے جس کی پرتیں بڑی دبیز اور گہری ہیں اور ہر پرت کے بعد دوسری پرت ایک نیا مفہوم واضح کرتی ہے۔ اور بات "روح" تک جب پہنچتی ہے۔ میں نے ابتدا میں بھی کہا تھا کہ جگنی ایک صوفی کی روح بھی ہے اور گہرے مطالعے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جگنی تمام اُن روحانی بزرگوں کی روح ہے جو گزر چکے ہیں۔ اس ضمن میں دلیل یہ ہے کہ جب کوئی نیک اور روحانی بزرگ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے اقوال اور اعمال زندہ رہتے ہیں۔ جگنی بھی انہی بزرگوں کی ایسی روح ہے جو اُن کے اقوال اور اعمال کی حفاظت ہی نہیں کرتی بلکہ انہیں PRACTICE میں لاتی ہے ——— مثلاً

میری جگنی دے دھاگے دو
در مرشد دے آن کھلو
تیرے اندر ہووے لو

او پیر میرا جگنی کہندی آ

جب جگنی کہتی ہے کہ مرشد کے در پہ آ کر کھڑے ہو جاؤ تمہارے اندر روشنی ہو جائیگی تو وہ یہ بات اسی روحانی طاقت کی مدد سے ظاہر کرتی ہے جو طاقت اس کا وجود ہے۔

اسی طرح ؛

میری جگنی دے دھاگے باراں
ہوئیاں کن فیکون پکاراں
لگیاں چوداں طبق بہاراں

او پیر میرا جگنی کہندی آ

یہاں بھی اگر ان دو ٹکڑوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو جگنی کے ساتھ لو کا ذکر بھی آیا ہے۔

اس سے بھی جگنی اور روشنی کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ تو جگنی روشنی ہے اور اچھی روح کے لئے بھی استعاراتی یا علامتی اظہار کا عمل روشنی تک جا پہنچتا ہے۔ جہاں تک روح کا تعلق ہے تو عام سطح سے بلند ہو کر جگنی اسلام کے عظیم کرداروں کی رُوح کا درجہ بھی اختیار کر لیتی ہے۔ مثلاً جب کوئی گانے والا کہتا ہے "میری جگنی دے دھاگے چودہ" یا "بارہ" تو اس سے چودہ معصوم اور بارہ اماموں کی طرف اشارہ ہوتا ہے جبھی تو اہلِ تشیع جگنی گانے والے "علی لج پال جگنی جی" کو چودہ دھاگوں سے مزید منسلک کرتے ہیں۔

اس سطح پر پہنچ کر جب جگنی کے کردار کے بیشتر پہلو سامنے آجاتے ہیں تو اس پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جس کا تعلق کسی نہ کسی طور پہلے بیان کئے گئے حوالوں سے ہے اور یہ پہلو ہے جگنی کا خیالی اور تصوراتی ہونا ——— جس طرح اردو شاعری اور ہمارے لوک گیتوں میں بھی بعض پرندے خیالی ہیں اسی طرح جگنی بھی ایک خیالی چیز ہو سکتی ہے اور ہر کوئی اس خیالی شخصیت کا سہارا لے کر اپنے خیالات اور جذبات بیان کر دیتا ہے لیکن یہ تصوّر اور خیال کہاں سے آیا ہے۔ اس کے پس منظر میں کوئی سوچ تو ہو گی جس نے اس خیال کو جنم دیا اور وہ سوچ گزرے ہوئے بزرگوں کے اقوال اور اعمال کی روشنی ہے۔ لیکن اس سوچ کو بھی سوچ در سوچ کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور طویل ریاضت کے بعد جا کر کہیں کوئی تصوّر یا سوچ ایک جگنی بنتی ہے۔ بعض سوچیں روشنی کی منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی بھٹک جاتی ہیں اس لئے جگنی کا مزاحیہ کردار سامنے آتا ہے لیکن مکمل جگنی نہ صرف رُوحانی سلسلوں کا عکس ہوتی ہے بلکہ سماجی زندگی کی اصلاح کا بڑا حوالہ بھی بنتی ہے ——— یہی وجہ ہے کہ جگنی پنجاب کے مزاج کو سمجھنے میں بھرپور مدد کرتی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جگنی پنجاب کا موڈ ہے جس طرح پنجاب کے آدمی پر موڈ طاری ہوتے ہیں اسی طرح جگنی پر بھی مختلف موڈ طاری ہوتے ہیں کسی رُوحانی بزرگ کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے اس کا موڈ اور ہوتا ہے اور ہل چلاتے ہوئے کچھ اور ——— اسی طرح دوستوں کی محفل میں ہنسی اور مزاح کا موڈ ہوتا ہے لیکن

اگر گاؤں میں کوئی شخص کوئی بُری حرکت کر بیٹھے تو غصّے اور تنقید کا موڈ طاری ہو جاتا ہے۔ جُگنی پر بھی یہ سب مُوڈ طاری ہوتے ہیں ـــــــ حتیٰ کہ اپنے مُلک پاکستان سے پنجاب کے لوگوں کو جو محبّت ہے جُگنی بھی اسی محبّت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

لہٰذا سائیں جو جُگنی گاتا ہے اس میں کہتا ہے:

ایہہ جُگنی پاکستان دی اے

جُگنی : بڈھا شیخ کی زبانی

اللہ بسم اللہ میری جُگنی
ہائے تاریا تیری جُگنی
سائیں بوہڑاں والیا جُگنی

ایہہ جی! گل بڑی بریک اے
گل ایہہ دی ٹھیک اے
پر گل ادھ وی ٹھیک اے
سر نہ دیئے یار نُوں
لگے عشق نُوں لیک اے
اللہ بسم اللہ میری جُگنی
ہائے تاریا تیری جُگنی
سائیں بوہڑاں والیا جگنی

جُگنی نام اے جگ دا تے کلے دی اُچی ذات
ایہنوں پڑھیئے نال یقین دے کر دیندا کم راس

کلمے دی رب نے شان بنائی گندیاں دِلاں نوں کردا پاک
کھیڈاں نیں سب عشق دیاں نے عشق اللہ دی ذات

او پیر میریا جگنی
ہائے تاریا تیری جگنی
سائیں بوہڑاں والیا جگنی

زبانی کلمہ سب کوئی پڑھدا، دلدا پڑھدا کوئی ہُو
جنہاں کلمہ دل دا پڑھیا اوہناں ملسی ڈھوئی ہُو
دلدا کلمہ عاشق پڑھدا کیہہ جانن یار گوئی ہُو
ایہہ کلمہ مینوں پیر پڑھایا میں سدا سہاگن ہوئی ہُو

او پیر میریا جگنی
ہائے سائیں تاریا جگنی
سائیں بوہڑاں والیا جگنی

میری جگنی دے دھاگے دو
کسے دا طالب جلکے ہو
او بیٹھے دل نوں دھو
تیرے اندر لگے لو
او پیر میریا جگنی
ہائے سائیں تاریا جگنی
سائیں بوہڑاں والیا جگنی

واہ وا نام فقیرا تیرا تے سُرت سنبھل وِچ آیا
اندر تیرے غیں پئی وگدی، توں کیوں پھریں ترہایا
اندروں بھر کے بُک صبر دا، پی لَئیں مرشد نے فرمایا
مُرشد نظر مہر دی کیتی، بھُلے نوں راہ ہے پایا
او پیر میریا جُگنی
ہائے سائیں تاریا جُگنی
سائیں بوہڑاں والیا جُگنی

میری جُگنی دے دھاگے نیں سُت
وِچ مُرشد والی سُٹ
صبر گیا پیر دا پٹ
ٹُر گیا جھوٹھ تے رہ گیا سچ
او پیر میریا جُگنی
اللہ بسم اللہ جُگنی
ہائے سائیں تاریا جُگنی
سائیں بوہڑاں والیا جُگنی

واہ وا نام فقیرا تیرا نام تیرا وی اچھا
دانیوں سِٹا ناڑی کیتا تے بوٹیوں لائیو ای سِٹا
چار دے درجے لنگھ فقیرا تاں پھل کھاویں مِٹھا
اللہ بسم اللہ جُگنی

ہائے سائیں تاریا جُگنی
سائیں بوہڑاں والیا جُگنی

کی ورتا سیں نال ددھ دے جدوں چڑیاسی وے کچا
کالڑھ ساڑھ کے تھپنے دھریا تے دہی جمایا کھٹا
میم معانی، نُون نیترا، مار عشق دا دَھکا
او پیر میریا جُگنی
اللہ بسم اللہ جُگنی
ہائے سائیں تاریا جُگنی
سائیں بوہڑاں والیا جُگنی

چھلاّ

چھلا بھی پنجاب کا ایک قدیم لوک گیت ہے۔ چھلاّ دراصل انگوٹھی کو کہتے ہیں اور چھلے کا تعلق گاؤں کی نوجوان عورتوں سے بہت گہرا ہے۔ ہمارے دیہات میں محبت کی نشانی کے طور پر چھلاّ اور رومال پیش کیا جاتا ہے اور اگر کوئی ناراضگی ہو جائے   یا محبت میں کوئی خلا پیدا ہونے لگے تو فوراً چھلے اور رومال کی واپسی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

چھلے میں عشق و محبت کے علاوہ ہر موضوع سمویا ہوا ہے لیکن میں نے پنجاب کے دیہاتوں سے ایسے چھلے بھی سُنے ہیں جو ساربانِ رات کی تنہائیوں میں سفر کے دوران گاتے ہیں۔ جن میں بہادری کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔

چھلاّ دو مصرعوں سے لے کر دس مصرعوں بلکہ اس سے زیادہ کا بھی ہو سکتا ہے۔

چھلاّ نوں نوں تھیوے
پُتر مٹھڑے میوے
اللہ ہر نوں دیوے
گل سُن چھلیا چھوہرا!
کاہنوں لایا ای جھورا،

ڈھولا

ڈھولا پنجاب کے عوام کی پسندیدہ صنف ہے "ڈھولنا" ایک زیور کا نام ہے جسے نوجوان اپنے بازو پہ باندھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ڈھولنے پہ دَم کرکے اسے بازو پہ باندھا جاتا ہے تاکہ نوجوان کی طاقت اور کارناموں کی وجہ سے اُسے نظر نہ لگے۔ یہ زیور ڈھول کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ خیال بھی کیا جاسکتا ہے کہ ڈھولے کا تعلق ڈھول سے بھی ہے ڈھول ایک لوک ساز ہی نہیں بلکہ محبوب کو بھی پیار سے ڈھول یا ڈھولن کہا جاتا ہے ہوسکتا ہے کہ ڈھولے کا تعلق کسی کے محبوب ڈھول سے ہو۔ لیکن فوک لور میں ہر محبوب کو ڈھول یا ڈھولن کہا جاتا ہے اس لئے ڈھولا عام طور پہ عورت کی طرف سے مرد کے لئے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔

بت ولوٹیا تیریاں ٹاہنیاں ہین ہرانیاں
گھلی وا وچھوڑے وی آپو آپ ڈلانیاں
ڈھولا لگیاں ترورڑو ایں تیریاں نیتاں ہیں پچھانیاں
سانوں تاں لکھیاں ڈیبن پرتُسیں وی نہ ہسو کھلاں وِیاں بن کے رانیاں

بزار وکاندی تروے
میرا سامنی گلی وچ گھروے
تے پہل نشانی ڈھولا
جیو ڈھولا
ڈھول مکھناں
راضی یار رکھناں

بولیاں

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بولیاں ایسے بولوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن کیلئے شاعرانہ اظہار کی ضرورت پڑتی ہے بولی عام طور پہ دو لائنوں کی ہوتی ہے اور اس میں پہلی لائن میں کہی ہوئی بات کی تصدیق دوسری لائن میں ہوتی ہے۔

قبراں اڈیکدیاں

جیوں پتراں نوں ماواں

یہ بولی کا ایک روپ ہے۔ بولی میں عام طور پہ عشق، محبوب کا سراپا اس کی چال، انداز، زیورات لباس اور کردار کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ بولی میٹھے بولوں پہ ہی انحصار کرے بعض اوقات بولی میں بڑی تلخی اور طنز بھی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ پنجاب کی ثقافت کے بیشتر پہلو بولیوں میں جھلکتے ہیں۔

سُنجے رہن گے چبارے تیرے
پنچھی اُڈ جان گے

گوری پباں بھار ٹردی
تے ٹٹ گئے تریل دے موتی

اکھ میرے یار دی دُکھے
لالی میریاں اکھاں وچ رڑکے

جھوک

جھوک دراصل گاؤں، دیہات یا کسی پہاڑی گاؤں کو کہتے ہیں، اسے ڈھوک بھی کہا جاتا ہے لیکن پنجاب کے گیتوں میں ماہی کے گاؤں کے ڈیرے کو کہا جاتا ہے۔

"میں بھی جانا جھوک رانجھن دی
نال میرے کوئی چلے"

جھوک میرے مولا والی کِنی کو دُور نی
اکھیاں توں نیڑے نیڑے قدماں توں دُور نی

سُن لے وے پیرا میری سن عرضوئی وے
تیرے تے باجھوں میرا ہور نہ کوئی وے

جھوک میرے مَولا والی وسدی پئی دُور نی
قدماں توں نیڑے نیڑے اکھیاں توں دُور نی

جھوک میرے مولا والی
کتنی کُو دُور وے
اکھیاں توں نیڑے نیڑے
قدماں توں دُور وے

وگدی اے راوی وِچ
ٹُٹّی آ تیلا
ٹُر گیا ماہی رنگ
پے گیا پیلا

جھوک میرے مولا والی
کِتنی کو دُور وے
اکھیاں توں نیڑے نیڑے
قدماں توں دُور وے

وگدی اے راوی وِچ
ٹُٹّی آں دیچلے
ظالم نیں ملپے جھیڑے
دھیاں نوں ویچدے

جھوک میرے مولا والی
کِتنی کو دُور وے
اکھیاں توں نیڑے نیڑے
قدماں توں دُور وے

وگدی اے راوی وِچ
ٹُٹّی آں پراتاں
اَگے محمدؐ پِچھے
کھُلیاں جماتاں

جھوک میرے مولا والی
ہو گئی منظور وے!
اکھیاں توں نیڑے نیڑے
قدماں توں دُور وے!

باگ نواواں 'وِچ
لواتی آں کھٹیاں
پچھیاں نہ تُساں ڈھولا!
اساں نہ دَسیاں

جھوک میرے مولا والی
ہو گئی منظور وے
اکھیاں توں نیڑے نیڑے
قدماں توں دُور وے!

باراں ماہ

باراں ماہ پنجابی شاعری کی ایک قدیم صنف ہے اور ہمارے صوفیا میں بہت مقبول رہی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ "باراں ماہنہ" یا "باراں ماہ" کا مطلب بارہ مہینے ہے۔ اور اس صنف میں شاعر ایک عاشق کے روپ میں بارہ مہینوں کی کیفیات بیان کرتا ہے' ان کیفیات میں جدائی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔

باراں ماہ ہمارے لوک گیتوں کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور ان کا عکس بعض لوک گیتوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

چڑھیا مہینہ چیت' دلاں دے بھیت کوئی نہیں جاندا
اوہ گیا پردیس جو ساڈے ہان دا

چڑھیا مہینہ وساکھ اپنے پتی دا کھ، انبے رس چوپیا
ماہی گیا پردیس جیوڑا روپیا

ستوارہ

ستوارہ ایک نظم ہے جس میں سات دنوں کی جدائی کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔

بڈھ بھلائی بدھ سُدھ میری ہجرے نے مت ماری وے
دنیا میتوں دھکّے دیندی یار نہ دیندا یاری وے ؟
ڈھیہہ گئے محل امیداں والے ورت گئی لاچاری وے !
ہتھ بنھ کوکاں آ محبوبا توں جیتوں میں ہاری وے !

دوہڑے

ڈوہڑا جسے "ڈوہڑا" بھی کہا جاتا ہے۔عام طور پہ کافی یا دو سرے لوک گیتوں کی ابتدا میں گایا جاتا ہے۔دوہڑے ہماری قدیم پنجابی شاعری سے تعلق رکھتے ہیں۔دوہڑے کے دو یا چار مصرعوں میں کوئی نصیحت یا تصوف کی بات کی جاتی ہے۔

کوک فریدا سنیا جیوں راکھا جوار
جب لگ ٹانڈا نہ گرے تب لگ کوک پکار

ملاں اتے مشالچی دوہاں اکو چت
لوکاں کردے چاناں آپ ہنیرے نت

سسی دی ماں متاں دیندی دھیئے! چھڈ بلوچ دی یاری
اگلی رات مقام جنہاں دا پچھلی رات تیاری

چل فقیرا اُڈ پڈ چلئے تکدی دی جاندی چوگ
چنگے دانے تے مٹھے پانی دے بھوگتے پینڈے روگ

سمّراں

سمّراں پنجاب خصوصاً "ماجھا" کے علاقہ میں مقبول ہیں۔ یہ دو مصرعوں سے لے کر آٹھ یا اس سے زیادہ مصرعوں کی بھی ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ہر مصرعہ دوسرے کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سمّراں ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے جس میں زندگی کے تمام موضوعات لیکن خاص طور پہ عشق و محبّت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ سمّریں بغیر کسی ساز کے کان پہ ہاتھ رکھ کر لمبی تان میں گائی جاتی ہیں۔ جو کوئی سمّریں گا رہا ہو تو یوں لگتا ہے جیسے بین کر رہا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سمّروں پہ درد اور جدائی کا موڈ غالب ہوتا ہے۔ سمّراں عام طور پہ چرواہے گاتے ہیں لیکن یہ عام محفلوں، میلوں ٹھیلوں میں بھی گائی جاتی ہیں۔

جا پیا جانا ایں
رات چار ہیں پتن باہو دے
کنڈوں پچھے چُنلیاں
گلاں ہُندیاں مُونہہ تے
بدھے واس نہیں وسدے
سُودے تاں آؤدی رُوح دے

بگّی جھگّی
دُتّے پھل کپا ہے
جنہاں دی خاطر چلی
بیلی مل پے سا ہے

بگّی جھگّی
اُتے نیلک کیہی
پہلاں تاں لگدیاں اکھیں
مگروں لگدی دیہی
جنہاں دے یار پردیسی
اوہناں نوں چاوڑ کیہی

پانی پیّی دیّی آں
تیرے باگ دے پھُل نوں
اک لکھ چوری ہزار پکھیر
کوئی لیا نہیں تیّی دی تُل نوں
سجھیوں بھُل گئی
ماف کراواں پہلی بھُل نوں
میرے شہریں ہو کے
بھائی لبھدے نہیں مُل نوں

ہریاں پیلیاں
وِچ اگ پیا مینہاں
پانی نوں چلیاں
رل کے دو نویں بھیناں

اک انگ دی پتلی
دوجی نوں پھیدا گہناں
پانی اوتھوں بھرنا
جتھے لاہُو پینیاں

سی حرفی

سی حرفی بھی قدیم صنفِ سخن ہے جس کے پہلے مصرعے کی ابتدا الف سے ہوتی ہے اور اس کے بیتوں کی ترتیب عربی کے حروفِ تہجی کے مطابق ہوتی ہے سی حرفی کا رنگ ہمیشہ صوفیانہ ہوتا ہے۔

بینت (بیت)

بینت کا لفظی تعلق عربی کے "بیت" سے ہے۔ پنجابی بینت چار چار مصرعوں کے بندوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں صوفیانہ موضوعات کے علاوہ زندگی کے دوسرے مسائل بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔

(الف) آکھیا رانجھے نے ہیر تائیں سانجھ مجھیاں رہو آباد ہیرے
تیرے باپ نے صاف جواب دِتا، قول اپنا رکھنا یاد ہیرے
باراں برس کیتی تیری نوکری میں، ہوئیاں محنتاں کل برباد ہیرے
محمد شاہ ہزارے توں ٹری ویلیاں نے لے نام تیرا تھیاں شاد ہیرے

ب بنھ کے ہتھاں نوں ہیر کہندی، میں تتی نوں ہور نہ تا رانجھا!
تیرے عشق نے بھن کباب کیتا، سیخ غماں والی نال لا رانجھا!
جیکر باپ تینڈے نال کجھ کیتی، اوسے وقت مرساں زہر کھا رانجھا!
محمد شاہے سار توں مجھیاں دی، دلوں فکر اندیشے چا رانجھا!

کافی

کافی بنیادی طور پر کلاسیکی شاعری کی صنف ہے جو شروع سے ہی ہمارے صوفی شعراء اور عوام میں بہت مقبول رہی ہے۔ لیکن اب اگر تجزیہ کیا جائے تو کافی لوک گیتوں کا درجہ اختیار کر چکی ہے بلکہ اکثر لوگ کافیوں اور لوک گیتوں کے حصوں کو ملا کر نئے گیت بنا لیتے ہیں اور گاتے ہیں۔

ہمارے ہاں بلھے شاہ، خواجہ فرید، شاہ حسین، اور سچل سرمست کی کافیاں بہت مقبول ہیں

رانجھا جوگیڑا بن آیا

ایس جوگی دے نین کٹورے
بازاں وانگوں لیندے ڈورے
مکھ ڈٹھیاں جاون دکھ جھورے
ایہناں اکھیاں لال وسنجایا
رانجھا جوگیڑا بن آیا
ایس جوگی دی ایہہ نشانی
کن وچ مندراں گل وچ گانی
صورت ایس دی یوسف ثانی
ایس الفوں احد بنایا
رانجھا جوگیڑا بن آیا

(بلھے شاہ)

وار

وار ایک رزمیہ نظم ہوتی ہے اس میں عام طور پہ بہادری اور جنگ کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ واریں عام طور پر بہت طویل ہوتی ہیں اور "وارڈ" انہیں "دچار" ڈال کر لوک سازوں کے ساتھ گا کر سناتے ہیں۔ عام طور پہ واریں سننے کی محفلیں شام کے وقت جمتی ہیں اور رات گئے تک جاری رہتی ہیں۔

پنجاب میں دُلا بھٹی، جمیل قنا، دادا بادشاہ، ڈھول سمی اور چھٹوں کی واریں بہت مقبول ہیں۔

عشقیہ لوک گیت

ہمارے ہاں رومانی لوک داستانوں کے اہم کرداروں کے ناموں سے بھی بہت سے لوک گیت مشہور ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ہیر رانجھے کے قصے کا کوئی حصہ سننا چاہے تو وہ کہے گا "یار ہیر سناؤ"۔ اسی طرح "مرزا"، "سسی"، "سوہنی"، "کیما"، "ذیتی" صرف کرداروں کے نام ہی نہیں بلکہ لوک گیت بھی ہیں۔ ان کی مناسبت سے ان میں سے ہر گیت کا اپنا سُر اور لے الگ ہے۔

لوریاں

لوری وہ گیت ہے جو مائیں بچے کو بہلاتے ہوئے گاتی ہیں زیادہ تر لوریوں میں نیند کا ذکر ہوتا ہے اس لیے یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ لوری ماں بچے کو سلانے کے لئے سناتی ہے لیکن یہ لوری کا صرف ایک پہلو ہے۔ لوری میں وہ جذبات چھپے ہوتے ہیں جو ماں بچے کے لئے رکھتی ہے لہٰذا ماں کی خواہشات لوری کی روح کا درجہ رکھتی ہیں۔ ماں اپنے بچے کو جو کچھ بتانا چاہتی ہے اسی کا ذکر لوری کے بولوں میں کرتی ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ لوریاں صرف بچوں کے لئے ہوتی ہیں، لوریاں بڑوں کے لئے بھی ہوتی ہیں جن میں ان کی بہادری یا محبت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، بلکہ محبوبہ، جدائی کے لمحات میں انتظار کی کیفیت کو لوری کے بولوں میں بیان کرتی ہے لہٰذا لوری ایک ایسا لوک گیت ہے جو پیدائش سے لے کر جوانی اور بڑھاپے تک ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے۔

لورم لوری
دُدھ دی کٹوری
پی لے کاکا
مٹی توں چوری

اَلمڑ بلمڑ باوے دا
باوا کنک لیا وے دا
باوی من پکاوے دی
باوا بہہ کے کھاوے دا

شادی بیاہ کے گیت

پنجاب میں شادی بیاہ کی جتنی بھی رسمیں ہیں ان میں سے ہر رسم کے ساتھ کوئی نہ کوئی گیت ضرور گایا جاتا ہے۔

منگنی کے گیت

منگنی ہونے پر جو گیت گائے جاتے ہیں۔

گنڈھ کے گیت

شادی کی تاریخ مقرر ہونے پر گائے جانے والے گیت۔

جاگا کے گیت

وہ گیت جو شادی سے قبل رات بھر جاگنے کی رسم پر گائے جاتے ہیں۔

گھوڑیاں

دولہا کی گھوڑی کی تعریف میں گائے جانے والے گیت۔

سُہاگ

دلہن کے گھر گائے جانے والے گیت جن میں دلہن کے لئے نیک خواہشات کا اظہار،

ہوتا ہے۔

سہرے

سہرا بندی کے موقعہ پر گائے جانے والے گیت۔ شادی بیاہ کے علاوہ سہرے کسی دوسری خوشی یا پیر کے مزار پر بھی گائے جاتے ہیں۔

سٹھنیاں

ایسے گیت جن میں طنز و مزاح کا عنصر غالب ہوتا ہے اور یہ باراتیوں سے ہنسی مذاق کرنے کے سلسلہ میں گائے جاتے ہیں۔

چھند

چھند دو مصرعوں کی ایک مزاحیہ صنف ہے جو دُلہا اور اس کی سالیاں آپس میں گاتی ہیں۔

ڈولی کے گیت

ڈولی کے گیت اس وقت گائے جاتے ہیں جب دُلہن ڈولی میں بیٹھتی ہے اور ڈولی گھر سے روانہ ہوتی ہے۔

لوک ناچ

پنجاب کے لوگ صرف گیتوں میں ہی نہیں بلکہ رقص میں بھی اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں خوشی کے موقعوں پر شادی بیاہ سے لے کر فصلوں کی کٹائی تک اور بزرگوں کے مزاروں تک لوگ ڈالیوں کے ساتھ ناچتے ہوئے پہنچتے ہیں۔ پنجاب میں یہ لوک ناچ مقبول ہیں:۔

۱۔ سمّی
۲۔ بھنگڑا
۳۔ لُڈّی
۴۔ دھریس/جھمّر
۵۔ گدھا
۶۔ ریکلی
۷۔ باگھی
۸۔ جُلمّی/جلی
۹۔ پھمنیاں

سمّی

سمّی ایک لوک کہانی کا کردار ہے جس کا ڈھولا بڑا بہادر اور خوب صورت تھا۔ لہٰذا اس ناچ میں ڈھولا اور سمّی کی کہانی کے حوالے سے بھرپور محبت کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن ناچتے ہوئے جسم کی حرکات اس طرح بدلتی ہیں جس طرح کہانی میں اُتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہاتھ اوپر سے نیچے کی طرف حرکت کرتے ہوئے جُدائی کا تاثر دیتے ہیں تو نیچے سے اوپر

کی طرف ملاپ اور خوشی کی لہر پیدا کرتے ہیں، بلکہ اس ناچ کے ساتھ جو گیت گائے جاتے ہیں، یہ ناچ ان گیتوں کے بدلتے ہوئے مزاج کا پوری طرح ساتھ دیتا ہے اور اس کا مرکزی تاثر ملاپ سے ترتیب پاتا ہے۔ عورتیں عام طور پہ شادی بیاہ کے موقعوں پہ یہ ناچ ناچتی ہیں۔

گِدھا

گِدھا ایک لوک ناچ ہے اور اس کے ساتھ گائے جاتے والے گیت کو بھی گِدھا کہتے ہیں۔ گِدّھا کے لفظی معانی ہیں تالی بجانا چونکہ اس میں تالی بجا بجا کر رقص کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس ناچ اور گیت کو گِدّھا کہا جاتا ہے۔ گدھا کو "گڑدھا" بھی کہتے ہیں۔

ایدھر کنکاں، اودھر کنکاں
وچ کیاری باتھو دی
مَیں شہر میں مرمر جاں
کچہری بابو دی

ایدھر کنکاں، اودھر کنکاں
وچ کیاری دھائیاں دی
مَیں شہر میں مرمر جاں
کچہری بھائیاں دی

ایدھر کنکاں، اودھر کنکاں
وچ کیاری گنڈھیاں دی
مَیں شہر میں مرمر جاں
کچہری رنڈیاں دی

ٹُٹّی ماراں کُوک
بے میری سُسّ مرجائے
کُوں
ٹُٹّی ماراں کُوک
بے میری سُسّ مرجائے

چھپڑ کنڈھے دو سادھو اُترے
اونہاں ماری چیک
رنگ میرا بدل گیا
میں ململ دی چھیٹ
رنگ میرا بدل گیا

چھپڑ کنڈھے میں بھانڈے مانجاں
گڈڑی لے گیا کاں
وے کانواں گڈڑی دے
گھروں مارے دی ماں
وے کانواں گڈڑی دے

بارھیں برسیں کھٹن گیا، تے
کھٹ کے لیایا سوٹا
بابلے تے وڈ ٹوٹیا

میری گُت دے پراندے ناوں
بابلے نے وڑ ٹو لیا

بارہیں برسیں کھٹّن گیا، تے
کھٹ کے لیایا لاداں
چھتری دی چھاں کر دے!
تیرے گڑ جھولدی آداں
چھتری دی چھاں کر دے!

بارہیں برسیں کھٹّن گیا، تے
کھٹ کے لیایا جھانواں
مِتراں دے پُھلکیاں نُوں
کھنڈ دا لیپن لاواں
مِتراں دے پُھلکیاں نُوں

بابل میرے باگ لوایا
وِچ لوائیاں ڈیکاں
کُرسی تے بہو ویر دے!
تینوں رج رج کے پئی دیکھاں
کُرسی تے بہو ویر دے!

کھٹن گیا تے
کیہہ کجھ کھٹ کے لیا یا؟
ہو بلّے!
کھٹ کے کُش نہ لیایا
ماں دیا پُتّر بٹناں!
سانوں ساری رات نچایا
ماں دیا پُتّر بٹناں

کھٹن گیا تے
کھٹ کے لیایا پھیتا
آٹے والی موج بن گئی
میری سَسّ نے مشین والا کیتا
آٹے والی موج بن گئی

بھنگڑا

بھنگڑا پنجاب کا سب سے مقبول لوک ناچ ہے۔ اس ناچ کا ردم ایسا ہے کہ کوئی بھی شخص ڈھول پر تھاپ پڑتے ہی بے خود ہو کر ناچنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ناچ کے کوئی بندھے چڑھے اصول نہیں۔ اس ناچ کی موسیقی خود بخود جسم کو توڑتی اور مروڑتی ہے۔ ناچنے والا اپنے جسم کی حرکات کے بارے میں CONSICOUS نہیں ہوتا۔ یہ ناچ ہر موقعے پہ دیکھنے میں آتا ہے۔ فصلوں کی کٹائی سے لے کر بزرگوں کے مزاروں تک بھنگڑا خوشی کے اظہار کا ذریعہ ہے۔

دھریس

دھریس کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

لُڈّی

لڈّی دراصل کامیابی کا ناچ ہے۔یہی وجہ ہے کہ دنگل کے بعد فاتح پہلوان کے گرد اس کے دوست بھنگڑے کے ساتھ ساتھ لڈّی بھی ڈالتے ہیں۔اس ناچ میں آنکھیں بھی حصّہ لیتی ہیں اور ساتھ ساتھ نوجوان منہ سے یہ آوازیں نکالتے ہیں :-

"ہٹ کے لُڈّی، ہٹ کے لڈّی"

کِکلی

کِکلی چھوٹی بچیاں اور نوجوان لڑکیاں ایک دوسری کا ہاتھ پکڑ کر چکّر میں گھوم کر کھیلتی ہیں اور ساتھ ساتھ گاتی ہیں :-

کِکلی کلیر دی نی نی کِکلی کلیر دی

پگ میرے ویر دی

دوپٹہ میرے بھائی دا

شیر سپاہی دا

پِھٹّے مُونہہ جوائی دا

جَلّی / جَلّھی

جَلّی یا جَلّھی صوفیا اور ملنگوں کا ناچ ہے جو وہ بیخودی اور مستی کے عالم میں ناچتے ہیں۔اس ناچ میں سر کی حرکت نہایت اہم ہوتی ہے۔ اللہ ہو، اللہ ہُو کی آواز کے ساتھ سر دائیں بائیں اور اوپر نیچے حرکت کرتا ہے۔بعض صوفیا اور ملنگوں کے ہاں اس ناچ کا مرحلہ "حال" پڑنے کے بعد آتا ہے لیکن اکثر ذکر کے دوران یا جذب کی حالت کے ادراک کے نتیجے میں جَلّی کی کیفیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

پنجابی گھر میں روزمرّہ استعمال کی چیزیں

چنگیر یا چھابی، چھج، پیھڑی، چورس ڈبّہ، پیڑھی، مُوڑھا، پیڑھی، پھوکنی، چمٹا، مٹی کا چولھا، بھڑولا، گہی، کوٹھی، کوہاڑی، جھاڑو، بوہکر، چھکّا، چرخا، چاٹی، مدھانی، توا، پرات، چکّی، بتّی، حُقّہ، گھڑا، پڑوپی، ٹوپا، دھڑوپا، گھڑے گھڑونجی، گھڑیتھنی وغیرہ وغیرہ۔

چنگیر یا چھابی

چنگیر روٹیاں رکھنے کے کام آتی ہے بعض علاقوں میں چنگیر کو چھابی کہا جاتا ہے لیکن کچھ حصّوں میں لفظ چنگیر اور چھابی بیک وقت استعمال ہوتے ہیں چنگیریں اور چھابیاں بڑی پلیٹ کی شکل کی بھی ہوتی ہیں۔ اور سانپوں کی پٹاری جیسی بھی۔ گاؤں کی عورتیں اور لڑکیاں عام طور پر چنگیریں اور چھابیاں خود ہی بُن لیتی ہیں بعض علاقوں میں چنگیر کو چھکور یا چکور بھی کہا جاتا ہے۔

بنانے کا طریقہ

چھابیاں اور چنگیریں ناڑ سے بُنی جاتی ہیں جب گندم کے پودے کھیت سے کاٹ لئے جاتے ہیں تو عورتیں اُن کے سٹّے کاٹ کر علیحدہ کر دیتی ہیں۔ باقی گندم کے پودے کا تنا رہ جاتا ہے جو سٹرا STRAW کی طرح کا ہوتا ہے بلکہ جب گاؤں میں کسی شخص کو دانتوں کی تکلیف ہوتی ہے اور پانی وغیرہ دانتوں کو لگتا ہے تو اسی ناڑ کو سٹرا کے طور پہ استعمال کیا جاتا ہے۔
جب ناڑ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو عورتیں اُن کا مٹھا (گٹھا) بنا کر اُسے پانی میں بھگو دیتی

ہیں جب گندم کی یہ بالیاں نرم ہو جاتی ہیں تو مختلف رنگ کا ڑھ کر انہیں الگ الگ برتنوں میں اُن رنگوں میں ڈبو دیا جاتا ہے اور پھر اِن مختلف رنگوں کے ناڑ سے عورتیں اور لڑکیاں مل کر چھابیاں اور چنگیریں بنتی ہیں۔ ناڑ کے علاوہ اس مقصد کے لئے کھجور کے پتّوں کو بھی استعمال کیا جاتا ہے جنہیں پیٹے، کھجے یا کھگے بھی کہا جاتا ہے۔

بعض عورتیں صرف اپنے گھر کے استعمال کے لئے چنگیریں بنتی ہیں لہٰذا اسی لئے کبھی سال میں ایک دو بار بُن لیتی ہیں۔ مگر کچھ غریب عورتیں چنگیریں بُن کر روزی کماتی ہیں۔ بعض عورتیں چنگیریں بنانے کے لئے ایک قسم کے جنگلی پودے جسے "کاہ" یا "کانہہ" کہتے ہیں کے پتّے بھی استعمال کرتی ہیں چنگیر بُننے کے لئے ایک موٹے سوئے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پانچ سات بالیاں لے کر اُن کے گرد نرم بالیاں لپیٹی جاتی ہیں اور انہیں گولائی میں سلسلہ در سلسلہ بُنتی جاتی ہیں۔

ماہر عورتیں چنگیروں میں رنگدار بیل بوٹے اور مختلف ڈیزائن بھی بناتی ہیں بعض عورتیں بالیوں کو چیر کر اُن کی اندرونی سمت کو اوپر کی طرف لے آتی ہیں۔ اس طرح چنگیریں سنہری دکھائی دیتی ہیں۔

چنگیریں کئی قسم کی ہوتی ہیں بعض عورتیں ڈھکنے دار چنگیریں بھی بناتی ہیں۔ ایک قسم کی چنگیر سالن وغیرہ کا برتن رکھنے کے لئے درمیان میں سے کٹورے کے مطابق گہری ہوتی ہے۔

لوک گیتوں میں چنگیر کا ذکر بار بار آیا ہے:

پھُلاں بھری چنگیر اے

اج راتی ڈھول آوے خوشیاں دی سویر اے

پچھّی

یہ ایک چھوٹی سی ٹوکری نما چیز ہوتی ہے جو پونیاں اور سوئی دھاگہ وغیرہ رکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اسے بھی ناڑ ہی سے چنگیروں کی طرح بُنا جاتا ہے۔ لوک گیتوں میں

اُچ شریف کے بازار میں چنگیروں، چھابیوں، پٹاریوں اور پنکھیوں کی دکان

پچھی کا ذکر،

پچھی وچ کل ماہیا
رُل گیا تیرا میرا دل ماہیا

چھکّو

یہ بھی ناڑ سے بنایا جاتا ہے اور عام طور پہ ڈھکنے والا ہوتا ہے اس میں بھی عورتیں پونیاں سوئی دھاگہ اور بٹن وغیرہ رکھتی ہیں۔

پٹاری

ناڑ یا کھجور کے پتوں سے بنی جاتی ہے۔ جوگی اس میں سانپ رکھتے ہیں جبکہ گھریلو عورتیں بیریں، سوئی دھاگے اور سوت وغیرہ رکھنے کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ پٹاری تماچنگیر روٹیاں رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

چورس/ڈبہ

یہ ناڑ سے بنی ہوئی ایک قسم کی صندوقچی ہوتی ہے جو گندم کی بالیوں اور دھاگوں سے تیار کی جاتی ہے۔

پکھّی

پکھی یا پنکھّی ہر گھر کی بنیادی ضرورتوں میں شمار ہوتی ہے اور اکثر دیہاتوں میں کچھ خاندان ایسے ہیں جن کا ذریعہ آمدنی پکھیاں بنانا ہوتا ہے۔ انہیں ڈنڈی گر یا پکھی گر کہا جاتا ہے۔ یہ پنکھیاں چھوٹے سائز سے لے کر اتنے بڑے سائز کی بھی ہوتی ہیں جنہیں بیک وقت دو آدمی

مل کر جھلتے ہیں۔ یہ پنکھیاں ناڑ کی بھی ہوتی ہیں اور کھجور کے پتوں سے بھی بُنی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ دستہ لکڑی یا سرکنڈے کا ہوتا ہے جسے ڈنڈی کہا جاتا ہے پنکھی بُننے سے پہلے کھجور یا ناڑ کے پتوں کو مختلف رنگوں میں رنگ لیا جاتا ہے اور اس سے پنکھی پر مختلف قسم کے نمونے بناتے جاتے ہیں پھر عورتیں کروشیے سے پنکھی کے کناروں پر جھالرین کر لگاتی ہیں۔ یہ جھالر کپڑے سے بھی بنائی جاتی ہے جو خوبصورت ہونے کے ساتھ زیادہ ہوا بھی دیتی ہے۔ دُلہن کی پنکھی سجاوٹ میں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بڑے زمینداروں کے گھروں میں چھت پر کپڑے کا بڑا پنکھا لگاتے ہیں جسے رسّی کے ذریعے کھینچ کر ہوا حاصل کرتے ہیں۔

پکھّی کا ذکر بھی لوک گیتوں میں اکثر آتا ہے :

پکھیاں توں پھُل پاساں

جیوندی جے رہی ڈھولا تیرے رَلنے دا گل پاساں

چھجّ

چھج سے گندم، جو، دالیں وغیرہ صاف کرتے ہیں۔ یہ چھج بھی سرکنڈوں سے بنایا جاتا ہے۔ کانوں کو باندھنے کے لئے عام طور پر سیبا استعمال ہوتا ہے۔

مُوڑھا

مونڈھے کو پنجابی میں مُوہڑا یا مُوڑھا کہا جاتا ہے۔ یہ دو طرح کا ہوتا ہے سادہ یا بازو والا۔ مُونڈھے بنانے کا کام عموماً مرد کرتے ہیں یہ رسیوں اور کانوں کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے۔

سرکنڈا یا کانا

سرکنڈے کو کانا کہتے ہیں جس سے دیہاتی بچے قلم تیار کرتے ہیں سرکنڈا ایک خودرو پودا ہے۔ جو پنجاب میں عام ملتا ہے۔ عموماً جنگلوں میں اُگتا ہے۔ بعض کسان اپنے کھیتوں میں مینڈوں یا

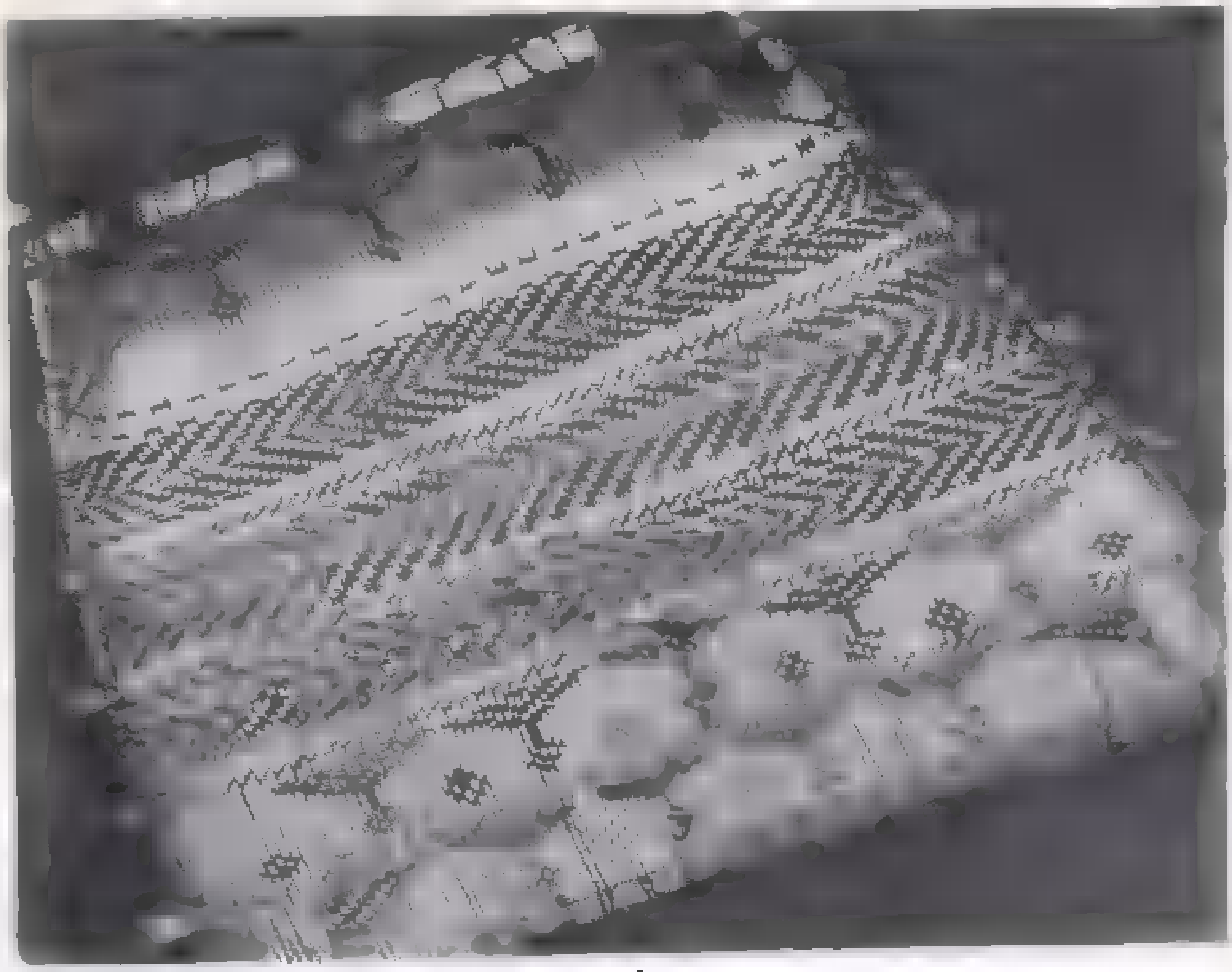

پچھ

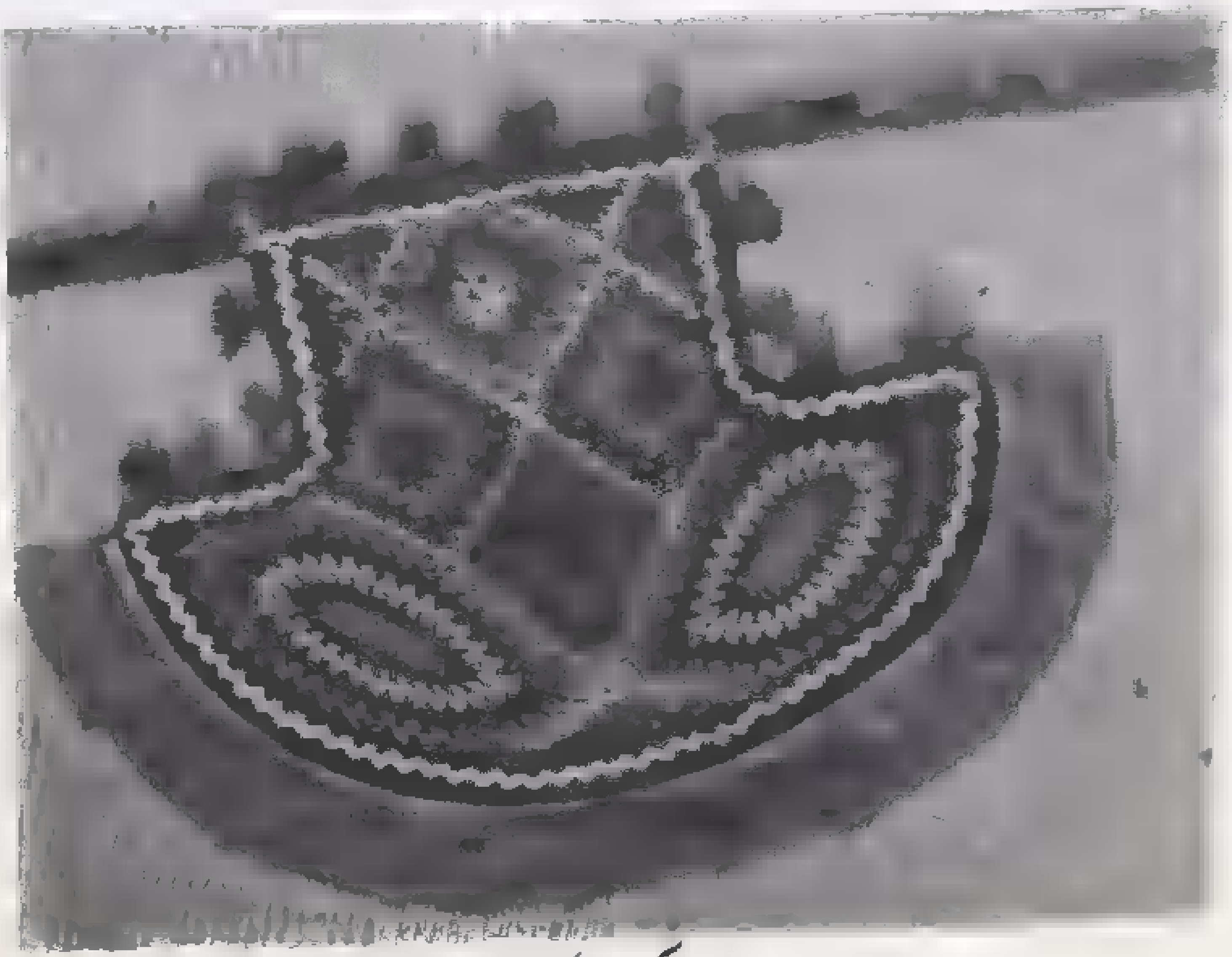

پکھی (پنکھی)

گندے نالوں کے کناروں پر خود بھی کاشت کر لیتے ہیں جب یہ پک جاتا ہے تو اسے کاٹ کر سکھا لیتے ہیں۔ سرکنڈے کو بعض دیہاتوں میں کچے مکانوں کی چھتوں کو پائیدار بنانے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔

دار / پڑچھتی

پڑچھتی کمرے کے اندر دیوار کے ساتھ ایک سرے سے دوسرے تک بنائی جاتی ہے اور اس پر برتن وغیرہ سجائے جاتے ہیں۔ پرچھتی کو پڑچھتی، دار، سیل اور ٹانڈ بھی کہتے ہیں۔ بعض گھروں میں دوہری پڑچھتی بنائی جاتی ہے۔ عورتیں پڑچھتیاں مٹی سے تیار کرتی ہیں اور ان پر مٹی ہی سے ابھرے ہوئے بیل بوٹے بھی بناتی ہیں۔

کھاری

ڈھور ڈنگروں کو چارہ ڈالنے کے لئے کھاری استعمال کرتے ہیں جو کانوں سے بنائی جاتی ہے۔ عورتیں سودا سلف لانے کے لئے اور کھیتوں میں کھانا اور دوسری چیزیں پہنچانے کیلئے بھی استعمال کرتی ہیں۔

پیڑھی اور پیڑھا

پیڑھی بیٹھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ سینی اور سوتلی سے بنی جاتی ہے۔ بڑی پیڑھی کے پیچھے سہارا لگا دیا جائے تو اسے پیڑھا کہتے ہیں۔ اس کے رنگیں پائے اور رنگین لکڑی کی پشت پناہ اس کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ منجی پیڑھا دلہنوں کے جہیز میں اہم چیزیں ہوتی ہیں۔

بوہکر / جھاڑو

جھاڑو گھریلو استعمال کی اہم چیز ہے۔ یہ کاہی اور ڈب سے بنایا جاتا ہے۔ کاہی اور ڈب کے تنکے عام طور پر کھیتوں کے کناروں پر خود بخود اُگ آتے ہیں۔ دیہاتی عورتیں ان کو توڑ کر تنکوں

سے چھلکے اُتار دیتی ہیں اور صاف ستھری دب سے جھاڑ دیا ہوکر بنا لیتی ہیں جس سے گھر بھر کی صفائی کی جاتی ہے۔

چھکّا

دیہاتوں میں چھکّے کا استعمال عام ہے۔ چھکّا چھت کے ساتھ رسّی باندھ کر ٹانک دیا جاتا ہے۔ اس میں سالن کی ہانڈی، دُودھ والی دیگچی اور دوسری کھانے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں۔

چاٹی، مدھانی اور گھڑ ینھینی

چاٹی، مدھانی اور گھڑینھینی دیہاتی عورتوں کے روزمرّہ استعمال کی اہم چیزیں ہیں۔ گھڑینھینی لکڑی کی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ سادہ بھی ہوتی ہے۔ مگر عام طور پر لوگ رنگین گھڑینھیوں پہ چاٹی رکھتے ہیں۔ چاٹی اور مدھانی دُودھ بلونے اور لسی بنانے کے کام آتی ہے۔ بڑی بوڑھیاں یا گھر کی بڑی بہو صبح صبح اٹھ کر دُودھ بلوتی ہے۔ چاٹی مدھانی اور دودھ بلوے کا ذکر بے شمار گیتوں میں آیا ہے۔

اُچی ماڑی تے دُودھ پئی رِڑکاں
مینوں سارے ٹبر دیاں جھڑکاں
ڈھول جانی ساڈی گلی آویں تیری مہربانی

گھڑونجیاں اور گھڑے

دیہاتوں میں پانی پینے کے گھڑے رکھنے کے لئے خاص طور پر لکڑی کی گھڑونجیاں بنائی جاتی ہیں۔ یہ زمین سے چند انچ سے لے کر تین فٹ تک اونچی ہوتی ہیں، ان پہ رکھے ہوئے

بطافت کھرے گھڑے دیہاتی عورتوں کی نفاست کی دلیل ہیں جن دیہاتوں میں پانی کی کمی ہے وہاں

عورتیں سروں پر گھڑے اٹھا کر دور دور سے پانی بھر کر لاتی ہیں۔ گھڑے کا ذکر بھی لوک گیتوں میں آیا ہے۔

پانی بھرن ٹیاںداں
ڈھولا گھڑا اُچکا دے

کوہاڑی (کلہاڑی)

کوہاڑی لکڑیاں چیرنے کے کام آتی ہے۔ مرد گھر میں نہ ہو تو عورتیں خود ہی لکڑیاں چیر لیتی ہیں کلہاڑی کے آگے لوہے کا پھل ہوتا ہے اور پیچھے لکڑی کا دستہ — چونکہ کلہاڑی ہر گھر میں موجود ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کبھی کوئی جھگڑا ہو جائے تو نوجوان غصے اور طیش میں آ کر ایک دوسرے پہ کلہاڑیوں سے وار کرتے ہیں۔

مٹی کا کام

عورتیں گھریلو استعمال کے لئے مٹی سے کئی قسم کی چیزیں بنا لیتی ہیں۔ دیہاتی زندگی میں ہر عورت کا مٹی کے کام سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جو عورتیں مٹی سے بنائی جانے والی اہم چیزیں خود نہیں بنا سکتیں انہیں پھوہڑ سمجھا جاتا ہے۔ مٹی سے بنائی جانے والی چند اہم چیزیں یہ ہیں۔

چُلھا، چولھا

گھروں میں کھانا پکانے کے لئے عورتیں خود چولہے بناتی ہیں۔ چولہے کئی قسم کے ہوتے ہیں جیسے چانواں چُلھا، چلواں چلھا، چاپڑ چُلھا، انگیٹھی چلھا وغیرہ۔

چانواں چُلھا

یہ چولہا اس طرح بنایا جاتا ہے کہ جہاں جی چاہے اسے اٹھا کر وہاں رکھا جا سکتا ہے۔

انگیٹھی چُلھا

یہ چولہا انگیٹھی نما ہوتا ہے اس میں دہکتے کوئلے رکھے جاتے ہیں جو سردی کم کرنے کے لئے اور بعض اشیا گرم کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ انگیٹھی چلھا جو بڑے سائز کا ہوتا ہے کھانا پکانے کے بھی کام آتا ہے۔

حارہ

یہ ایک گول پیالہ نما چیز ہوتی ہے جس میں اُپلے دہکا کر کوئی چیز پکنے یا کڑھنے کے لئے رکھ دی جاتی ہے۔

تندوری

اکثر دیہاتوں میں ماچھنیں تنور تپاتی ہیں اور گاؤں کی سب عورتیں آٹے کے عوض روٹیاں لگوا کر لے جاتی ہیں لیکن بعض عورتیں تندور خود بنا لیتی ہیں اور کمہار عورتیں تندور بنا کر بیچنے کا کام بھی کرتی ہیں۔ پنجاب کی عورت کا تندوری سے گہرا تعلق ہے۔ لوک گیتوں میں بھی تندوری کا ذکر آتا ہے:

تندوری تاتی ہوئی آ
کھسماں نوں کھان روٹیاں
چھٹی سجناں دی آئی ہوئی آ

بھڑولا

یہ ایک تندور نما چیز ہوتی ہے جس کی بلندی قدِ آدم بھی ہوتی ہے اور دو تین فٹ بھی۔ یہ اناج کو محفوظ رکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ بھڑولے کے اوپر کی طرف اناج ڈالنے کے لے مُنہ بنا ہوا ہوتا ہے جو ڈھکنے سے بند کر دیا جاتا ہے۔ ڈھکنے کو "چاپڑ" کہتے ہیں۔ بھڑولے کی نچلی طرف اناج نکالنے کے لئے ایک سوراخ رکھا جاتا ہے جسے "اُین" یا "اُیہن" کہا جاتا ہے۔ بعض عورتیں بھڑولے کے شکم میں ایک چھوٹی سی 'باری' بھی نصب کر دیتی ہیں۔

توا

توا مٹی یا لوہے کا بنا ہوا ہوتا ہے جسے چوُلہے پر رکھ کر روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔

کڑچھی

کڑچھی بڑے چمچے کی شکل کی ہوتی ہے جسے چیزیں تلنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

پرات

پرات عام طور پر لوہے اور تانبے کی ہوتی ہے جسے کناتی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی اس میں آٹا گوندھا جاتا ہے لیکن ایک پرات گھر میں ایسی بھی ہوتی ہے جس میں عورتیں کپڑے دھوتی ہیں۔

توے، کڑچھی اور پرات کا گیت

توا پرات پتل دی کڑچھی
دے بولداں دی جوڑی
جاری ہُنی آں

باپُو دے مَیں جُدی ہُنی آں
باپُو دے مینوں جمیں لے دے
جیٹھ دی لسّی دے شریک دی لسّی
بھائی چاچے دی لسّی بھنیوں پینی دے
جمیں لے دے
باپُو دے میں جُدی ہُنی آں

توا پرات پتّل دی کڑچھی
دے بولداں دی جوڑی
باپو دے میں جدی ہنی آں

میری جٹھانی بڑی کوپتّی
سُتّی کلا جگاندی دے
باپُو دے وَنڈ پیلیاں
پُتر تیرے بٹّے لڑاکے
روج لڑائیاں لڑدے دے
جُدی ہُنی آں

باپو دے گل من میری
کھُوہ دے کول چُبارا پادے
پنڈ دی دعوَی کرنی
باپُو دے جُدی ہُنی آں
باپُو دے مَیں جُدی ہُنی آں

چکّی

چکّی میں آٹا، دالیں اور کئی دوسری اشیا پیسی جاتی ہیں۔ چکّی پیسنا بڑا محنت طلب کام ہے اور اسی لئے پنجاب کے لوک گیتوں میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ساس اپنی بہو کو چکّی پیسنے کے لئے کہتی ہے بلکہ بعض گیتوں میں بہو پر ظلم کرنے کے لئے اُسے ساس چکّی پیسنے کے لئے کہتی ہے اور اگر وہ تھک کر کچھ دیر کے لئے چھوڑ دے تو طعنے دیتی ہے۔ چکّی پیسنا ایک ریاضت بھی تصوّر کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارے صوفی شعرا نے اپنے اشعار میں چکّی کا ذکر کیا ہے۔ گاؤں کی بوڑھی عورتیں مرتے دَم تک چکّی پیسنا نہیں چھوڑتیں — لیکن لوک گیتوں میں چکّی کا ذکر عام طور پر بہو کے حوالے سے آیا ہے۔

آپ سسو پلنگ لیٹ دی
ساتوں ماردی چکّی ول سینتاں
ساتھوں چکّی نہیوں پیسدی
ہائے او نہیوں پیسدی
چکّی پیسن سوہرے دیاں جائیاں

آپے چکّی پیس جاؤ گی
جدوں ڈانگ سماں والی کھڑکی

اَدھی راتیں مار پئی
بھن سٹیاں لوک جہیاں ہڈیاں

جیدوں سس مینوں ماریا
میری ٹٹ گئی گلّے دی مالا

نالے مُنڈا اوتی چنگدا
نالے پچھ! اکھتے گھتے وجیاں

آپے تپا لگ جاؤ گا
دن چڑھدے نوں قید کرا دواں

میری سُکھ دُن سوہنیے
دن چڑھدے نوں قید کرا دواں

چرخا

پنجاب کے دیہاتوں میں چرخا ہر گھر کی بنیادی ضرورتوں میں شمار ہوتا ہے۔ چرخا دراصل سوت کاتنے کے کام آتا ہے۔ اس لئے چرخا محنت کا سمبل بن چکا ہے کسی بوڑھی یا جوان عورت کے سلیقے اور مہارت کو پرکھنے کے لئے اس کے کاتے ہوئے سوت کو دیکھا جاتا ہے جس ماں کی بیٹی اچھا چرخا کاتتی ہو وہ اپنا سر فخر سے بلند رکھتی ہے بلکہ آج بھی بعض قدیم اور دور دراز کے دیہاتوں میں لڑکی کا رشتہ بیتے یا دیتے وقت اس کے چرخا کاتنے کی مہارت کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لڑکی کو جہیز میں چرخا ضرور دیا جاتا ہے اور لڑکیاں اپنے بڑھاپے تک اس چرخے کو کاتتی ہیں اور ماں باپ کی نشانی سمجھ کر سنبھال کر رکھتی ہیں چرخے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے صوفی شعراء نے بھی چرخے کا ذکر اکثر کیا ہے۔ لوک گیتوں میں بھی چرخے کو خاص مقام حاصل ہے۔

چرخا میرا رانگلا
تند کڈھاں ودیاں

لڑکیاں چرخہ کات رہی ہیں

میرے چرخے دی گھوک سُن کے
جوگی اُتر پہاڑوں آیا

میرا چرخا دی اے چل ادتھے
وے جیھتے تیرے ہل وگدے

چرخا میر گھاڑو گھڑیا
مُتے میرے بھائی
پونیاں میریاں انگ نی سہیلیاں
ماہل وڈی بھر جائی
وگ وگ وے چرکھڑیا
تینوں چریں میں وگایا
تیری ماہل کرڑاندی
ڈھولا وطناں تے آیا

پڑوپی، ٹوپا، دھڑوپا

یہ تین لکڑی یا لوہے کے برتن ہوتے ہیں جن کی شکل پٹاری جیسی ہوتی ہے جو کہ اوپر سے تنگ اور نیچے سے کھلے ہوتے ہیں۔ یہ تینوں برتن ناپ تول کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ عورتیں جب ایک دوسری سے چاول، گندم، شکر یا کوئی ایسی چیز اُدھار مانگتی ہیں تو اس کا وزن پڑوپی یا ٹوپے کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

پڑوپی سب سے چھوٹی ہوتی ہے۔

پڑوپا اس سے بڑا ہوتا ہے۔ اور پانچ پڑوپوں کا ایک دھڑوپا ہوتا ہے۔

حُقّہ۔

شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس میں حقہ موجود نہ ہو ورنہ چاہے کسی گھر میں کوئی حقہ پینے والا ہو یا نہ ہو حقہ ضرور ہوتا ہے۔ بوڑھوں کے لئے حقہ تازہ کرنا اور بھرنا خدمت میں شمار کیا جاتا ہے۔ گاؤں کی تمام محفلیں اور اکٹھ حقے کے گرد ہوتے ہیں۔ شادی بیاہ سے لے کر موت کی بچھوڑی تک حقہ ساتھ رہتا ہے۔ بہت سے دیہاتوں میں حقے کی سجاوٹ پر ڈھیروں پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ ٹھنڈا رکھنے کے لئے بہت سے خوش مزاج لوگ حقے کی نڑی پر رسی لپیٹ کر اس کے اندر مٹی ڈال کر اس پر جو بھی اُگا لیتے ہیں۔ حقے کی کئی قسمیں ہیں۔

چموڑا، صراحی، حُقی، گٹے والا حقہ، چکردار یا پھرواں حقہ۔

حُقّہ

بچوں کے کھلونے

مٹی کے کھلونے

بعض مائیں اپنے بچّوں کو بہلانے کے لئے انہیں مٹی کے کھلونے بنادیتی ہیں۔ بچّے خود بھی مٹی سے کھلونے بناتے ہیں۔ عام طور پر مٹی سے اوٹھ (اونٹ) مجھ (بھینس) گاں (گائے) ڈھگا (بیل) گھوڑا، چھنکنا (جھنجھنا) چکی، ہانڈی، ڈوئی، ڈوہنی، توا، چلھا، (چولھا)، پیالہ، گلاس پرات، تھالی وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

سرکنڈوں کے کھلونے

سرکنڈے سے کئی قسم کے کھلونے بھی تیار کیے جاتے ہیں۔

گھوآں یا ڈڈ

یہ ایک قسم کا کھلونا ہے جو سرکنڈے، دھاگے اور مٹی کی مدد سے تیار کیا جاتا ہے۔ سرکنڈے کے ساتھ ایک دھاگہ اس صورت میں باندھا جاتا ہے کہ دھاگہ کے دوسرے سرے پر بندھا ہوا لکڑی کا گھنواں گھمانے سے دھاگہ سرکنڈے کے گرد گھوم جاتا ہے۔ گھنویں کے گھمانے سے گھوں گھوں کی آواز پیدا ہوتی ہے جس سے بچے محظوظ ہوتے ہیں۔

چھنکنا

جھنجھنے کو پنجابی میں چھنکنا کہتے ہیں۔ سرکنڈوں کی ایک مٹھی سی بنا کر اس میں پتھر ڈال دیئے جاتے ہیں، جسے کانے کے دستے کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے جو ہلانے پر بجتا ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹی بچیاں

سرکنڈوں کو چھیل کر ان سے میز کرسیاں، ڈولیاں، چارپائیاں وغیرہ بناتی اور ان سے کھیلتی ہیں۔

چکی

گیلے سرکنڈے کی مدد سے چھوٹی سی چکی بنا کر کھیلتی ہیں۔

اونٹ کا ماڈل

گیلے سرکنڈے سے بچے اونٹ کا ماڈل بنا کر اس سے کھیلنا پسند کرتے ہیں۔

گیلی (کھلونے بیچنے والی) گھگھو گھوڑے بیچ رہی ہے۔

کچھ کھانے پینے کی چیزیں

۱۔ روٹی، مٹھی روٹی، مسی روٹی، ٹاپ، گوگی، ٹِکی، مَنّی، مَن، دوڈ، پراٹھا، پیمٹی، مولی والی روٹی۔ مکئی کی روٹی، باجرے کی روٹی، سوانک کی روٹی، چاولوں کی روٹی۔ پُوڑے، پُوڑیاں۔

۲۔ چُوری، چورماں، بوڑداں۔

۳۔ پنجیری، پھلجیرا، دال، نخاستا (نشاستہ)۔

۴۔ پنّیاں، بُھگّا۔

۵۔ مرونڈا، گجک، چیڑھ۔

۶۔ سیویّاں، پوٹا سیویّاں، پھینیاں، رومالی سیویاں۔

۷۔ چاول، زردہ، متنجن، پلاؤ، کھیر، کھچڑی، پتّریا، اَلّ، بھتّا۔

۸۔ بھنڈارا۔ مزاروں پہ دیگ میں پکی ہوئی دال کو روٹی پہ رکھ کر تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کھانے کو بھنڈارا کہتے ہیں۔

۹۔ گوجی/ترپوڑ: لسی کے گلاس میں گائے بھینس وغیرہ دوہتے ہوئے دُودھ کی پہلی دھاریں مار کر بنایا ہوا مشروب۔

۱۰۔ کانجی۔ کالی گاجروں میں مصالحے اور پانی ڈالکر بنایا ہوا نمکین اور تیز مشروب۔

۱۱۔ بوہلی/ہوبلُو۔ تازہ سُوئی ہوئی گائے بھینس وغیرہ کے پہلے دو تین دنوں کا دُودھ جس میں گُڑ ڈال کر کاڑھ لیا جاتا ہے۔

۱۲۔ شربت۔ ۱۳۔ سردائی ۱۴۔ لسّی، کچّی لسی، مٹھی لسّی

سبزی کی دکان

ایک طویل گیت

پنجاب کے علاقوں میں کچھ عرصہ خانہ بدوشوں جیسی زندگی بسر کرنے کے بعد اب جب میں کوئی ایک تاثر مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے پنجاب ایک طویل لوک گیت ہے جو میری پیدائش سے پہلے شروع ہوا اور موت کے بعد بھی جاری رہے گا جب بھی میں کسی سے کہتا ہوں کہ پنجاب ایک طویل لوک گیت ہے تو مجھے وہ کہانی یاد آجاتی ہے جو آج تک دنیا کی طویل ترین کہانیوں میں سرفہرست ہے۔ ایک بادشاہ نے شرط عائد کر رکھی تھی کہ کوئی اسے ایسی کہانی سنائے جو کبھی ختم نہ ہو۔ بہت سے لوگ آئے اور ناکام ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے لیکن ایک بڑھیا نے کہانی یوں شروع کی۔

ایک گندم کا گودام تھا ہر سال اس میں نئی گندم آجاتی۔ پرانے سال کی گندم ختم ہوتے ہی بلکہ ختم ہونے سے پہلے ہی گودام نئے سال کی گندم سے بھر جاتا۔ ایک چڑیا روشندان سے اندر آتی اور گندم کا دانہ اٹھا کر لے جاتی۔ ہر روز وہ یونہی کرتی۔ پرانی گندم ختم ہو جاتی تو نئی گندم آجاتی ـــــ اور وہ چڑیا نہ جانے کب سے اب تک اسی طرح کر رہی ہے اور یہ کہانی جاری ہے۔ سویا ہوا بادشاہ جب بھی آنکھ کھولتا ہے۔ قریب بیٹھی بڑھیا کہتی ہے چڑیا آئی روشندان پر بیٹھی پھر اندر آئی دانہ اُٹھایا اور چلی گئی ـــــ بادشاہ کی آنکھ لگ جاتی ہے۔ بڑھیا چپ ہو جاتی ہے۔ جونہی بادشاہ کی آنکھ پھر حرکت کرتی ہے بڑھیا کہتی ہے چڑیا آئی۔ روشندان پر بیٹھی ـــــ اور یہ کہانی یونہی جاری رہتی ہے اور جاری رہے گی ـــ

پنجاب بھی ایک ایسا ہی طویل لوک گیت ہے جو جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس گیت میں چرخے کی گھوں گھوں ردم کے طور پر اُبھرتی ہے ایک لڑکی کاتنا چھوڑتی ہے تو

دوسری کاتنا شروع کر دیتی ہے۔ میں کہتا ہوں جب تک چاند پہ چرخا کاتنے والی بڑھیا تھک نہیں جاتی پنجاب کی لڑکیاں چرخا کاتتی رہیں گی کیونکہ بزرگ کہتے ہیں۔ اللہ چرخا کاتنے کے عمل کو پسند کرتا ہے۔ یہ زندگی کے عمل کا استعارہ ہے۔ اسی لئے پنجاب کے صوفی شعرا کے ہاں چرخا مقبول استعارہ اور علامت ہے اور کاتنا عبادت اور ریاضت میں شامل ہے۔ جب لڑکیاں مل کر چرخا کاتتی ہیں اور کبھی کبھی جگراتا (رت جگا) کر کے ساری ساری رات چرخا کاتتی ہیں تو صوفیا کو یہ عمل بہت پیارا لگتا ہے۔ ایسے موقعوں پہ وہ دوسری لڑکیوں کو بھی مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں "اب کات لو، وقت مت گنواؤ، یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا—

چرخے کے حوالے سے زندگی کے تمام پہلو زیرِ بحث آجاتے ہیں۔ چرخا کاتنا دراصل زندگی بسر کرنا ہے۔ ہمارے لوک گیتوں میں چرخے کی سجاوٹ کا ذکر بھی بار بار آتا ہے اور وہ لڑکی زیادہ اہم خیال کی جاتی ہے جس کا چرخا زیادہ خوب صورت ہوتا ہے۔ چرخے کی خوب صورتی ایک طرح سے ریاضت اور عبادت کے لئے خواہش اور نیک نیتی کی نشانی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ کائنات کی تخلیق کا عمل بھی چرخا کاتنے کے عمل سے مماثلت رکھتا ہے اور چرخا اس قدر مکمل اور بھرپور استعارہ اور علامت ہے کہ زندگی اور عمل کے لئے اس سے بڑی علامت اور استعارہ اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب اگر ایک طویل لوک گیت ہے تو چرخا اس لوک گیت کی روح ہے اور چرخے کا ردھم اس لوک گیت کے بولوں میں نکھار اور دوام پیدا کرتا ہے۔ شاید اسی لئے چرخا میری کمزوری ہے۔ میں نے ابھی کہا تھا کہ چرخے کے حوالے سے زندگی کے تمام موضوعات زیرِ بحث آجاتے ہیں۔ مثلاً لڑکیاں فخر سے کہتی ہیں کہ ان کا چرخا ان کے بھائی نے گھڑا ہے (بنایا ہے) بھائی کی محبت بہادری سے محبت ہے وہ بہادری جو لڑکی کی حفاظت کرتی ہے وہ لڑکی جو ماں ہے، بہن ہے، زمین ہے، وطن ہے۔ میں نے "روزمرہ استعمال کی چیزوں" کے باب میں چرخے کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ شادی کے وقت لڑکی کو والدین جو چرخا جہیز میں دیتے ہیں لڑکیاں انہیں ساری زندگی سنبھال کر رکھتی ہیں اور عام طور پہ اپنی بیٹیوں کو جہیز میں

دے دیتی ہیں۔ یہ چرخا نہیں بلکہ محنت، عبادت اور ریاضت کا وہ تصور ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل تک مستقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہر کیفیت کا ترجمان ہے۔ سب چیزیں اس کی طرف لپکتی ہیں۔ پنجاب کے دریا۔ اس چرخے کی تند ہیں۔

چرخا میرا رانگلا

تند کڈھاں دریاؤں

لمبی تند، دریا کی ہیئت اور روانی کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ دریا جو اس طویل لوک گیت کے کردار ہیں جسے میں نے پنجاب کہا ہے درخت بوڑھے ہو جائیں تو ان کی لکڑی سے چرخا اچھا بنتا ہے اور مضبوط ہوتا ہے۔ لہذا چرخا وجود میں آنے سے پہلے ہی درخت کی صورت میں طویل ریاضت کے عمل سے گزرتا ہے تب کہیں اس کا وجود قیام میں آتا ہے اور یہ وہ ریاضت ہے جو صوفیا کے عمل اور ریاضت سے مماثلت رکھتی ہے۔ پنجاب ایک ایسا طویل گیت ہے جس کے کئی موڑ ہیں اور ان سب پر صوفیانہ موڈ غالب ہے۔ جو صحراؤں میں قیام اور ریاضت سے لے کر چرخے کی گھوں گھوں سے ترتیب پاتا ہے۔ اس میں بابا فرید شکر گنج اور داتا گنج بخش کے سانسوں کی گرمی شامل ہے۔ بلھے شاہ، وارث شاہ، غلام فرید سچل اور باہو کی آوازیں گونجتی ہیں۔ یہ سب اس لوک گیت کی ہیئت اور مزاج کے حصے ہیں اور چرخا کاتتی ہوئی لڑکی ایک رابطہ بھی ہے اسی لئے تو وہ اس لوک گیت کے سارے حوالے جمع کرتی ہے اور کہتی ہے:-

میرا اے چل چرخا او ڈھے

دے جیتے تیرے ہل وگدے

ہل اس طویل لوک گیت کا دوسرا اہم اور بڑا کردار ہے جسے میں نے پنجاب کہا ہے ہل بھی محنت اور ریاضت کا استعارہ اور علامت ہے بلکہ ہل کے آگے جُتے ہوئے بیل اس FORCE کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا تعلق جذبات سے ہے چاہے یہ جذبات محبت کے ہوں یا نفرت کے۔ ہل سے پیداوار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ہل وہ ہتھیار ہے جو غربت کے خلاف جہاد کے لئے استعمال ہوتا ہے

اور زمین کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ انسانوں کی خوشحالی کا موجب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہل چلانے والا نوجوان سب کو پیارا لگتا ہے اور اسی لئے چرخا کاتنے والی لڑکی بھی ہل چلانے والے کو یاد کرتی ہے۔ لہٰذا ہل اور چرخے کا تعلق زندگی کے دویوں کا تعلق ہے اور یہ رویئے پنجاب کے لوگوں کی غربت، خوشحالی اور دوسرے مادی پہلوؤں کو زیربحث لاتے ہیں یہ بحث طویل لوک گیت (پنجاب) کا حصّہ ہے۔ اس لوک گیت کے بول چرخے کی تند سے اور چرخے کی تند اس لوک گیت سے زیادہ طبعی ہے اور لوک ساز کنگ کی "تار" اسی تند کا حصّہ ہے جبھی تو کنگ جسے اکتارا بھی کہتے ہیں ہمارے صوفی شعراء اور لوک فنکاروں کا محبوب ساز ہے۔ کنگ کی ایک تار پنجاب کے عوام کے نظریئے کی ترجمانی کرتی ہے۔ اسی تار کی گونج میں وہ اللہ ہو۔ اللہ ہو کرتے ہیں اور یہ ایک تار وہ تار ہے جہاں بہت سی تاریں ایک ہو جاتی ہیں۔

جب میں اپنے تجربات کو کتابی صورت میں سمیٹ رہا تھا تو کچھ موضوعات پر گفتگو کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان احباب نے گفتگو میں حصہ لیا جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

رشیدہ بیگم، ممتاز مفتی، فتح محمد ملک، شورش ملک، تنویر بخاری
عطاء الحق قاسمی، شاہین مظہر، ڈاکٹر صفدر محمود، اقبال حیدری اور پنجاب کے عوام

OT-CS-788-oi
SERIES "CULTURAL SURVEY"
C IFH 1978

Chief Editor : Uxi Mufti
Author : Mazhar-ul-Islam
Photographs : Uxi Mufti
Mazhar-ul-Islam
Title : Farooq Qaiser
Calligraphy : M. Aslam Cheema

First published 1978 by Institute of Folk Heritage, Islamabad.

All rights reserved

No part of this book may be reproduced in any form, by mimeography or any other means, without permission in writing. For information address Publication Section, Institute of Folk Heritage, P.O. Box 1184, Islamabad-Pakistan.

Printed by Allied Press, 26-The Mall, Lahore.

010-CS-788-01

IFH

Lok Panjab

Lok Panjab : "The Ways of the people of Panjab" is a reconstruction of cultural and social mileu, the most populous province of Pakistan and encompasses habits, folk tales, proverbs, figures of speech, romance and stories of miracles performed by Sufis and Saints. This is the first study in Pakistan from a national stand point and presents a composite picture on **Oral Traditions.** To produce this book Mr. Mazharul Islam followed the tracks of **Heer Ranjha** and other romances with the Mobile Unit of the National Institute of Folk and Traditional Heritage.